گنجینۂ تحقیق
اتر پردیش اردو اکاڈمی، لکھنؤ

سلسلۂ مطبوعات نمبر ۲۲

گنجینۂ تحقیق

سیّد احمد بیخود موہانی

اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ

گنجینۂ تحقیق

سید احمد بیخود موہانی

GANJEENA-E-TAHQEEQ

Mohd. Ahmad Bekhud Mohani

پہلا فوٹو آفسیٹ ایڈیشن ۱۹۷۹ء

قیمت : ۱۰ روپے ۵۰ پیسے

غلام حسین زیدی، سکریٹری اتر پردیش اردو اکاڈمی نے میسرس جے۔ کے آفسیٹ پرنٹرس
جامع مسجد، دہلی ۶ سے چھپوا کر اکاڈمی کے دفتر بلہرہ ہاؤس، قیصر باغ، لکھنؤ ۱ سے شائع کی۔

دیباچہ

بیخود صاحب اردو ادب کے پارکھ تھے۔ ان کی نظر زبان و ادب کے مختلف پہلوؤں پر تھی ان کا ادبی ذوق نہایت ستھرا تھا اور شعر کے حسن و قبح پر ان کی تحریریں اردو کی عملی تنقید میں توجہ سے پڑھی جانے کی مستحق ہیں۔ اردو میں ادبی تنقید کا انداز اور آہنگ بدلا تو قدیم طرز تنقید کے نمونے بھی نا التفاتی کا شکار ہو گئے گو ان میں ایسے متعدد نکات و رموز تھے جو فن کی پہچان میں معاون ہو سکتے تھے۔ قدیم تنقید کے اصول و آئین کی طرف ادھر چند برسوں سے پھر توجہ ہوئی ہے گو ابھی تک اس کا کوئی معروضی مطالعہ سامنے نہیں آیا ہے۔

گنجینۂ تحقیق جناب بیخود کی تنقیدی تحریروں کا مجموعہ ہے ان میں متعدد علمی اور ادبی مسایل زیر بحث آئے ہیں اور ایسے اصول و ضوابط کی مدد سے ادبی تنقید کی معیار بندی ہوئی ہے جس کی اہمیت آج کے حالات میں بھی کم نہیں ہوئی ہے جب بھی ہمیں اپنی شعری روایات کو پہچاننے اور اس کے اصول و ضوابط کو پرکھنے کی ضرورت محسوس ہو گی اس قسم کی تحریروں کی اہمیت اور بھی زیادہ ہوتی جائے گی۔

اتر پردیش اردو اکاڈمی نے اپنے اشاعتی منصوبے میں گنجینۂ تحقیق کو بھی شامل کیا ہے اور

اب اس کا فوٹو آفسیٹ اڈیشن پیش کیا جا رہا ہے ان میں سے اکثر تحریروں نے لکھنؤ کے ادبی حلقوں کو متاثر کیا تھا اور اپنے زمانے کے ادبی معرکوں میں ان کی بڑی اہمیت تھی آج جب وہ دوبارہ شائع ہو رہی ہیں وقت نے ان کی ہنگامی حیثیت کو ضرور دھندلا دیا ہے مگر شاید اب ان رموز و نکات کے علمی پہلو زیادہ معروضی انداز سے سامنے آسکیں گے اور اکاڈمی کی یہ کوشش ادبی حلقوں میں پسند کی جائے گی۔

محمد حسن

چیرمین مجلس انتظامیہ

اتر پردیش اردو اکاڈمی،

لکھنؤ

۲۳ فروری ۱۹۷۹ء

فہرست

ہدیۂ شوق

مین گنجینۂ تحقیق کے جواہر خمسہ ذوق وشوق کی کشتی مین لگا کر
شہنشاہ ادب و انتقاد کی بارگاہ گوہربار مین پیش کرتا ہون، جسکی
برقِ نگاہ کی چھوٹ پڑتے ہی ہر جوہر تابدار، ہر گوہر آبدار کا
آب ورنگ، تاب وسنگ اپنے اصلی رنگ مین جگمگا اٹھتا
ہے، اِدھر خمسۂ نجبا کے صدقہ مین یہ نذر قبول ہوئی اُدھر
ہرایک الماس ریزہ الماس آفتاب ہرایک جواہر پارہ
دنیائے آب وتاب بنا رکھا ہے۔

بندہ ناچیز

بیخود موہانی

دیباچہ

بیا تا گل بر افشانیم و می در ساغر اندازیم
فلک را سقف بشگافیم و طرح نو در اندازیم

یہ دور ہندوستان کیلیے انقلاب کا دور ہے دنیا کی دنیا بدلی نظر آتی ہے، اور کچھ ایسے مناظر پیش نظر ہین کہ حسرت وقف حسرت اور حیرت محو حیرت ہے، ذوق شعری موت کی نیند سو رہا ہے۔ ناآشنایان رموز تحسین کے ہاتھون تنقید کا خون ہو رہا ہے، کل کسی بانی بیداد نے کسی تاجدار نکتہ سنجی کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے، آج کسی جلاد نے کسی شہریار نکتہ پروری کی لاش قبر سے نکال کر پامال کر ڈالی، کہین ایک ذرے کو آگ دکھائی گئی اور خواجہ آتش علیہ الرحمہ کی خاک بازیچہ صبا نظر آئی، کہین ایک سنگ اڑائی گئی اور مرزا غالب اعلی اللہ مقامہ کی قبر گرد و غبار کا پتلا نظر آئی، کوئی ایک تقویم پارینہ کے بل ہنگامہ پرداز کر سر اپنے معاصرین کے صید زبون تھے کوئی اپنی کج طبعی و کج نگاہی کے زور پر غلغلہ انداز کہ سودا سودائی جنون تھے، نغمہ سنجان تحقیق کی زبانین بند ہین، ہر طرف انا انا کی صدائین بلند ہین۔

قصہ مختصر اردو (شہنشاہان تیموریہ اور تاجداران اودھ کی ناز پروردہ اردو) بے یار و مددگار اردو تیرون کے دور تلوارون کے حلقہ مین گھری ہے یہان کے اکثر ادیب ادب ناآشنا، یہان کے اکثر نقاد تنقید کے مفہوم سے بے پروا، کچھ ملٹن کے سنگیت اور شکسپیر کے ترانون سے میر کی بہار اور ویک سودا کی ملتانی اور ہنڈول کا مقابلہ کرنے والے، کچھ عشق و ہوس مین موزانہ کرنے والے بعض کا یہ عالم، کہ تعریف پر اتر آئے تو کلام عامی کو وحی ربانی بنا دیا، تنقیص کی ٹھانی تو کلام الہامی کو

شعر سوقی سے بھی پست بتا دیا، کوئی مروت سے سرسبد گلو، کوئی عداوت سے برق بار، کسی کو مجاز اور لغت مین امتیاز نہین، کوئی تشبیہ اور استعارہ کا محرم راز نہین، کوئی گلابی اردو کا موجد، کوئی اردوئے معرب کا موید۔

اب وقت آگیا ہے کہ اگلے خاک نشینون اور موجودہ نکتہ آفرینون سے گوشہ انزوا چھوٹے اور شعبدہ بازان انتقاد کا باندھا ہوا طلسم ٹوٹے یہی ضرورت تھی اور یہی ضرورت ہے کہ مجھ خاکسار کے احباب نکتہ سنج کے اصرار نے حکم کی صورت اختیار کر لی اور مجھے اپنے تنقیدی مضمونون کا مجموعہ کتاب کی صورت مین شائع کرنا پڑا۔ معترضین کا جواب دیتے وقت تحقیق و تدقیق کا کوئی دقیقہ قصداً امکاناً فروگزاشت نہین کیا گیا ایک ایک لفظ کی سند مین اساتذہ معتبر کے تصانیف سے متعدد مثالین پیش کی گئی ہین اور یہ اہتمام کیا گیا ہے کہ مخالف کو جائے دم زدن نہ رہے۔ ادائے مطلب کے لیے انتخاب الفاظ مین بھی بساط بھر کوئی کسر اٹھا نہین رکھی گئی، یہ ضرور ہوا ہے کہ بعض مضامین کی تمہید مین کچھ مشکل ہو گئی ہین، مگر آخر زبان قلم پر کوئی کہان تک پہرے بٹھائے۔

ابتدائے تین مضمون آئینہ تحقیق، سر تحقیق اور سرمایۂ تحقیق غالب عدیم المثال کے ان احسانات کا حق ادا کرنے کی نظر سے لکھے گئے ہین جو انھون نے اردو علم ادب پر کیے ہین۔

مضمون اول آئینہ تحقیق:۔ اس مین دیوان غالب کی ۹ شرحون کے متعلق اجمالی رائے اور غالب کی ایک غزل کا حل ہے، اور جناب مجیب دانستہ شرقیہ حضرت شوکت میرٹھی اور جناب نواب حیدر یار جنگ نظم طباطبائی لکھنوی اور جناب مولانا حسرت موہانی کے بیان کردہ مطالب پر نظر ڈالی گئی ہے۔ پہلے پہل یہ مضمون ۱۹۲۰ء مین روزنامہ ہمدم کے ذریعہ سے ارباب نظر تک پہونچا اور کچھ اس طرح چمکی دو دلی کہ نگہ ٹھہرائے تو چند، آنکھ ٹھہرائے تو کتنا زمانہ برسون فراموش نہوا پھر ۱۹۲۵ء مین مدیر الناظر لکھنو نے اسے شائع کیا۔

مضمون دوم سر تحقیق:۔ (آئینہ تحقیق پر اودھ پنچ کے اعتراضات کا جواب) اس مضمون

مین شعرائے کرام و ادبائے عظام کے تصانیف سے سند مین پیش کرنیکا خاص التزام کیا گیا ہے۔

لیکن اودھ پنچ کے مضمون پر مین نے جہان تک غور کیا مجھے تو یہ نظر آیا ؎

ہم پر جفا سے ترکِ وفا کا گمان نہین
اک چھیڑ ہے وگرنہ مراد امتحان نہین

مضمون سوم سرمایۂ تحقیق۔ (آرگس بجواب غالبِ بے نقاب) حضرت آرگس نے ”نگار“ لکھنؤ مین ایک طولانی مضمون لکھا جس مین دکھایا گیا کہ غالب نے اساتذۂ ایران و ہند کے مضامین کا سرقہ کرکے اپنے دیوانکو گلدستہ بنا دیا ہے، سرمایۂ تحقیق مین اکثر اشعار غالب کے اشعار اساتذۂ فارس پر ترجیح دیگئی ہے اسکا اصل سبب ہے کہ جناب آرگس نے فارسی اشعار کا انتخاب اچھا نہین کیا، بعض اشعار کے متعلق بتایا گیا ہے کہ یہان مرزا کا مرتبہ ہے بعض اشعار کے متعلق دکھایا گیا ہے کہ ان مین موازنہ صحیح نہین اور بحمد اللہ اب نگار کی رفتار بدل گئی ہے۔

یہ مضمون نیرنگِ خیال لاہور اور جام جہان نما لکھنؤ مین شائع ہو کر مقبول اہل ذوق ہو چکا ہے۔

مضمون چہارم سرمایۂ تحقیق (شرح قصائد خاقانی نوشتہ حضرت شادان لکھنوی پر ایک نظر) مین شرح حضرت شادان لکھنوی پروفیسر مدرسہ ریاست عالیہ رامپور، حضرت پروفیسر شادان بلگرامی اور حضرت نامی پروفیسر الہ آباد یونیورسٹی کا موازنہ ہے اور قابل اختلاف مواقع پر ناقدانہ اظہار خیال کیا گیا ہے، یہ مضمون ”نیرنگ“ رامپور اور مرقع لکھنؤ مین شائع ہو کر مطبوع اہل نظر ہوا۔

مضمون پنجم آئینۂ تحقیق۔ (مدیر سابق مبصر لکھنؤ کے تبصرۂ اصلاح سخن کی حقیقت) ابھی غالب بے نقاب کا کفن میلا نہوا تھا کہ حضرت ناطق لکھنوی نے حضرت شوق سندیلوی کی مرتب فرمائی ہوئی کتاب ”اصلاح سخن“ (جسمین حضرت شوق نے اپنی پسند، سولہ غزلون پر مشاہیر شعرائے ہند کی اصلاحین جمع کردی ہین) کی ایک منتخب غزل بپایانِ تمنا عنوانِ تمنا کی اصلاحون پر تنقید فرما کر دنیائے ادب مین ہلچل ڈالدی، آئینۂ تحقیق مین اسرارِ سخن سنجی کی پردہ کشائی کیگئی ہے اور دکھایا گیا ہے کہ تنقید کا پایہ کس قدر بلند ہے یہ ۱۱۷ صفحہ کا مضمون پہلے پہل شائع ہو رہا ہے۔

ابتدا کے چار مضمون مناسب ترمیم و حذف و اضافہ کے بعد شائع کئے گئے ہین میرا خیال یہ ہے کہ ابتک اردو مین گنجینۂ تحقیق کے انداز کی صرف ایک قابل ذکر کتاب مناظرہ شرر و چکبست ہے خدائے عز و جل میری اس ناچیز تصنیف کو جام جمشید اور آئینۂ سکندر کا مرتبہ کرامت فرمائے۔

بندۂ ناچیز
بیخود موہانی

آئینۂ تحقیق

دیوان غالب کی شرحوں پر ایک سرسری نظر

از نجو دہانی

بیا اے عشق رُسوائے جہانم کن کہ یکچندے
نصیحتہائے بیدردان شنیدن آرزو دارم

اُردو شاعری کے آدم اوّل ہین حضرت امیر خسرو دہلوی اور آدم ثانی ہین زبر بنائے شہرت عام، حضرت ولی دکنی. متقدمین مین اقلیم سخن کا نظم ونسق میر تقی میر اور میرزا رفیع سودا کے ہاتھون مین دیا گیا اور متاخرین مین تاج دارائی میرزا غالب کے سر پہ جلوہ فگن ہوا.

زبان پہ بار خدایا یہ کسکا نام آیا — کہ میرے نطق نے بوسے مری زبان کے لیے

شعرائے اُردو کے تذکرون پر بالاستیعاب نظر کرنیسے حقیقت بے نقاب ہوجاتی ہے کہ میر و سودا و غالب وغیرہ کے کوس لمن الملکی بجانے کا اعتراف اُن باکمال ہستیون کو ہے جن کا قول قول، جن کا فیصلہ فیصلہ تھا جنکی تعریف تمغائے افتخار و طغرائے اعتبار تھی اور

آج ہندوستان کے بچہ بچہ کی زبان پر جو اِن حضرات کی کیتائی کا ترانہ ہے۔ وہ حقیقت مین سخن سنجان ماضی وحال کے فیصلہ کی صدائے بازگشت ہے۔ سامریان سحر حلال (اساتذہ سخن) کے مرتبہ کا ادراک طبقہ عوام کو ہونیسے رہا۔ اِن سے ایسی اُمید رکھنا کفر کے ایمان اور ایمان کے کفر بنجانے کی اُمید ہے اور بہرحال دلیل کمنگری۔ اِن نگارندہ افراد کے نقطہ عروج کی حقیقی معرفت محال ہے جب تک اہل ذوق اساتذہ ایران کی معجز آرائیون پر ایمان نہ لاچکے ہون اور اُنکی سخن لن بہار سے نگاہ کا دامن گلچین کا دامن نہ بن چکا ہو۔ خاصکر مرزا غالب کی قوتِ پرواز و قدرت ابداع واختراع مضمون ملکۂ انتخاب الفاظ وطرز ادا کی داد اُسوقت تک دی ہی نہین جا سکتی جب تک عرفی شیرازی، نظیری نیشاپوری کلیم ہمدانی، طالب آملی، شوکت بخاری، فغانی شیرازی۔ بیدل عظیم آبادی۔ ظہوری ترشیزی سیر اکبر آبادی، سودائے دہلوی کے دیوان پیش نظر نہ رہ چکے ہون۔ یہ واقعہ ہے کہ مرزا نے فارسی مین وہ کچھ کر دکھایا ہے جو اُنھین کا حق تھا۔ عرفی وہ ظالم ہے کہ زمین پر پاؤن ہی نہین رکھتا۔ نظیری کی غزل ترانہ باربدی کا جواب ہے۔ بیدل کی فکر آسمان سیر ہے۔ ظہوری کا کلام جانِ معنی وجہانِ معنی ہے۔ مرزا جب انکا جواب لکھتا ہے تو خود وجد کرتا ہے اور نکتہ سنجون کو سجدہ ریزی کی تعلیم۔ اِن اُستادون کی غزل پر غزل کہنے کا سہرا متاخرین مین اگر ہے تو مرزا ہی کے سر، پھر غزل بھی ایسی کہ اُس سے بالاتر محال نہین تو مشکل ضرور ہے۔

اب رہا دیوان اُردو۔ وہ جہان مختصر ہے وہان منتخب بھی ہے۔ ہان اس مین کلام نہین۔

شعر اگر اعجاز باشد بے بلند و پست نیست ۔۔۔ در ید بیضا ہمہ انگشتہا یکدست نیست

یہ دیوان بھی مرزا کے کلام فارسی کے خصوصیات سے مالا مال ہے۔ مین اس وقت غالب لاجواب کی فقط ایک خصوصیت کا ذکر کرنا چاہتا ہون اور وہ یہ ہے کہ مرزا اکثر جس

مضمون پر قلم اُٹھاتے ہین اُسے انتہا کو پہونچا دیتے ہین۔ ہر پہلو پر نظر رہتی ہے اور کچھ اِس طرح کہہ جاتے ہین کہ اُسکا جواب لکھتے وقت نظر کردگان قدرت ایجاد سپر انداختہ نظر آتے ہین ہاتھ سے قلم چھوٹ پڑتا ہے۔ اجزائے شعر کو کھینے لگتے ہین۔ مثلاً

(حد شوق میکشی)

گو ہاتھ کو جنبش نہین آنکھون مین تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

(حد لذت تقریر)

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُسنے کہا
مین نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دلمین ہے

(حد نا اُمیدی)

منحصر مرنے پہ ہو جس کی اُمید
نا اُمیدی اُس کی دیکھا چاہیے

(بے اعتباری اہل دنیا)

کیا کیا خضر نے سکندر سے
اب کسے رہنما کرے کوئی

مرزا کو مبدأ فیاض سے صرف فلسفی کا دماغ اور شاعر کا قلم ہی نہین عطا ہوا تھا بلکہ الہام نصیبون کا دل بھی، جو آورون کا آسمان ہے وہ مرزا کی زمین ہے۔ مرزا کے خیالات وجذبات واخلاق کا پایہ اِس قدر بلند ہے کہ جو اُنکے بدیہیات ہین وہ اورون کے نظریات بھی نہین۔ اور یہی وجہ ہے کہ اکثر حضرات مرزا کے واردات قلب سے اِس قدر متاثر نہین ہوتے جس حد کا اثر مرزا کی معجز بیانی نے اُن اشعار مین ودیعت کیا ہے۔ مرزا کے اکثر اشعار وہ آئینۂ تصویر نما ہین جن مین مرزا اپنے دل گزرنے والے کیفیات کا مرقع بن کر اپنا عکس ڈال چکا ہے، جن لوگون پر وہی گزری یا گزر رہی ہے وہ ایسے اشعار پر نظر پڑتے ہی دل تھام کر رہجاتے ہین یہ واقعہ ہے کہ مرزا کے پہچاننے والے کم تھے۔ کم ہین۔ اور کم رہینگے۔ ہر شخص

مرزا کے کلام سے بقدر فہم لذت یاب ہوتا ہے۔ چنانچہ اس طرف اشارہ بھی کیا گیا ہے۔

دلِ حسرت زدہ تھا مائدۂ لذتِ درد　　کام یارونکا بقدرِ لب و دندان نکلا

مرزا ایک ہی وقت مین خوش نصیب بھی تھا اور بدنصیب بھی۔ اُسکے واردات کی دنیا الگ تھی اُس زمانے کی دلّی اہلِ کمال کی سجی سجائی محفل ضرور تھی مگر مرزا کی نگاہین جن مناظرِ لاجواب کے مزے لوٹتی تھین دوربانِ ادب کی ہیبت آفرینیان اُن تک دوسری نگاہون کو قدم نہ بڑھانے دیتی تھین اور مرزا غریب اس اعتبار سے مسافر در وطن تھا آخر اپنے جذبات سے مجبور ہوکر حسرت بھرے لہجہ مین فریاد کر اُٹھا۔

غریبِ شہر سخنہائے گفتنی دارد　　بیا در یدگر اینجا بود زبان دانی

این زمانہ قحطِ خریدارے کہن خواہد شدن　　تا ز دیوانم کہ سرمستِ سخن خواہد شدن

ہندوستان کی بدنصیبی پر کہان تک رو یئے رہا سہا ادبی مذاق تک چل بسا۔ مرزا کیا کسی اُستاد کے جگر پارون کو کلیجہ سے کون لگائے۔ فارسی برائے نام کالجون کے نصاب مین داخل تو ضرور ہے مگر اکثر جس طرح پڑھائی اور پڑھی جاتی ہے وہ اہلِ خبر سے پوشیدہ نہین۔ اس طرح کے پڑھنے والے (باستثنا بعض) اپنے نصاب ہی کو خوب سمجھتے ہین۔ پھر مرزا کی بلند پروازیون کی داد کو پہونچنا اُن کے بس کی بات کہان۔ کتابین یون دیکھی جاتی ہین جس طرح زچہ تارے دیکھتی ہے مگر اب زمانہ کروٹ بدل رہا ہے اور شکر ہے ہندوستان ہندی نژاد اپنے اُجڑے ہوئے گھرون اور بھولے ہوئے خزانون کی دیکھ بھال کی طرف متوجہ نظر آتے ہین اور یہ ایسا انقلاب ہے جسپر سجدۂ شکر واجب ہے۔ اربابِ حل و عقد نے اب اس حقیقت کو سمجھ لیا ہے کہ جبتک اپنی زبان پر قدرت نہ ہو دوسری زبان کے خزانون پر تصرف غیر ممکن ہے۔ ہر یونیورسٹی مین اُردو کی تعلیم ضروری قرار پاتی نظر آتی ہے۔ اب

وقت آگیا ہے کہ مرزا کے دیوان کی شرح ایسی لکھی جائے کہ دیوان خود بزبان حال پکار اُٹھے کہ حق شرح ادا ہوگیا۔ اس سے یہ مطلب نہیں کہ میں نے ایسی شرح لکھ دی۔ میں اپنی کورسوادی کا معترف ہوں مگر جب دنیا اظہار خیال کے لیے آزاد ہے تو مجھے بھی جو کچھ کہنا تھا کہہ گزرا۔

سخن فہم ہمیشہ کم تھے اور اب تو زمانہ کج راہہ رو کی بیداد سے نایاب ہوتے جاتے ہیں یہ لوگ سمجھتے ہیں اور وجد کرتے ہیں۔ اب رہے متوسطین و عوام وہ کلام غالب کو خود تو کہیں کہیں سمجھتے ہیں باقی کے لیے اُن کو موجودہ شرحوں کی ورق گردانی کرنی پڑتی ہے جن میں احباب نکتہ پروری نے بقدر قدرت داد سخن فہمی دی ہے۔ اس وقت دیوان غالب کی مندرجہ ذیل کامل یا ناقص شرحیں موجود ہیں۔

(۱) وثوق صراحت واکر دکنی (۲) شرح مجدد السنۂ شرقیہ حضرت شوکت میرٹھی۔ (۳) شرح مولانا حسرت موہانی (۴) شرح جناب نظامی بدایونی (۵) شرح جناب سید علی حیدر صاحب حیدر، نظم طباطبائی لکھنوی (۶) یادگار غالب و حضرت حالی مرحوم (۷) شرح جناب مولوی عبدالباری صاحب آسی (۸) شرح جناب سہا (۹) شرح جناب واجد دکنی۔

ان شرحوں میں جہاں کہیں کہیں داد سخن فہمی دی گئی ہے وہیں بعض بعض اشعار کی شرح خواب تعبیر دشمن بن کر رہ گئی ہے اور جو شخص خود نہ سمجھا ہو اُسکے دل میں (خاکم بدہن) مرزا کی طرف سے سوءظن پیدا ہوتا ہے۔ انشاء اللہ میری شرح کے مقدمہ میں جہاں کلام مرزا کی تنقید ہوگی وہیں ان شرحوں پر بھی مفصل تبصرہ ہوجائیگا۔

(۱) وثوق صراحت۔ مختصر سے مختصر اشارات کا مجموعہ ہے۔ شارح کے لیے اس کا مفید نہونا ظاہر ہے۔

(۲) شرح مولانا حسرت۔ میرے خیال میں مولانا کی شرح اس قدر مختصر ہے کہ اُس پر

اشارات کی لفظ صادق آتی ہے۔ مبتدی اُس سے کوئی خاص فائدہ نہین اُٹھا سکتا۔
بعض مقامات پر تعبیرون کی سی رفتار ہے، جیسی اور شرحون مین بھی نظر آتی ہے اور یہ مکمل
شرح بھی نہین ہے لیے مولانا نے آغاز شباب مین لکھا تھا۔ جب خرد و خردہ کار کے شباب
کا زمانہ آیا تو شاہد سیاسیات کی پرستش جزو ایمان ہوگئی۔ اب جیسی نظر ثانی کی ضرورت ہے
ویسی فرصت کہان ؎

زہد ہزار شیوہ را طاعت حق گران نبود ۔۔۔ لیک صنم بسجدہ در ناصیہ مشترک نخواست

(۳) شرح جناب شوکت۔ محبد النہ مشرقیہ کی شرح کے متعلق بصد ادب اتنا ہی عرض کرتا ہون
کہ آپ وہ پہلے شخص ہین جسنے اس عقدہ مالا ینحل کی طرف توجہ فرمائی، لیکن واقعہ
یہ ہے کہ یہ شرح اکثر مقامات پر کار فرماجرائیون کا طلسم ہے۔ اشعار کہین کہین مسخ ہوگئے
ہین مگر تحریف کاتب کا بھی ایسا علاج کیا ہے کہ باید و شاید۔ سب اشعار اس شرح مین بھی
نہین۔ کہین کہین اعتراض بھی فرمائے ہین اُنکی تنقید کا انتظار کیجیے۔

(۴) شرح جناب نظامی بدایونی۔ اسکے متعلق اتنا ہی کافی ہے کہ یہ شرح بعض شرحون
کی عکسی تصویر یا صدائے گرامو فون) کا نغمہ ہے اس سے تعرض مناسب نہین۔

(۵) یادگار غالب۔ از حالی مغفور" اس مین بعض بعض اشعار کا خلاصہ مطلب ہے وہ بھی
کسی خاص مطلب کے اظہار یا ثبوت کے لیے اور بس۔ اس سے بھی فی الحال تعرض مناسب نہین
(۶) شرح جناب طباطبائی۔ اس شرح کو دیکھ کر ایک آتش مزاج دیکھنے والے کی زبان پر یہی
آ تھا ہے"۔ اگرچہ عوام مین یہ کتاب لاجواب مشہور ہے مگر مین اظہار حق مین سکوت حرام سمجھتا
ہون۔ میرے نزدیک یہی وہ شرح ہے جسنے ہر کس و ناکس کو جناب غالب کی جناب مین
دریدہ دہنی کا سبق دیا۔ یہی وہ شرح ہے جسنے غالب عدیم المثال کو قبر مین تڑپایا ہو تو

جانے حیرت نہین اور یہی وہ شرح ہے جس کی بے گناہ کشی سے اشعار غالب سیاہ پوش نظر آرہے ہین اور دیکھیے اس گھر سے یہ ماتم کب نکلتا ہے۔ افتتاحیہ مطلع کے متعلق مہمل ہونیکا فیصلہ صادر فرمایا گیا اور تا حد امکان تمام شرح مین اصلاح فرمانے اور حرف رکھنے کی سعی بلیغ سے نکتہ سنج شارح کہین غافل نہین رہا۔ کہین تشبیہ مہمل بتائی گئی کہین تخئیل لایعنی دکھائی گئی کہین انتخاب الفاظ کے گلے پر چھری پھرائی گئی۔ کہین طرز ادا کے خرمن پر بجلی گرائی گئی۔ اہل دل جب اس شرح پر نظر ڈالتے ہین تو بیساختہ علامۂ فیضی کا یہ شعر اُنکی زبان پر آجاتا ہے ؎

خوئے عتاب آمیز را با لطف پیوندے بدہ ہم غمزہ را منعے بکن ہم عشوہ را پندے بدہ

اور مزہ یہ ہے کہ ناآشنایان رموز نکتہ سنجی و محرومان ذوق سلیم بعض اشعار کی شرح مین شارح کو جی کھول کر داد دیتے ہوئے دیکھ کر گمان کرتے ہین کہ حق تنقید ادا کیا جا رہا ہے مگر مجھے حیرت ہے کہ اگر تنقید یہی ہے تو تنقیص کمال کسے کہتے ہین۔ قصہ مختصر اس شرح مین انانیت اور پندار کے بادل جھوم جھوم کے اُٹھے ہین اور ٹوٹ ٹوٹ کے برسے ہین۔

گر بنجود ناشاد نے جہان تک اس شرح پر نظر ڈالی ہے اُسے تو یہ کہنا مناسب نظر آتا ہے کہ سادگی اور جوش طبیعت مزاج شارح کے خاص جوہر ہین ان سے ہر جگہ اپنے دل کی ترجمانی کی ہے وہ جہان برس پڑنے مین طوفان ہے وہان تعریف کرنے مین آندھی ہے۔ اگر کچھ شکایت فاضل شارح سے کی جا سکتی ہے تو اتنی کو زیادہ نہ سہی غالب کو اپنا ہی سا نکتہ شناس محقق سمجھا ہوتا اور ایراد و اعتراض کو شک یا سوال کے قالب مین ڈھال دیا ہوتا۔ میری رائے مین جہان نکتہ سنج شارح نے وقت نظر سے کام لیا ہے وہان نکتہ رسی کا حق ادا کر دیا ہے اور

اُن مقامات کی داد نہ دینا مشرب انصاف مین کفر ہے مثلاً

قفس مین مجھسے رُودادِ چمن کہتے نہ ڈر ہمدم
گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیان کیون ہو

مجھ کو پوچھا تو کچھ غضب نہ ہوا
مین غریب اور تو غریب نواز

ہان جن مقامات پہ سرسری نظر ڈالی ہے۔ اور جہان غالب فقید المثال کی شان فراموش ہو گئی ہے وہان بہت کچھ کہنے کی گنجائش ہے بہت سے اشعار کی شرح اُتنی ہی مشکل ہے جتنا اصل شعر کہین کہین بے پناہ شعر صرف تحسین فرماکر چھوڑ دیے گئے ہین اور ایراد کرتے وقت مرزا کی جلالت قدر کا واجبی احترام نہین کیا گیا۔

مین ادب الکاتب والشاعر کے مؤلف اور ساقی نامہ شقیقہ کے مصنف (نواب حیدر یار جنگ جناب سید علی سید صاحب حیدر) نظم طباطبائی کی قابلیت علمی کو دارائے اہمیت سمجھتا ہون اُنکی عروض دانی کا معترف اور پروفیسر نظام کالج حیدرآباد کی حیثیت سے اُنکی جلالت قدر کا معترف ہون مگر کرون کیا اس محل پر جناب طباطبائی کے احترام کے خیال سے خاموش رہنے کے معنے یہ نکلتے ہین کہ مرزا غالب ایسے یگانۂ دھر کی تنقیص کمال مجھے منظور ہے۔ اور یہی وہ خیال ہے جس کی بنا پر میرا ایمان خاموشی کو گناہ قرار دیتا ہے۔ باقی شرحون کے متعلق مجھے اسوقت کچھ کہنا نہین ہے۔ میرے احباب کو مطمئن رہنا چاہیے۔ مین انشاءاللہ جادۂ انصاف سے نہ ہٹون گا۔ غلط اعتراض کے اُٹھانے کی کوشش کرونگا اور صحیح ایراد پر تسلیم خم کرون گا۔ دنیا مجھے اپنی صحیح رائے کے سامنے سربسجدہ پائیگی۔ مین مدت سے شرح کی داغ بیل ڈالنے کا ارادہ رکھتا تھا مگر ہمیشہ مجھے اپنی ناتندرستیون اور مجبوریون کا احترام سکوت پر مجبور کر دیتا تھا۔ لیکن جب سے یہ سمجھ مین آیا کہ میری زندگی نام ہے ناکامی ابدپیوند کا، میری زندگی

نام ہے نا تندرستیون کے سلسلہ نا متناہی کا بقول مخلصی مولانا رعب اعلی اللہ مقامہ ؎

میرا فسانۂ غم مصداق نا تمامی　　میری شب مصیبت مفہوم لا تناہی

مین نے خدا کا نام لیکر کشتی دھارے پر چھوڑ دی۔ ع

ہرچہ بادا باد ما کشتی در آب انداختیم

الحمد للہ کہ اب شرح دیوان تمام ہو گئی ہے۔ مین اب ایک غزل کا حل لکھتا ہون اور ساتھ ہی ساتھ موجودہ شرحون کی تنقید بھی کرتا جاؤنگا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شبنم بہ گل لالہ نہ خالی ز ادا ہے　　داغ دل بیدرد نظرگاہ حیا ہے

شوکت۔ لالہ پر جو شبنم ہے وہ ادا سے خالی نہین۔ بیدرد کا داغ اُسکی حیا کا نظرگاہ ہے یعنی لالہ کو شبنم حیا کی نظر سے دیکھ رہی ہے کہ مین تھوڑی دیر مین مٹجاتی ہون اور لالہ کا داغ نہین مٹتا۔ یہ بات از حد قابل شرم ہے۔

تنقید۔ کاش فاضل شارح نے شعر کی نثر ہی پر اکتفا فرمائی ہوتی۔ اس فقرہ سے کہ یہ بات از حد قابل شرم ہے یہ بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ لالہ کے لیے قابل شرم ہے اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ شبنم کیلیے۔ مگر ان مین سے کوئی بات بھی الفاظ شعر کو مد نظر رکھتے ہوئے سمجھائی نہین جاسکتی شعر سے زیادہ شرح کا سمجھنا مشکل ہے۔

حسرت موہانی۔ گل لالہ پر شبنم کے قطرے نہین ہین بلکہ عرق شرم ہے۔ شرم اس بات کی کہ لالہ کے دل مین داغ تو ہے لیکن درد نہین ہے۔

حاشیہ۔ جناب حسرت وہی فرماتے ہین جو جناب طباطبائی۔ اس لیے تنقید بھی

وہین ہو رہے گی۔

جناب نظم طباطبائی۔ گل لالہ پر اوس کی بوندین ایک مطلب ادا کر رہی ہین وہ یہ کہ جس دل مین درد نہو اور داغ ہو جائے شرم ہے۔ یعنی لالہ کے داغ تو ہے مگر درد عشق سے خالی ہے یہ بات اُسکے لیے باعث شرم ہے اور اسی شرم کی شدت سے اُسے عرق شرم آگیا ہے۔ مصرع مین "ہے" کے ساتھ "نہ" خلاف محاورہ ہے۔ "نہ" کے بدلے "نہین" کہنا چاہیے۔

تنقید۔ پروردگارا یہ داغ ہو اور درد نہو کیا چیز ہے۔ اگر اس شعر کا یہ مطلب کہا جائے تو یہی سمجھ مین آئے گا کہ شاعر نے لالہ مین داغ بھی دیکھا اور شبنم بھی۔ سوال پیدا ہوا کہ ایسا ہے کیون۔ پھر اُنکی غیور طبیعت نے خود ہی وہ جواب دیا جو مولانا طباطبائی کے حل مین مذکور ہے۔ مگر اسپر یہ کہا جا سکتا ہے کہ دیکھنے والے نے یہ کیون نہ سمجھ لیا کہ دلمین داغ ہو تو نہ رونا کیا معنی۔ یعنی جو داغ اُٹھائے گا بے روئے نہ رہیگا۔ اگر اسکا جواب یہ دیا جائے کہ شاعر شاہراہ عامہ سے الگ جاتا ہے۔ اس حالت مین داغ کے ہوتے ہوئے درد کا نہونا ادعائے محض ٹھہرتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ادعا شاعری مین ممنوع نہین مگر جب تک لطیف و متین مطلب بے تکلف نکل آئے تکلف کی ضرورت ہی کیا ہے۔

آگے بڑھکر ارشاد ہوتا ہے کہ پہلے مصرعہ مین (ہے، کیساتھ (نہ) خلاف محاورہ ہے۔ مگر مین باادب عرض کرونگا کہ یون نہ کہتا تو کیا یون کہتا "شبنم بگل لالہ خالی از ادا نہین ہے" اس صورت مین اہل ذوق سمجھ سکتے ہین کہ "شبنم" پھر "بگل لالہ" کے بعد "خالی از ادا نہین ہے" کہنا شعر کو ہیولیٰ بنائے دیتا ہے۔ روابط کے سوا تمام شعر فارسی کے قالب مین ڈھلا ہوا ہے۔ صرف "ہے" کو "ہست" سے بدل دین تو شعر کا شعر

فارسی ہوا جاتا ہے اور ع موزون وہین پہ خوب ہے جوشِ جہان کی ہے۔

اُستاذ الکل فی الکل مرزا رفیع سودا فرماتے ہین ؎

یان نہ ذرہ ہی چمکتا ہے نقط گرد کے ساتھ جلوہ گر نور ہے خورشید کا ہر فرد کے ساتھ

بیخود موہانی۔ حل۔ بیدرد۔ سنگدل جسے دوسرون کی مصیبت پر ترس نہ آئے

نظرگاہ۔ اُمیدگاہ۔ مرزا صاحب فرماتے ہین کہ لالہ پر اوس کی بوندین یہ مطلب ادا کر رہی ہین

کہ بیدردون کے داغ ہی سے حیا کی اُمیدین وابستہ ہین یعنی اہل دل جب حالت دیکھتے

ہین تو اُنکا خیال بیدردون کی ایک حالت خاص کیطرف منتقل ہو جاتا ہے اور وہ یہ کہ

جب اُنکا (خواہ معشوق مُردہ ہو کوئی اور ظالم) دل خود کوئی صدمہ اُٹھاتا ہے۔ مثلاً کسی پر

عاشق ہوجانا۔ مبتلائے فراق ہونا۔ کسی مصیبت مین پڑجانا۔ کسی عزیز کا مرجانا۔ تو اُنکو

عاشقون یا مظلومون کی تکلیف کا احساس ہوتا ہے اور یہی احساس اُنکو اپنے گذشتہ بیدردانہ

طرزِ عمل پر شرمندہ کرتا ہے اور اُنکی آنکھون مین اشکِ ندامت جھلکنے لگتے ہین۔ جوشِ پشیمانی

سے پیشانی عرق آلود ہو جاتی ہے اور اُنکی یہی ادا ہے کہ اہلِ دل اُسکے صلہ مین اُنکی تمام برائیون

پر خاک ڈال دیتے ہین اور اُنکو اُس پشیمان ظالم پر پیار آنے لگتا ہے۔ اس شعر سے تو سب کی حقیقت

پر چھاؤن پڑتی ہے مرزا کے اخلاق کریمانہ کی تصویر آنکھون مین پھرنے لگتی ہے۔ مصیبت

بے رحمون کے لیے رحمت ہے اسلیے کہ رقتِ قلب پیدا کرتی ہے۔ مرزا نے فارسی مین بھی

ایسا ہی کچھ کہا ہے ؎

نازنینان کہ بلندار چہ جفا نیز کنند
زود نلئے کہ نکردند حیا نیز کنند

دل خون شدۂ کشمکشِ حسرتِ دیدار آئینہ بدستِ بتِ بدمستِ حنا ہے

مولانا شوکت۔ دل کشمکشِ حسرتِ دیدار سے بتِ بدمستِ حنا کے ہاتھ مین آئینہ بنا ہوا ہے یعنی اُسکے تغافل کو کھول رہا ہے کہ وہ تو حنا لگانے کے شوق مین بدمست ہے اور یہان حسرتِ دیدار مین دل کا کس قدر خون ہو رہا ہے بدمستِ حنا بُت کی صفت ہے۔

تنقید جناب شارح نے خیال نہین فرمایا کہ اس طرح مطلب کہنے مین شعر کا مفہوم گونگے کا خواب ہوا جاتا ہے۔

جناب حسرت موہانی (۱) دل اور آئینہ کی رسائی قسمت کا مقابلہ کرتا ہے کہ ایک ہمارا دل ہے جو خون شدۂ کشمکش حسرت دیدار ہے اور ایک آئینہ ہے جو اُس بدمستِ حنا کے ہاتھ مین ہے۔

(۲) دل حسرتِ دیدار مین خون ہو کر بصورت حنا اُسکے ہاتھ مین آئینہ بن گیا۔

تنقید مطالب اول ظاہر مین تو دل کو لگتی ہوئی بات ہے مگر اس مین مصیبت یہ ہے کہ لفظ "حنا" حشو محض ٹھہرتا ہے۔ حالانکہ مرزا کے یہان زوائد ہونگے بھی تو دفع تعقید کیلیے۔ علاوہ برین بدمست حنا یہان بالاضافت نہین ہے۔ (۲) مطلب ثانی وہی ہے جو شوکت نے لکھا ہے۔

نظم طباطبائی۔ آئینہ دل مہندی بنگیا ہے یعنی حسرت دیدار نے اُسے پیس ڈالا اور اُسکے جگر کو لہو کر دیا۔ دل کو آئینہ بنا کر پھر اُسے حنا بنا دینا بہت ہی تصنع ہے اور بے لطف۔

تنقید۔ جناب طباطبائی کی شرح پر ناطقہ سر بگریبان ہے تو خامہ انگشت بدندان۔

رہی تنقید وہ دل لہو کیئے دیتی ہے۔ دونون کی حقیقت حل مین آئینہ ہوئی جاتی ہے۔

تمہید۔ ہے یون کہ مرزا کا یہ شعر معشوق کی خود پرستی اور جمال کی محویت کے متعلق جواب نہین رکھتا۔ مطلب صاف ہے مگر نظر کون کرے بعض حضرات کو سمجھنے سمجھانے مین اسلیئے دقت پیش آئی کہ انھون نے بدست حنا کو اضافت کے ساتھ پڑھا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس شعر مین متشابہات بھی جمع ہو گئے ہین۔ مثلاً دل اور آئینہ کی تشبیہ عام ہے۔ دل خون شدہ اور حنا مین تشبیہ موجود ہے۔

بیخود موہانی: "دل حسرت دیدار کی کشمکش سے خون ہے آئینہ بت بدست کے ہاتھ مین حنا ہے۔ یعنی دل پاک صاف عاشق اس قابل تھا کہ معشوق اسے اپنا جلوہ زار بناتا۔ مگر برا ہو بدستی کا کہ اس ظالم نے اسے حنا بنا دیا۔ مختصر یہ ہے کہ اسنے دل کو تاراج کر کے لہو ہو گیا۔ اس شعر سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ خدا نہ کرے کہ کوئی قابل قدر چیز کسی ناشناس کے ہاتھ پڑے:

(۲) معشوق اپنے جمال کی دلربائیون کے نظارہ مین ایسا محو و بیخود و مست مدہوش ہو رہا ہے کہ آئینہ اسکے ہاتھ مین یون بجنبش حرکت قائم ہے جیسے رنگ حنا کف دست پر اور حسرت دیدار کی کشمکش نے عشاق کے دلون کو لہو کر رکھا ہے یعنی معشوق خود اپنی صورت پر فریفتہ ہے وہ کیا جانے کہ کوئی مشتاق دید بھی ہے اور ہے تو اس پر کیا بن رہی ہے۔

(۳) معشوق اپنے مہندی رچے ہوئے ہاتھون کو اس محویت سے دیکھ رہا ہے جس محویت سے بتان خود پرست آئینہ دیکھتے ہین۔ اور حسرت دیدار عشاق کا دل لہو کیئے دیتی ہے

(۴) کشمکش حسرت دیدار مشتاقان دید کے دل لہو کیئے دیتی ہے اور معشوق کو

خود آرائی (سنگار) کا اس قدر شوق ہے کہ آئینہ اُسکے ہاتھ مین ہندی بن کر رہ گیا ہے یعنی
کسی وقت اُسکے ہاتھ سے چھوٹتا ہی نہین ایسا ہی کچھ ایک جگہ اور فرماتے ہین ؎

آرائش جمال سے فارغ نہین ہنوز　　پیش نظر ہے آئینہ دائم نقاب مین

فریفتگی معشوق کے متعلق مزید توضیح اور ضیافت طبع ناظرین کے لیے دو چار شعر اور
لکھے جاتے ہین ؎

(لا ادری)

باصد کرشمہ آن بت چنچل دست میبرد　　خود میکند خرام و خود از دست میبرد

(غالب)

بخود رسیدنش از ناز بسکہ دشوار است　　چو ما بدام تمنائے خود گرفتار است

(حالی)

حیف است اگندہ محو دست و بازوے خود است　　این جوان روزے شکار خویشتن خواہد شدن

(۵) حنا اُس بدمست کے ہاتھ مین آئینہ بنی ہوئی ہے۔ یعنی صاف ظاہر کر رہی ہے
کہ عشاق کے دل کشمکش حسرت دیدار سے لہو ہو رہے ہین۔ یعنی آہ وہ اپنے غرور حسن سے
بدست ہو۔ ہاے نہین تو رنگ حنا جو خون کا ہمرنگ ہے اُس پر ظاہر کر دیتا کہ عذر حنا
کرنے سے مشتاقان دید کے دل لہو ہوئے جاتے ہین۔

حاشیہ۔ آئینہ کو بے حس و حرکت ہونے کی بنا پر حنا کہنا یا حنا کو حسرت کی تحریت
کے اعتبار سے آئینہ قرار دینا وہ انداز تکلم ہے۔ جو وہبی شاعرون کے سوا کسی کو نصیب
نہین ہوتا شعر کے الفاظ نہین شاعر نے سچ کر موتی ڈال دیئے ہین ایک لفظ سے
دوسرے لفظ کو زور پہونچ رہا ہے۔ لفظ کشمکش سے دل کے لہو ہونے کی تصویر کھنچ

مین پھنسنے لگتی ہے۔ کشمکش یہ ہے کہ معشوق کی محویت کا تقاضا ہے کہ اس تمنا سے درگزرو اور حسرت دید کہتی ہے کہ بے دیکھے مٹنا حرام ہے۔

جی کسقدر افسردگیٔ دل پہ جلا ہے ۔ شعلہ سے نہوتی ہوس شعلہ نے جو کی

اس شعر کے حل مین مجھے زیادہ اختلاف نہین مین جناب طباطبائی کا ایراد نقل کرکے جواب دیے دیتا ہون۔

طباطبائی فرماتے ہین "جی جلنا" اُردو کے محاورہ مین ناگوار ہونے کے معنی پر ہے۔ یہان یہ معنی مقصود نہین بلکہ جی کڑھنا مقصود ہے مصنف نے اپنی عادت کے موافق دل سوختن کا ترجمہ کرلیا ہے۔ فارسی مین کہین گے کہ بر بے برگیش دلم می سوزد۔ لیکن اُردو مین یہ کہنا کہ اسکی بیکسی پر دل جلتا ہے اچھا نہین ہے۔ افسردگی دل سے اُسکا شعلۂ عشق سے خالی ہونا مراد ہے

تنقید۔ جناب شارح نے غور نہین فرمایا۔ مرزا "جی جلنا" ناگوار ہونے اور غصہ آنے ہی کے معنے پر فرمارہے ہین "بیکسی پر دل جلنا" یہ مثال قیاس مع الفارق کا حکم رکھتی ہے۔ کجا بیکسی کجا پست ہمتی۔ کسی کی بیکسی پر غصہ آتا ہے بیرحمون اور بودون کو۔ اور اپنی کم جراتی پر غصہ آتا ہے اہل دل کو(۲) ہان مرزا مجتہدین فن یعنی میر تقی میر و مرزا رفیع سودا کی طرح فارسی محاورون کا ترجمہ جائز ہی نہین ضروری سمجھتے ہین(۳) دل کی افسردگی سے اُسکا شعلۂ عشق سے خالی ہونا مراد نہین بلکہ پست ہمتی مراد ہے جسے اصطلاح علم اخلاق مین بیدلی کہتے ہین۔ دل جلنا دل کڑھنے کے معنون پر بھی ہے۔ مرزا رفیع سودا فرماتے ہین ؎

بکیس کوئی موے تو جلے اُسپہ دل مرا گویا یہ ہے چراغ غریبان کی گور کا

بیخود موہانی۔ دل کی بجھی دبنے جو صنگی پر صد کا غصہ آتا ہے اسکے ہاتھوں دل کی ایسی بربادی ہوئی کہ عشق کے چلتے نہوتی۔ کوئی اُستاد کہتا ہے ؎

نہ زخم تازہ می خارد نہ داغ کہنہ می کاود
بہ یارب دلے کاین صورت بے جان نمیخواہم

تمثال مین تیری ہے وہ شوخی کہ بصد شوق
آئینہ باندازِ گل آغوش کشا ہے

جناب حسرت و شوکت و طباطبائی نے پورے طور پر حق شرح ادا نہین کیا۔ مین صرف جناب طباطبائیؔ کا ارشاد نقل کیے دیتا ہون۔ اسلیے کہ عبارت واضح نہین ہے

جناب طباطبائی ارشاد فرماتے ہین کہ تیرے عکس عارض کا رنگ ایسا شوخ ہے یا تمام تمثال مین ایسی شوخی بھری ہے کہ آغوش آئینہ آغوش گل بن گیا ہے اور تیرا عکس آئینہ کو گل کی طرح شگفتہ کر کے نسیم کیطرح اسکے آغوش سے نکل گیا۔ یہان عکس کی شوخی بیان کرنے سے خود معشوق کا بچپن اور شوخ ہونا بالالتزام ظاہر ہوا۔

تنقید۔ جناب غالبؔ نے آئینہ کی آغوش کشائی کو گل کی آغوش کشائی سے تشبیہ دی تھی جسنے جناب شارح کو اپنی شرح مین عکس کو نسیم سے تشبیہ دینے پر اُبھارا اور اُس مین اتنی محویت ہوئی کہ مطلب کے ادا ہونے کیطرف توجہ فرمانے کا موقع نہ ملا۔ صرف اتنا ہی نہین ہے کہ مرزا تشبیہ پر تشبیہ دیتا چلا جاتا ہے بلکہ اس تشبیہ سے مرزا کا خاص مطلب ہے جو حل مین بیان کیا جائیگا۔ یہ نظریہ ہے کہ پھول کھلنے کے بعد پھر کلی نہین بن سکتا

ہان جناب طباطبائی کا یہ ارشاد ضرور صحیح ہے کہ یہان عکس کی شوخی بیان کرنے سے معشوق کا چنچل ہونا بالالتزام ظاہر ہوا۔

حل بیخود موہانی تمثال۔ عکس۔ تصویر

(۱) آئینہ مین چوکھنا ہوتا ہی ہے مگر عاشق کو چنچل معشوق کی شوخیون سے متاثر ہونیکی حالت مین ایسا نظر آرہا ہے کہ اُسکے عکس مین ایسی شوخی ہے کہ اُسکے اثر سے بیتاب ہوکر آئینہ اُسکی تمثال کو کلیجے سے لگا لینے کیلیے گل کی طرح آغوش کھولے ہوئے ہے۔

(۲) تو اتنا چنچل ہے کہ آئینہ اِدھر اُٹھایا اُدھر رکھدیا۔ تیری شوخی سے بیتاب ہوکر اُسنے آغوش کھولا تو پھر گل کی طرح کھولے ہی رہ گیا۔ یعنی حیرت شوق آئینہ پر طاری ہوئی تو ہمیشہ کیلیے طاری ہوئی۔ جس طرح کلی کھلجانے کے بعد پھر کلی نہین بن سکتی۔

قمری کف خاکستر و بلبل قفس رنگ ... اے نالہ نشان جگر سوختہ کیا ہے

شوکت قمری جل کر راکھ کی مٹھی بن گئی اور بلبل کا رنگ قفسی یعنی سیاہی مائل ہے۔ اے نالہ اُن کے جگر سوختہ کا بھی کچھ نشان ہے۔ قمری کا رنگ خاکستری اور بلبل کا سیاہ (آہنی پنجرے کے ہمشکل) ہوتا ہے اور دونون نالہ کرتی ہین اور نالہ ہی نے اُنکو جلا دیا۔ تمام نسخون مین قفس رنگ بلا اضافت غلط طبع ہوا ہے۔ بلکہ قفسی رنگ ہے۔

تنقید۔ اس حل مین اے نالہ اُن کے جگر سوختہ کا کوئی نشان بھی ہے غنیمت تصور ہے۔ اتنی کاوش ہوئی مگر بیت جیسی عقیم تھی ویسی ہی عقیم (بانجھ) رہی۔

حسرت۔ جگر سوختہ کا کوئی نشان سوائے نالہ کے باقی نہین ہے۔ پہلا مصرع

بطور تمہید کے لکھا ہے کہ جس طرح قمری عشق سرو مین ایک کف خاکستر اور
بلبل عشق گل مین صرف تنگ ہی رنگ رہ جاتی ہے۔ اسی طرح ہمارے
جگر سوختہ کا کوئی نشان بجز نالہ کے باقی نہین رہا۔

تنقید۔ اگر جناب حسرت کا حل صحیح مانا جائے تو یہ مصیبت پیش آتی ہے کہ کہنے والا کہہ
سکتا ہے کہ اگر ہمارے جگر سوختہ کا نشان سوا نالہ کے کچھ باقی نہین ہے اور اتنا ہی
کافی ہے تو یہ بات یعنی نالہ کشی تو بلبل و قمری مین بھی پائی جاتی ہے۔ پھر مرزا صاحب نے بغض تناسبِ
لفظ و معنی قمری کو کفِ خاکستر اور بلبل کو قفس رنگ کہکر معنی و حسن شعر مین کیا اضافہ
کرتا ہے۔ اور جب ایسا نہین ہے تو ع

این دفتر بے معنی غرق مے ناب اولے

جناب طباطبائی۔ قمری مین بسبب نالہ کشی کے کچھ خاکستر جگر پائی جاتی
ہے اور بلبل مین کچھ رنگ جگر کا ملتا ہے باقی جگر کا کچھ پتہ نہین۔ مطلب یہ ہے
کہ نالہ کشی ایسی چیز ہے کہ جگر کو جلا کر نابود کر دیتی ہے اور قفس معنی سبد بھی
ہے۔ وہی معنی یہان مراد ہین قمری کو کف خاکستر فارسی والے باندھا کرتے
ہین لیکن (۱) بلبل کو سبد رنگ کہنا نئی بات ہے مگر بے لطف ہے۔
(۲) نالہ کو مخاطب بنانا بھی بے مزہ بات ہے اور جگر سے بظاہر بلبل و قمری کا
جگر مراد ہے۔ احتمال یہ بھی ہے کہ اپنے جگر سوختہ کا نشان شاعر پوچھ رہا ہے
شعر مین جہان دوسرے معنی کا احتمال پیدا ہوا وہ سست ہو گیا۔

تنقید۔ مفہوم شعر کے متعلق مین طول کے خوف سے کچھ نہ لکھونگا۔
(۱) بلبل و قفس سے جیسی مناسبت ہے ظاہر ہے پھر بلبل کو قفس رنگ کہنا یا قفس رنگ

کہنا بلبل کے مضمون پر ایک لطیف وجدید لفظ کا اضافہ ہے جیسے لیلیٰ کو جان مجنون کہنا۔ اور اسکی داد اہل ذوق پر واجب ہے۔ یہ صحیح ہے کہ جسطرح سُرخی اور اگری وغیرہ رنگون کے نام مین اُس طرح قفسی کسی رنگ کا نام نہین ہے مگر رنگ سیاہ کی جگہ پر قفسی رنگ کہنا اور پھر بلبل کے متعلق ضرور داد کے قابل ہے

(۲) خبر نہین نالہ کو مخاطب بنانا کیون بے مزہ ہے لیئے کہ غیر ذی روح اشیا سے جاندارون کی طرح خطاب کرنا ایران وہند کی شاعری مین عام ہے اور انگریزی مین بھی نایاب نہین۔

(۳) یہ ارشاد کہ شعر مین جہان دوسرے معنی کا احتمال پیدا ہوا وہ سست ہو گیا۔ بجا ہے مگر جب احتمال ہو بھی جب تغیر لہجہ یا کسی اور صورت سے کئی مفہوم بے تکلف نکلین تو داد کے قابل ہین۔ خواہ وہ مطالب مصنف کے ذہن مین شعر کہتے وقت موجود ہون یا نکات بعد الوقوع کے تحت مین آئین اور یہ تو شاعری کا معجزہ ہے کہ شعر دو متضاد معنے کہتا ہو اور دونون اپنی جگہ لطیف و مضبوط ہون جس طرح تصویر کی آنکھ بنانے مین کمال مصور یہ ہے کہ ایسی آنکھ بنائے کہ انسان جس سمت سے تصویر پر نظر ڈالے یہی سمجھے کہ صاحب تصویر مجھی کو دیکھ رہا ہے رخاص کر توریہ کے محل پر ایسا کلام کمال زبان آوری کیلیے مایۂ ناز ہے) خلاق المعانی حضرت خاقانی فرماتے ہین۔

ہمسایہ شنید نالہ ام گفت　　　　خاقانی را دگر شب آمد

(۱) ہمسایہ نے میرا نالہ سُنکر کہا، لو پھر رات ہوئی کمبخت نے کل کی رات نیند حرام کردی تھی آج کی رات بھی آنکھون مین کٹتی نظر آتی ہے۔

(۲) ہمسایہ کا مطلب ہے کہ خاقانی رات اس درد وکرب سے رو رہا تھا کہ رات

کٹنے کی اُمید نہ تھی تعجب ہے کہ ابتک زندہ ہے۔

(۳) ہمسایہ ہمدردانہ لہجہ مین کہتا ہے کہ خاقانی بیچارے کی رات بڑی مصیبت سے کٹتی ہے۔ لو پھر رات ہوئی اور پھر اُس پر وہی شدائد گزرنے لگے۔ ہائے کیسی مصیبت کی زندگی ہے۔

(۴) ہمسایہ بنظر استہزا کہتا ہے کہ لیجئے پھر رات ہوئی اور پھر وہی ادھم ہونے لگا۔

(خدائے سخن میر)

جو پوچھا کہ کتنا ہے گُل کا ثبات کلی نے یہ سُنکر تبسم کیا

(۱) حل۔ کلی نے بتادیا کہ گُل کا ثبات بقدر یک تبسم ہے

(۲) کلی اِس بات پر مسکرائی کہ میری بہار عُمر کی بے ثباتی سے مجھے کس لطیف پیرایہ مین آگاہ کیا۔

(۳) کلی پوچھنے والے کی سادگی پر مسکرائی کہ مین تو ابھی کلی ہون مین کیا جانون کہ گل کا ثبات کتنا ہے یہ پوچھنا ہے تو گل سے پوچھیئے۔

(۴) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضور کے نصیحت فرمانے کی ضرورت نہین مین خود اپنی بے ثباتی سے واقف ہون

(۵) مسکرانے کی وجہ یہ تھی کہ چلے ہین اسوقت آغاز بہار و شباب مین نصیحت کرنے جس وقت کوئی کسی کی نہین سنتا۔

مین پھر غالب کا اصل شعر لکھے دیتا ہون۔

قمری کفِ خاکستر و بلبل قفسِ رنگ اے نالہ نشانِ جگرِ سوختہ کیا ہے

نحو و۔ قمری بھی نالہ کش ہے اور بلبل بھی۔ قمری سوز عشق سے جلکر کفِ خاکستر

اور بلبل خاک سیاہ۔ اور اس طرح دونون اپنے سوز عشق کا مرقع بنی ہوئی ہین۔ ان کا دعوی عشق مسلم ہے۔ لے نالہ مین اپنے سوز دل کے ثبوت مین دنیا کو کیا دکھاؤن خالی نالہ دعوی بے دلیل ہے اور موجب رسوائی۔ کمال عشق یہ ہے کہ عاشق ہمہ تن سراپا شعلہ بنکر رہ جائے۔ مراد یہ ہے کہ مین شیدائیون کی صف مین آتو ہوئے شرماتا ہون اسلیے کہ میرا سوز سوز ناتمام ہے۔ مثال کے طور پر کچھ شعر لکھے جاتے ہین ؎

(غالب)

اُس شمع کیطرح سے جسکو کوئی بجھادے — مین بھی جلے ہوؤن مین ہون داغ ناتمامی

(سودا)

سودا قمار عشق مین مجنون سے کوہکن — بازی اگرچہ لے نہ سکا جی تو کھو سکا
کس منہ سے پھر آپکو کہتا ہو عشقباز — خانہ خراب تجھسے تو یہ بھی نہ ہو سکا

(۲) اگر مصرعہ ثانی کو تحیر کے لہجہ مین پڑہین تو ایک مفہوم اور بھی نکلتا ہے:

انسان اشرف المخلوقات ہے ظرف اُسے اپنی حیثیت کے موافق عطا ہوا ہے۔ اے نالہ تو نے قمری کو خاکستر اور بلبل کو خاک سیاہ دیکھ کر مجھسے میرے جگر سوختہ کا نشان پوچھا ہے مین تجھے کیا بتاؤن میرے جگر سوختہ کا نشان ہی کیا۔ مین بلبل و قمری کا سا اوچھا نہین۔ مجھے جیسا سوز عطا ہوا ہے ویسا ہی ضبط بھی۔ (دوہا)

آہ کرون تو جگ جلے اور جنگل ہو جل جائے — یہ پاپی جیرا نا جلے کہ جہین آہ سمائے

(شیخ ناسخ علیہ الرحمہ)

قسمت کیا ہر ایک کو قسام ازل نے — جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا
بلبل کو دیا نالہ تو پروانہ کو جلنا — غم ہم کو دیا سب سے جو مشکل نظر آیا۔

(کوئی اُستاد کہتا ہے)

بلبل نیم کہ نعرہ زنم درد سر کنم — قمری نیم کہ طوق بہ گردن در آورم
پروانہ نیستم کہ بہ یکدم عدم شوم — شمعم کہ جان گدازم ودم بر نیا ورم

(۳) قمری مین سوز دل تھا وہ جل کے راکھ کے رنگون ہوگئی۔ بلبل سیاہ پڑ کر رہ گئی۔ مگر ہم ایسے بدنصیب ہین کہ سوز دل نے کلیجہ پھونک دیا اور دنیا نے نہ جانا کہ ہم پر کیا گزری۔

(دوہا)

لکڑی جل کوئلہ بھئی اور کوئلہ جل بھئی خاک — مین بپن ایسی جلی نہ کوئلہ بھئی نہ راکھ

(۴) جب کوئی چیز جلجاتی ہے تو کوئلہ ہوجاتی ہے اور جب بالکل جلجاتی ہے تو راکھ ہوجاتی ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ ایک کارنگ خاکستری ہے دوسرے کا سیاہ۔ آخر ان دونون مین ترجیح کسکو ہے۔ یعنی میرے نزدیک تو قمری کو بلبل پر ترجیح ہے۔

خو نے تری افسردہ کیا وحشت دل کو — معشوقی و بے حوصلگی طرفہ بلا ہے

جناب شوکت۔ تیری خو مین اسقدر شوخی بھری ہے کہ اُسکے سامنے وحشت دل افسردہ ہے۔ خوے معشوق اور وحشت کی بے حوصلگی دونون میرے لیے عجیب بلا مین ہین۔

تنقید۔ اگر مطلب یہی ہے تو اس مین خوبصورتی کا نام نہین، اسلیے کہ برہنہ لفظون مین اسکے معنے یہی تو ہوئے کہ معشوق کی گرماگرمی عاشق کی بیتابیون اور اُمنگون سے بڑھی ہوئی ہے۔ یہ واقعہ بھی ہو تو کہنے کی بات نہین۔

جناب طباطبائی - معشوق ہو کر ایسا پھیکا پن، ایسی ٹھنڈی طبیعت، نہ ناز و ادا کا حوصلہ، نہ چھیڑ کا مزہ - طرفہ بلا ہے - یعنی قابل نفرت ہے خوسے بیدماغی و بدمزاجی مراد ہے - لفظ وحشت اس شعر مین مصنف نے ذوق و شوق کی جگہ پر باندھا ہے اور اصل مین وحشت و نفرت کے معنے قریب قریب ہین وہ یہان بنتے نہین کیونکہ مطلب یہی ہے کہ تیری بدمزاجی سے دل کو وحشت ہوگئی نہ کہ وحشت دل افسردہ ہوگئی - غرض یون کہنا چاہیے تھا کہ افسردہ کیا خواہش دل کو یا حسرت دل کو جب لفظ مطابق معنی ہوتا

تنقید - (۱) طرفہ بلا ہے کے یہ معنی صحیح نہین کہ قابل نفرت ہو بلکہ عجیب (امل) بے جوڑ یا تماشے کی بات ہو اور بس ایسے محل پر قابل نفرت وہ بدھے کہے جا سکتے ہین جن کا معشوق جوان ہو یا بادشاہ تند مزاج کہہ سکتا ہے جسکا جواب شیرین کی زبان سے سنیے - تیرا شاہی سے نہ دے عشق بازی

(۲) وحشت کے معنی یہان ولولے اور اُمنگ کے ہین جسے معشوق اپنی زبان مین وحشت کہتے ہین جب عاشق معشوق کو چھیڑتا ہے یا اپنا بیان کرنے لگتا ہے تو غمزہ اکثر اسکی زبان سے ایسے الفاظ نکلوا دیا کرتا ہے جیسے یا وحشت - مرزا نے معشوق کی زبان سے نکلا ہوا صرف ایک لفظ یعنی وحشت دوہرا کر عاشق و معشوق کی خلوت عاشق کی چھیڑ چھاڑ اور معشوق کے جواب کی تصویر کھینچ دی جسکا لطف کچھ اہل ذوق ہی جانتے ہین اپنی تشفی کے لیے مرزا ہی کا ایک مطلع اور جناب طباطبائی کی شرح نقل کیے دیتا ہون ؎

عشق مجھکو نہین وحشت ہی سہی   میری وحشت تری شہرت ہی سہی

جناب طباطبائی اس شعر کا مطلب یہ تحریر فرماتے ہین یعنی تو میرے اظہار عشق پر کہتا ہے کہ تو دیوانہ ہو گیا ہے - تو اسکا جواب یہ ہے کہ عشق مجھ کو

نہین وحشت ہی سہی۔

(۲) تیری کج مزاجی سے دل کو وحشت ونفرت ہوگئی۔ یہان یہ فقرہ بھی عاشق کی زبان سے کچھ اچھا نہین معلوم ہوتا۔ خاصکر جب الفاظ مصنف کا نون پر ہاتھ دھرے ہین۔ مرد قائل ابا کر رہی ہے۔ طبع شاعر آمادہ ہر سبب۔

(۳) وحشت دل کو خواہش دل یا حسرت دل سے بدل تو دین مگر مذاق سلیم کی پیشانی شکن آلود ہو جائے گی۔

بیخود۔ تیری بے دماغی تیرے روکھے پھیکے پن نے دل کی اُمنگین کم اور دونون کا جوش ٹھنڈا ہوگیا۔ معشوق ہو کر چھیڑ چھاڑ سے ایسی نفرت۔ توبہ

مجبوری و دعوائے گرفتاری الفت ۔۔۔ دستِ تہ سنگ آمدہ پیمانِ وفا ہے

بیخود۔ مجھے اس شعر کے مطلب مین کسی سے اختلاف نہین ہے۔

حل۔ مرزا صاحب فرماتے ہین کہ ہم حالتِ مجبوری مین محبت نباہ رہے ہین۔ ہمارے پیمان وفا کی مثال ایسی ہے جیسے پتھر کے نیچے کسی کا ہاتھ دب گیا ہو اور نکلتے نہ بنے اس مین ایک لطیف نکتہ یہ بھی ہے کہ عہد کرتے وقت ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہین۔ گویا ہم اور معشوق سے پیمان وفا نہین ہوا ہے۔ بلکہ مجبوری ہے۔ (یہان مجبوری ذی روح تصور کی گئی ہے)

معلوم ہوا حالِ شہیدانِ گزشتہ ۔۔۔ تیغِ ستم آئینۂ تصویر نما ہے

گزارش۔ اس شعر کے مطلب مین مجھے کسی سے اختلاف نہین۔ ہان اتنا عرض کردینا ہے

کہ شعر توادائے مطلب میں قاصر نہیں خبر نہیں کہ جناب طبا طبائی نے ادائے مطلب کا معیا کیا قرار دے رکھا ہے۔

حل۔ کسی مجروح یا تماشائی کی نظروں میں معشوق (یا کسی ظالم) کی تیغ ستم کا انداز دیکھ کر اگلے شہیدوں کی تصویر پھر گئی ہے! وہ کہتا ہے کہ تیری تلوار تلوار نہیں ایک آئینہ تصویر نما ہے یعنے اِس سے پتہ چلتا ہے کہ اِس تلوار کے گھاٹ اُترنے والون پر کیا گزری ہوگی۔

اے پرتو خورشید جہانتاب اِدھر بھی　　سایہ کی طرح ہم پہ عجب وقت پڑا ہے

پرتو خورشید۔ رحمت پروردگار۔ یا جناب سالتمآبؐ۔ کرم و جلوۂ معشوق۔ مرشد

حل۔ اے تمام دنیا کے روشن کرنیوالے آفتاب کے نور، ایک نظر کرم ادھر بھی۔ ہم پر سایہ کی طرح عجب وقت پڑا ہے۔ اِس شعر میں بہت سے لطیف نکتے ہیں

(۱) دھوپ جب سایہ پر آجاتی ہے تو وہ بھی دھوپ ہوجاتا ہے۔ یعنی ہم کو اپنے رنگ میں رنگ دے۔

(۲) سایہ کی تشبیہ تعریف سے بے نیاز ہے۔ وہ یوں کہ سایہ کی مصیبت آفتاب کے سوا کسی کے ٹالے ٹل نہیں سکتی۔ یعنی ہمارے دکھ کا علاج تیرے سوا کسی کے بس کی بات نہیں۔

(۳) آفتاب کو سایہ کے چمکا دینے مین کوئی دقت ہوتی ہے نہ تکلیف یعنی تیرے ادنیٰ اشارہ مین ہمارا کام بنجائیگا۔

(۴) عجب وقت پڑا ہے یعنی سخت سے سخت مصیبت ہے جسکے اظہار کیلیے

الفاظ ہی نہین ملتے نہ کوئی اُس مصیبت کا صحیح اندازہ کر سکتا ہے۔

یارب اگر ان کردہ گناہون کی سزا ہے — ناکردہ گناہون کی بھی حسرت کی ملے داد

جناب شوکت کی شرح مین یہ شعر نہین جناب حسرتؔ صرف نثر فرمادیتے جناب طبا طبائی نے صرف تحسین و تمجید پر اکتفا فرمائی (یعنی میر تقی کو بھی حسرت ہو گی کہ یہ مضمون مرزا نوشہ کے لیے بچ رہا) حالانکہ یہی شعر بیت الغزل (غزل کی جان) ہے۔

حل۔ کوئی گنہگار دنیا مین اپنے اعمال کا محاسبہ کرتے وقت یا میدان حشر مین پرسش اعمال کے موقع پر کہتا ہے کہ اے میرے پروردگار اگر میرے کیے ہوے گناہون کی سزا دیتا ہے تو جن گناہون کی حسرت رہ گئی (یعنی جو گناہ قدرت نہ ہونے کی وجہ سے یا تیرے خوف کے سبب سے یا تیری خوشنودی کے خیال سے نہین کیے) پہلے اُسے نکال دے پھر جو سزا چاہے دے لے مین خوشی سے بھگت لونگا۔

حاشیہ۔ اس شعر مین مرزا نے انسان کے ذوق گناہ کی انتہا دکھائی ہے۔

(۲) پروردگار! اگر میرے کئے ہوئے گناہون کی سزا دیتا ہے۔ تو خیر لیکن جن گناہون کی حسرت رہ گئی (اور ناکامیون نے میرے دل پر جو قیامتین توڑی ہین) تو اُن سے خوب واقف ہے جو گناہ قدرت نہونے کیوجہ سے مین نے نہین کیے اس پر جو تکلیف میرے دل کو ہوئی عجب نہین جو وہی میرے گناہونکا کفارہ ہو گئی ہو۔ اور جو گناہ تیرے خوف سے نہین کئے اور جن لذتون کو تیری خوشنودی کے لیے ترک کیا اُن کا اجر ملنا چاہیے فیصلہ کرنے مین یہ تمام امور مد نظر رہین عجب نہین کہ مین جزا کا مستحق ٹھیرون نہ سزا کیسی۔

حاشیہ۔ مرزا نے باز پرس قیامت کے لیے قیامت کا جواب پیدا کیا ہی اور کس بلیغ انداز سے اپنا مطلب ادا کیا ہے۔

بیگانگی خلق سے بیدل نہو غالبؔ　　کوئی نہین تیرا تو مری جان خدا ہے

حل۔ اے غالب اگر تجھے دنیا نے چھوڑ دیا تو ہراسان ہونیکی کون سی بات ہے اگر کوئی تیرا شریک حال نہین ہے نہ سہی خدا تو ہے۔ یہ شعر پڑھتے وقت ایک ایسے نا امید مجبور و ردکردۂ دوستان و مبتلائے آفات کی تصویر نظرون مین پھرنے لگتی ہے جسے اُمید کا فرشتہ تسکین دے رہا ہو۔

(بجواب)

نقد النقد بیخودی
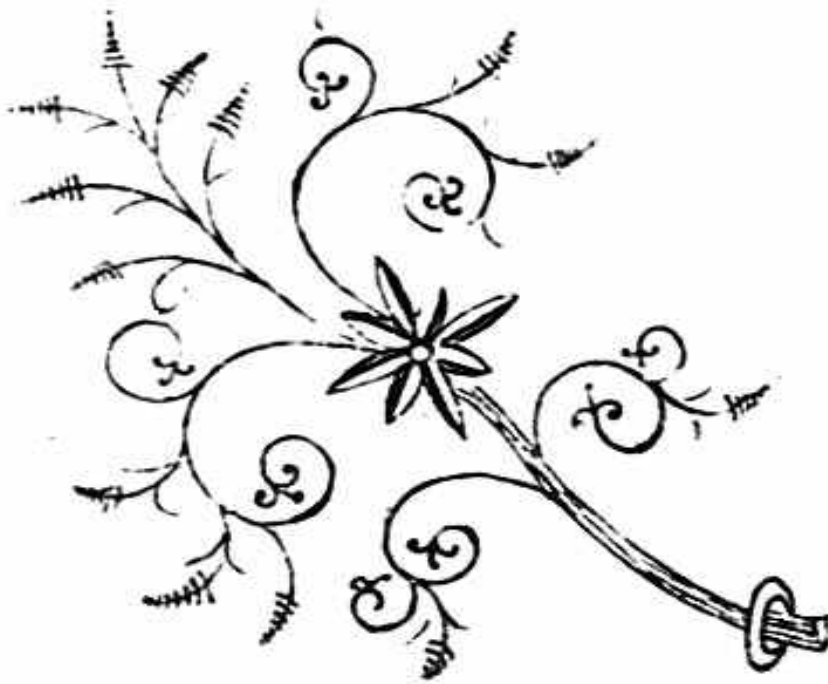
پائے من و بند سخت قلب من و درد صعب
شور ز زنجیر من و ز دلم آہے بس است (بیخود موہانی)

اپریل کی بائیسوین (شنبہ ۱۹۲ء) کو اودھ پنچ مین ادبارالشعرا کے فرضی نام سے ایک مضمون شائع ہوا، جسکی سُرخی نقد النقد بیخودی تھی، اِس مین میرے اُس مضمون پر واپکتہ چینی کی گئی تھی، جو السناظر مین " دیوان غالب کی شرحون پر ایک سرسری نظر" کے عنوان سے نکلا تھا۔ مگر یہ وہ زمانہ تھا جب مجھے اپنے گود کے پالے، اپنی آنکھون کے تارے (سب سے چھوٹے بھتیجے) کی آخری ناز برداریون مین سر و پا کا ہوش نہ تھا۔ ہر شام آفت کی شام تھی اور ہر صبح قیامت کی صبح۔ یاس و اُمید مین ردوبدل ہو رہی تھی۔ دن چارہ گرون کے در کی خاک چھانتے گزرتا۔ رات آنکھون مین کٹتی۔

ابھی بیمار کی نبض دیکھ رہا ہون' ابھی اُسکی سانس پر نظر ہے۔ اس ننھی سی جان پر وہ تکلیف تھی کہ خدا دشمن کو نہ دے۔ سانس یون چلتی تھی جس طرح آرے چلتے ہین اور مین ؎

تپ صرفہ خلیدن پہلو نفس تنا ت و نبض مثاری

کے خیال کو دل سے بھلانا چاہتا تھا، مگر نہ بھولتا تھا جسے کار موت نے مرض کا لباس اُتار پھینکا اور اب صاف نظر آنے لگا کہ جسے ہم بیماری سمجھے ہوے تھے وہ ملک الموت کا ایک بھیانک روپ تھا۔ مختصر یہ کہ مان کی گود اسکے جھولے کیطرح خالی ہو گئی اور چاہنے والون کو یہ کہکر چپ ہو جانا پڑا ؎

دیوانہ چل کھڑا ہوا دامن کو پھاڑ کے سمجھانے والے بیٹھ رہے ہاتھ جھاڑ کے

جب وہ پیاری صورت جب وہ موہنی مورت خاک مین مل چکی میرا یہ عالم ہوا کہ راہ چلتے' گھر بیٹھے' سوتے جاگتے مجھے اُسکے کراہنے کی آواز سنائی دینے لگی اور ؎

دنیا کراہنے کی صدا بن کے رہ گئی مین دل کو مرتے دیکھ کے آفت مین آگیا

کا مفہوم میری سمجھ مین آنے لگا، اور گھر کیا دنیا کی ایک ایک چیز سے اُسکا تعلق نظر آنے لگا، اور میرے دل کی یہ حالت ہوئی ؎

تھا کچھ نہ کچھ ضرور ہر اک شے مین دل کا رنگ جس چیز پر نگاہ پڑی مین نے آہ کی

تو وہان کا قیام ترک کرنے کے سوا کوئی صورت نظر نہ آئی۔ اور مین لکھنو آیا۔ یہان مجھے بائیسوین اپریل کا پرچہ (اودھ پنچ) کرمی جناب شیخ ممتاز حسین صاحب عثمانی مریداودھ پنچ سے ملا۔ مگر مین ابھی اپنے حواسون کو رو رہا تھا کچھ لکھ نہ سکا۔ اسکے بعد بھی جناب حکیم آشفتہ صاحب کی عنایت سے چھٹی ئی کا اودھ پنچ ملا۔ مین نے اعتراضون پر نظر کی

تو مجھے نہایت افسوس ہے اگر معترض نقاد نے نہ تو مرزا غالب کی غزل کے حل پر قلم اٹھایا تھا نہ میری کسی ناچیز رائے پر کوئی مدلل تقریر کی تھی بلکہ میری اُردو دانی پر بچوں کے کھیلنے والے طنپنچے کسے تھے۔ جی میں آیا ؎

بدم گفتی و خورسندم عفاک اللہ نکو گفتی ‎ ‎ ‎ ‎ جوابِ تلخ می زیبد لبِ لعلِ شکر خا را

پڑھوں اور خاموش ہو رہوں، لیکن میرے احباب نے نہ مانا اور جواب لکھنے پر اتنا ہی مجبور کیا، جتنا جناب سید علی حید صاحب نظم طباطبائی لکھنوی سابق پروفیسر نظام کالج رکن دار الترجمہ حیدرآباد کو اُن کے احباب نے میرے مضمون پر خامہ فرسائی کیلیے مجبور کیا تھا۔ یہ بھی مجھے گوارا نہوا کہ فاضل مضمون نگار میری خاموشی کو اپنے مضمون کا جواب سمجھکر اپنی توہین قرار دے اور اپنے احترام کا ماتم کرے، یہ بھی اچھا نہ معلوم ہوا کہ عوام غلط فہمی میں مبتلا رہیں، میرے سچے چاہنے والے آزردہ ہوں یہ بھی پسند نہ آیا کہ بے وجہ دشمن بن بیٹھنے والوں کی زبان سے خواجہ آتش علیہ الرحمہ کے لاجواب نغمہ کی تانیں فضا میں گونجیں ؎

بڑا شور سنتے تھے پہلو میں دل کا ‎ ‎ ‎ ‎ جو چیرا تو اک قطرہ خون نہ نکلا

اور اب خاموشی میرے بس کی بات نہ رہی۔

مجھے معتبر ذریعوں سے معلوم ہوا ہے کہ یہ اعتراض جناب طباطبائی بالقابہ کی ندرت آفرین دماغ سوزیوں کا نتیجہ ہیں، انکے سر مدیر ادد ھ پنچ نے لگایا ہے اور قیاس بھی ایسکا مقتضی ہے۔ اس مضمون میں تین باتیں ایسی ہیں جنسے کم از کم مجکو تو یہ خیال ضرور ہوتا ہے ؎

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش ‎ ‎ ‎ ‎ من انداز قدت را می شناسم

پہلی بات۔ عبارت کا یہ خاص انداز مثلاً "ابو الفضل بھی اس راہ کا سالک ہے" پھر

ہوئے جہالت آئی " جتنے مقامات اس لفظ کے ساتھ ہین سب کے مطالب کسی نہ کسی طرح انصاف وعدل کی طرف منجر ہوتے ہین :- "جہالت، جہال، جاہل۔ یہ الفاظ سارے مضمون مین نظر آتے ہین اور مجھے کسی اُستاد کا یہ شعر بار بار یاد آتا ہے ؎

دیکھیو میر بدزبان کی ادا بات کرنے مین گالیان دے ہے

دوسری بات :- معترض علام کی غیر معمولی موشگافی اور حد اعتدال سے گزری ہوئی احتیاط مثلاً تاج دارائی کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ دارا ایران کا تاجدار تھا سکندر نے اُس کا تاج چھین لیا تھا ایسا تاج قابل مدح نہین ہو سکتا۔"

(اودھ پنچ ۲۲ را پریل ۱۹۲۵ء صفحہ ۴ کالم ۱)

ایسی احتیاطین جناب طباطبائی کے خصوصیات مین داخل ہین مین اس وقت صرف اُن جناب کی شرح دیوان غالب سے ایک مثال دینا کافی سمجھتا ہون۔ شعر غالب

جوہر تیغ بسر چشمۂ دیگر معلوم ہون مین وہ سبزہ کہ زہراب اُگاتا ہے مجھے

ارشاد جناب طباطبائی :- مصنف مرحوم نے غفلت کی یہان۔ ایران مین زہراب اہل زبان پیشاب کو کہتے ہین۔ اس لفظ سے بچنا چاہیے تھا۔

(شرح طباطبائی صفحہ ۲۴۵۔ انا ظر پریس لکھنؤ)

اے میری اُردو پر چین بہ جبین ہونے والے بت تجھے اپنی بے نیازی و بے ادائی کا واسطہ ایک نظر ادھر بھی۔ دیکھ تو حضرت طباطبائی نے اتنی سی عبارت مین یہان کہان پر لکھ دیا ہے؟ ' ایران مین کہنے کے بعد اہل زبان کہنا کہان تک صرف بامحل ہے۔

اب اگر ایرانیون اور ہندوستانیون کے کلام سے صرف وہ اشعار لیے جائین جن مین 'زہراب' کا لفظ آیا ہے تو ایک دفتر بنجائے اِن اُمور پر نظر فرمانے کے لیے

میری شرح کا انتظار فرمائیے۔ اب صرف اُسکا چھپ جانا ہی باقی ہے۔ اُسکی اشاعت میری بے سروپائی کی کمند مین گرفتار ہے اور اسکے چھپنے مین فقط لطیفۂ غیبی کا انتظار ہے۔

تیسری بات :۔ اجتہاد بے بنیاد اور دعوے بے دلیل جناب طباطبائی کا خاص انداز ہے۔ چنانچہ اِس مضمون مین بھی ارشاد ہوا ہے۔

مثال اجتہاد بے بنیاد "قدیم محاورات مین کوئی تغیر جائز نہین۔ محاورہ کبھی نہین بدلتا"
(اودھ پنچ ۲۲ اپریل ۱۹۲۵ء صفحہ ۶ کالم ۴)

مثال دعوے بے دلیل۔ معجزہ آراست وسجدہ ریخت فارسی دانون نے بھی نہین کہا۔ خواہ وہ ہندی نژاد ہون یا ایرانی۔ آپ کون ہین ؟
(اودھ پنچ ۲۲ اپریل ۱۹۲۵ء صفحہ ۶ کالم ۴)

مین نے اِس اجتہاد اور اِس دعوے کی حقیقت پر آگے بڑھ کر بحث کی ہے۔ آپ کی شرح مین ایسے دعوٗن کی بھرمار ہے۔ مین اِس وقت صرف ایک مثال پر اکتفا کرتا ہون آپ غالب کے اِس شعر کی شرح مین قم طراز ہین ؎

وضع مین اسکو اگر سمجھئے قاف ہے | رنگ مین سبزۂ نوخیز مسیحا کہیئے

(" سمجھئے) کا لفظ اِس طرح نظم ہوا ہے کہ میم ساکن اور جیم متحرک ہو گیا ہے۔ اس لفظ کو اِس طرح کسی نے موزون نہین کیا۔ اور نہ اِس طرح محاورہ مین ہے"
(شرح طباطبائی صفحہ ۳۱۳)

اِس دعوے کی حقیقت ظاہر کرنے کے لیے مین اِس وقت دو شعر لکھے دیتا ہون ایک تو مرزا کے معاصر مومن مرحوم (دہلوی) کا ہے دوسرا ایک شاہ عالم بادشاہ دہلی آفتاب تخلص

نور اللہ مرقدہ کا۔

(مومن)

بیان کرتا ہے ہکلانے کا اُس بت کے عالم ۔۔۔ نے کیا سمجھے پچیدہ جب تقریر شیشے کی

(آفتاب)

آئے جو خواب میں بھی وہ یوسف لقا تو پھر ۔۔۔ اے آفتاب دولت بیدار سمجھے

میرا خیال یہ ہے کہ حضرت طباطبائی نے جب ایسے دعوون کا قصد کیا تھا تو کم سے کم معاصرین غالب کے دیوان دیکھ لیے ہوتے حضرت آفتاب سے زیادہ اُردوے معلی کے جاننے کا دعوے کسکو ہو سکتا ہے؟ قلعہ معلی کے رہنے والے وہ سودا اور شاگردان سودا کی نگاہین دیکھنے والے وہ انشا کو اپنی صحبت مین جگہ دینے والے وہ اس شعر مین یہ لفظ (سمجھے) ردیف واقع ہوا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ صورت نظم اتفاقی نہ تھی اس شعر کو صاحب تذکرہ گلشن بیخار نواب مصطفےٰ خان شیفتہ وحسرتی ارشد تلامذۂ مومن نے انتخاب مین لیا ہے۔ یہ امر بھی اس لفظ کے صحیح ہونے کی قاطع دلیل ہے۔ اور سودا و میر کا کلام دیکھا جائے تو معلوم ہو کہ یہ لفظ اس طرح کتنے مقامون پر نظم ہوا ہے۔

بہر حال یہ مضمون جناب طباطبائی کی دنیا سے نرالی طبیعت کا آفریدہ ہو جناب میر اودھ پنچ کا رجز، یا اور کسی عنایت فرما کے زور قلم کا نتیجہ۔ اب مین بادل ناخواستہ اُسکے جواب کیطرف متوجہ ہوتا ہون۔ لیکن یہ عرض کر دون کہ میرا یہ مضمون ایسا نہین ہے جیسے مضمون کی توقع میرے جاننے والون کو ہوگی۔ اس لیے کہ مین پھر موہان مین ہون۔ یہان کتابون کا قحط ہے اور اب یہان خاک اُڑتی ہے ؎

جہان اب سانس چلنے کی صدا آتی ہے مشکل سے ۔۔۔ وہ زندان گونجتا رہتا تھا آواز سلاسل سے

(جوش موہانی)

مگر انصاف چاہتا ہے کہ مضمون کے شروع کرنے سے پہلے فاضل معترض کی عنایت کا شکریہ ادا کر دیا جائے اور کمال انشا پردازی کا اعتراف کر لیا جائے۔ اس لیے کہ مین نے ایسے مضامین کے لیے ایک نیا انداز نکالا ہے۔ تمہید، شکریہ، داد، اصل مدعا اور التماس جسکے اجزا ہین۔

شکریہ (۱) مجھ سے ہیچمدان، مجھ سے ہیچمیرز کو قابل خطاب سمجھنا ہی وہ احسان ہے جس کے شکریہ سے عہدہ برآ ہونا مشکل ہے۔

(۲) مین اس گرمی اور اس اختلاج مین اتنی کتابین ہرگز نہ دیکھ سکتا یہ صرف معترض نقاد کی عنایت ہے کہ مجھے دیکھی ہوئی کتابین پھر دیکھنا پڑین، اور بہت سے ایسے مسائل مستحضر ہوئے جو گلدستہ طاق نسیان بن چکے تھے۔

(۳) مجھے اس امر کا موقع دیا کہ مین جناب طبا طبائی کے بعض اجتہادات کی حقیقت ظاہر کر سکا ورنہ ان سے دنیا اُس وقت تک بیخبر رہتی جب تک اس ناچیز کی شرح شائع نہو جاتی۔

داد معترض بے بدل نے ۱۶ کالم دو پرچون مین لکھے اور سبھی کچھ اچھا لکھا۔ مگر مجھے تین جملے بہت پسند آئے۔ اگرچہ جو مفہوم اُن مین ادا کیا گیا ہے اُسکی صحت کا مجھے یقین کیسا گمان تک نہین۔ مگر اُن کی دلکشی و دلآویزی مین شک کرنا مشرب انصاف مین حرام ہے۔ اس لیئے الفاظ ان کی جان ہین اُن پر خط کھینچ دیے ہین۔

(۱) سجدہ کوئی ریتی نہین اولتی نہین، نہ جبین ملاح کی لنگوٹی ہے۔

(اودھ پنچ ۲۲ اپریل صفحہ ۴ کالم ۳)

(۲) البتہ ابکار افکار سے معجزہ آرائیان ہیبت آفرینیان کا فرماجرائیان اور اسی خاندان کی دوسری پھلپائیان یعنے عقدہ پیرائیان مرحلہ چکانیان غلبہ زائیان

پیدا ہوئین۔ (اودھ پنچ ۲۲ اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۶ کالم ۲)

(۳) زحچ نے مجہ بھر تارے دیکھے، طالب علم نے چند دقیقہ مطالعہ کیا وہ" اللہ اللہ بجانی کے" کہتی ہوئی پردہ مین داخل ہوئی یہ صیغہ گردانتے مکتب ہوپنچا وہ بامراد رہی یہ نامراد رہا۔ (اودھ پنچ ۲۲ اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۶ کالم ۳)

ردِ اعتراضات

اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا ۔۔۔ لڑتے ہین اور ہاتھ مین تلوار بھی نہین

اعتراض اول "تاج دارائی" پر ہے۔ مین نے لکھا تھا کہ متاخرین مین تاج دارائی مرزا غالب کے سر پر جلوہ افگن ہوا۔ خلاصہ عبارت اعتراض۔

"ہم جس دارا سے واقف ہین۔ وہ ایران کا تاجدار تھا۔ سکندر نے اُس کا تاج چھین لیا تھا۔ ایسا تاج قابل ہجو ہے قابل مدح نہین ہے۔ خواہ وہ دارائی اقلیم سخن سے متعلق ہو یا نہ ہو۔ دارا کے معنی مالک وصاحب کے بھی ہین لیکن اس مقام پر یہ معنی نہین لیے جا سکتے" (اودھ پنچ ۲۲ اپریل ۱۹۱۲ء)

جواب۔ دارائی کے معنی ہین سلطنت دارائی اور فرمانروائی۔ تاج دارائی اور تاج شاہی مین کوئی فرق۔ یہ کیونکر سمجھا گیا کہ تاج دارائی کے معنی دارا کا تاج ہین۔ اگر ایسا بھی ہوتا تو اعتراض کا کوئی محل نہ تھا۔ دارائی (جو دارا سے تاج سیانی چھن جانے کے سیکڑون برس بعد پیدا ہوئے اور دارا کی حسرت خیز روداد سے ہم ہندستانیون کے مقابلہ مین کچھ زیادہ واقف ہین) دارا کو خدا۔ مالک۔ صاحب۔ بادشاہ کے معنون پر استعمال کرتے ہین۔ اور بادشاہون کی مدح مین بھی اُن کو دارا کہہ کر خطاب کرتے ہین۔ اور یہی شیوہ اساتذہ ہند کا ہے۔ نقل معترض

کی تسکین کے لیے کچھ شواہد پیش کیے دیتا ہوں۔ واللہ یہدی من یشاء۔

خاقانی ہند ملک الشعرا محمد ابراہیم ذوق دہلوی مدحیہ مسدس بادشاہ کے سامنے پڑھتے ہیں اور یہی منحوس لفظ استعمال کرتے ہیں مگر ذوق کا نکتہ رس تاجدار اسے ہجو یا بددعا نہیں سمجھتا۔ اسکے تیوروں پر بل تک نہیں پڑتے۔ ذوق نے تو یہاں تک غضب کیا تھا کہ دارا، تاج، اور سکندر سب کا نام ساتھ ہی ساتھ لے لیا تھا ؎

(ذوق)

ہے دارا کو تا نام آوری تاج کیانی سے — سکندر تا ہو نامی سکۂ کشور ستانی سے

ہے نام سلیمان تا نگین حکمرانی سے — ہے نام فریدون تا درفش کاویانی سے

ترا اے خسرو الاحشم عالم مسخر ہو

سر پر سلطنت پر تو ہمیشہ دادگستر ہو

(ملا طغرائے مشہدی)

دارا۔ ہنگامیکہ دارائے ہند سبزہ پروری یعنی جہانگیر بہار سر از جھروکۂ نیسانی بر آورد[1]

دارائے عرش مرتبہ سلطان مرادبخش — حاجت روائے زمین تا درنگ آسمان[2]

(حکیم قاآنی)

تونی غالب تونی قاہر تونی باطن تونی ظاہر — تونی ناہی تونی آمر تونی داور تونی دارا[3]

اس قصیدہ کا مطلع یہ ہے۔

بگردون تیرہ ابرے بامدادان بر شد از دریا — جواہر خیز و گوہر ریز و گوہر بیز و گوہر زا

---

[1] فردوسیہ ملا طغرا (رسائل طغرا) صفحہ ۔ [2] تاج المدائح صفحہ ، [3] کلیات حکیم قاآنی

گفتم ز شوق در گردارائے زنگار — نہر آسم از نسیم مے و باد آذرا [1]

مطلع — در شیشہ چون کشیدہ شہ زنگ لشکرا

افسردارا۔ تاج دارا کا مرادف

تاجکے از شکب تر گذاشتہ بر سر — غیرت تاج قباد و افسر دارا [2]

تاج دارائی

گرفتہ تاج دارائی ز دارا — بفرمان بردنش چون موم خارا [3]

کاش معترض نقاد نے دیکھ لیا ہوتا کہ دارا صرف خاندان کیانی کے کسی فرد خاص ہی کا نام ہے یا قیصر و خاقان کی طرح لقب ہے۔ دارائے اکبر و دارائے اصغر کا ذکر تو برہان قاطع میں بھی ہے اور یہ بھی صاف ظاہر ہے کہ اکبر و اصغر اسلیے لکھا ہے کہ باپ بیٹے کا فرق ظاہر ہو۔ شان و شکوہ کی کمی زیادتی کا فرق مدنظر نہیں۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی دیکھ لینا تھا کہ تاریخ کیا کہتی ہے۔

مضمون کے طولانی ہوجانیکا خوف نہوتا تو میں اتنی مثالیں لکھتا کہ گنی نہ جاتیں۔ حیرت ہے کہ فاضل معترض مجھ (جیسے) ایسے بے بضاعت سے ایسی احتیاط کی توقع رکھتا ہے جو حکیم قاآنی اور ملا طغرا ایسے باکمالوں سے نہو سکی۔ ملا طغرا کو جناب طباطبائی بھی مستند سمجھتے ہیں چنانچہ مرزا کے اس شعر کے تحت میں ؎

ساقی گری کی شرم کرو آج ورنہ ہم — ہر شب پیا ہی کرتے ہیں مے جسقدر ملے

ساقی گری کی سند خود جناب مولانا نے ملا طغرا کے اس شعر سے دی ہے۔

---

[1] کلیات حکیم قاآنی [2] کلیات حکیم قاآنی [3] تاج المدائح (رسائل طغرا) صفحہ ۱۰

(طغرا)

کند حق صوفی گری را ادا   بیک چشم بیند بشاہ وگدا

(شرح جناب طباطبائی صفحہ ۱۰۔ انا ظر پریس لکھنؤ)

مگر مجھے حیرت ہے کہ جناب شارح نے ملا طغرا کے شعر مین یکچشم پر اعتراض نہین فرمایا حالانکہ مرزا غالب کے اس شعر پر نہایت دلکش عبارت تحریر فرمادی ہے۔

جو مدعی بنے اُسکے نہ مدعی بنیئے   جو نا سزا کہے اُسکو نہ ہمسزا کہیے

ارشاد طباطبائی "اس شعر مین بنیے کا نام آجانا مذاق اہل لکھنؤ مین گران گزرتا ہوگا۔ اور البتہ بُرا معلوم ہوتا ہے"

غالباً اس خیال سے معاف فرمادیا کہ اُدبائے ایران (شاعری اور زبان آوری جنکی گھٹی مین پڑی ہے) کا مذاق اتنا لطیف نہین جتنا اہل لکھنؤ کا۔

اعتراض (۲) کوس لمن الملکی۔ اعتراض کی عبارت

"لمن الملک الیوم۔ ایک آیت ہے مگر لمن الملکی جہال کہتے ہین جن کو معلوم نہین کہ لمن الملکی بالکل فصاحت سے گرا ہوا جملہ ہے۔ ذی علم لمن الملک الیوم ہی کہتا ہے:

جواب۔ میرے نزدیک ذی علم حضرات کوس لمن الملک الیوم اور کوس لمن الملکی دونون یکسان بے تکلفی سے بولتے اور لکھتے ہین۔ ایک صورت اور بھی ہے یعنی لمن الملک مین ہر صورت کی مثال لکھے دیتا ہون اور فیصلہ معترض علامہ پر چھوڑتا ہون۔

لمن الملک الیوم

(۱) از رقعہ غالب "سُنو عالم دو ہین ایک عالم ارواح اور ایک عالم آب و گل

حاکم اِن دونوں عالموں کا وہ ایک ہے جو خود فرماتا ہے "لمن الملک الیوم"۔

(یادگارِ غالب صفحہ ۲۰۰)

(۲) سودا۔ "و بر دل آگاہ ایشان روشن است جمعے کہ در فنِ سخن بہمائے دیدہ پنہان و دوختہ کوس لمن الملک الیوم کوفتہ از دار الفنا بدار البقا پیوستہ اند"۔

(کلیاتِ سودا۔ صفحہ ۲۶)

کوس لمن الملک

(۱) "کوس لمن الملک بجاتے ہوئے آئے"۔ بند ۹۴۔ مطلع۔
کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے (مرزا دبیر اعلیٰ اللہ مقامہ)

(۲) "اور اکثر شاہانِ یونان کوس لمن الملک بجاتے تھے اور سرِ پُرغرور پیشِ سلطانِ جہان نہ جھکاتے تھے"۔

(مرقعِ عبرت۔ مرزا رجب علی بیگ سرور لکھنوی مصنف فسانۂ عجائب)

کوس لمن الملکی

"ابوعلی شیخ ابوعلی حسن بن عبداللہ بن سینا شہیر بہ شیخ الرئیس است حق آنست کہ وے در حکمائے اسلام رشکِ افلاطون و ارسطاطالیس است۔ در عمرِ شانزدہ سالگی بعد فراغ از تحصیل علومِ عقلیہ و نقلیہ تصنیف قانون در علمِ طب پرداختہ در علومِ فلسفیہ کوس لمن الملکی بلند آوازہ ساختہ"۔

(صبحِ گلشن تذکرہ شعرا صفحہ ۱۳۔ از نواب سید علی حسن خاں صاحب جانشین نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم)

(۲) انشا۔ "تختے در فنونِ رسمیہ بہارے تے داشت در ہر فنِ شعر کوس لمن الملکی بآوازہ تمام می نواخت"۔ (گلشنِ بیخار شیفتہ تذکرہ شعرا صفحہ ۲۹)

نواب مصطفیٰ خان شیفتہ کے متعلق جناب طباطبائی بھی اچھی رائے رکھتے ہین اور فرماتے ہین کہ شیفتہ صاحب تذکرۂ شعرا مین مشہور شخص ہین۔ (شرح طباطبائی صفحہ ۶)

(۳) "امیر خسرو در چہل سالگی علم موسیقی را شروع نمودہ در چند مدت رشکِ سلطان گردیدہ چنانچہ تا حال کوس من الملکی می نوازد۔"

(ثمرات البدائع مرزا قتیل صفحہ ۲۰۴ مطبع محمدی)

اعتراض (۳) ہستی کے معنی شخص کے اردو مین نہین سُنے گئے۔

جواب۔ مین اسکے جواب مین حضرت عزیز لکھنوی کا شعر لکھے دیتا ہون جن کی شاعری پر آج لکھنؤ تو ضرور ناز کرتا ہے اب آپ اُن کی زبان کو اردو کہیے یا ترکی ؎

اک نظر گھبرا کے کی اپنی طرف اُس شوخ نے ہستیان جب مٹ کے اجزائے پریشان ہو گئین

(گلکدہ دیوان جناب مرزا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی)

اعتراض (۴) معجزہ آرائی۔ خلاصہ عبارت اعتراض۔

"انجمن نہین میدان نہین معرکہ نہین۔ آراستن کا استعمال انھین الفاظ کے ساتھ ہو سکتا ہے جنکو آرائش سے علاقہ ہو۔ ستم آرا پر معجزہ کا قیاس نہین ہو سکتا۔"

(اودھ پنچ ۲۲ اپریل ۱۹۲۵ء صفحہ ۴ کالم ۱ و ۲)

جواب۔ طراز۔ آرائش نقش و آرائندہ۔ سحر طراز۔ معجزہ طراز۔ سجدہ طراز

(برہان قاطع صفحہ ۲۵۴ مطبع علوی علی بخش خان)

سجدہ طراز (رقعات بیدل صفحہ ۱۰ مطبع حسینی محمود نگر لکھنؤ)

معجز طراز۔ مسیحائے معجز طراز از مُردگان تمنائے وصال اصدقائے عالی مقام الخ

(ثمرات البدائع مرزا قتیل مغفور)

اعجاز طراز ۔ الحق درین جز و زمان طرز اعجاز طرازی و سحر پردازی بر ذاتش ختم گردیده۔

(ثمرات البدائع مرزا قتیل مغفور)

معجزہ طراز :۔

صد سالہ مردہ زندہ ہو گر اپنی بات پر — آجائے اُس صنم کا لب معجزہ طراز

(کلیات مومن دہلوی صفحہ ۱۹۴)

معجزہ طراز اور معجزہ آرا کے معنون مین کوئی فرق نہین اگر اُس پر اعتراض ہو سکتا ہے تو اس پر بھی۔ اگر مجھے اپنے حافظہ کی قوت اور اپنی نظر کی وسعت پر اتنا اعتماد ہوتا جتنا جناب طباطبائی کو ہے تو مین کہہ دیتا کہ یہ ترکیب پہلے پہل میرے قلم سے نکلی ہے مگر ایسا دعوے کرتے ہوئے میرا دل کانپتا ہے۔ اختراع و ابداع ترکیب کے مسئلہ مین اس ناچیز کا مسلک وہی ہے جو عرفی، نظیری، خاقانی، مرزا جلال، اسیر، شوکت بخاری، غالب، مومن، ذوق وغیرہ کا ہے یعنی اگر اجزائے ترکیب کسی مفہوم کو صحیح طور پر ادا کرتے ہین اُن دو یا زیادہ لفظون کے ملنے مین کوئی قباحت نہین تو ایجاد ترکیب مین پس و پیش نہ کرنا چاہیے اور سراج المحققین نواب سراج الدین علی خان آرزو کی بھی یہی رائے ہے۔

اعتراض ۵:۔ میری اس عبارت پڑھ کر مرزا خود وجد کرتا ہے اور نکتہ سنجون کو سجدہ ریزی کی تعلیم" یہ اعتراض ہین۔

آگے آئی آیت نے حضرت سجدہ ریزی بھی معجزہ آرائی سے لغویت مین کم نہین۔ سجدہ ریزی نہین اولتی نہین نہ جبین ملاح کی لنگوٹی ہے۔ معجزہ آراست۔ سجدہ ریخت فارسی والون نے بھی نہین کہا خواہ وہ ہندی نژاد ہون یا ایرانی۔ آپ کون ہین۔ اس فقرہ مین فعل کا حذف

بھی ناجائز ہے آپ نے فعل حذف کر دیا۔ اور حرف عطف ہے۔ لہذا جملہ یون ہوگا۔ "مرزا خود وجد کرتا ہے اور نکتہ سنجون کو سجدہ ریزی کی تعلیم کرتا ہے" زری عطف و معطوف کا بیان کتب نحو مین دیکھئے۔ کو کے ساتھ کرتا ہے بھی مہمل ہے بامحاورہ نہین ہے۔ یون کہہ سکتے ہین "مرزا خود وجد کرتا ہے اور نکتہ سنجون کو سجدہ ریزی کی تعلیم دیتا ہے"

جواب ۔ (سجدہ ریزی) سجدہ ریز، اساتذہ کے کلام مین دائر وسائر ہے۔ اسکی سند مانگنے اور اسپر اس شد ومد سے اعتراض کرنے کا سبب یا تو میری کم مائگی کا اعتقاد، یا ساری دنیا کے جہل پر اعتماد یا خدانا کردہ نقص استعداد ہے۔ مین کچھ شالین لکھے دیتا ہون اہل نظر فیصلہ فرمالینگے۔

(سجدہ ریز)۔ سجدہ ریز (بہار عجم صفحہ ۵۰ مطبع نولکشور)

جبین ہر دو عالم بر در او سجدہ ریز آمد
کہ باشد حلقۂ در خاتم دست سلیمانش

(ناصر علی سہرندی)

غالب بریزش سجدہ

تو ہوا جلوہ گر مبارک ہو
ریزشِ سجدۂ جبینِ نیاز

جناب طبا طبائی اس شعر کی شرح مین لکھتے ہین۔

"تو آیا اب میرا سجدہ کرنا تجھے مبارک ہو" (شرح طباطبائی صفحہ ۲)

تعجب ہے کہ جناب طباطبائی نے ریزش سجدہ پر یہان اعتراض نہین کیا۔ اب یہ خدا جانے کہ مرزا پر اعتراض کرتے کرتے تھک گئے تھے یا اُن کی کور سوادی پر رحم کیا۔ افسوس ہے فاضل معترض اودھ پنچ نے یہان جناب طباطبائی کی تحقیق پر

حسب عادت اعتماد نہین کیا اور اعتراض جڑ دیا۔

سجدہ ریز:۔ فرق از سجدہ مالا مال ارادت بر زمین سرافگندگی سجدہ ریز ساختہ

(پنج رقعہ ارادت خان صفحہ ۱۵۱)

سجدہ ریزی۔ ~

اول اوس در پہ سجدہ ریزی کر تا ملے مفت جاہ کیوانی

(کلیات مومن صفحہ ۴۳)

"سجدہ ریزی ہائے خامۂ تسلیم سرشت بھولے جناب معنی آرائیست
کہ مضامین بے نیازی از معمائے کیفیت خیالش ناکشودہ روشن است"

(رقعات بیدل صفحہ ۱۳)

اعتراض (۶)۔ اس فقرہ مین فعل کا حذف ناجائز ہے۔

اعتراض (۷)۔ کو کے ساتھ کرتا ہے بھی مہمل ہے۔

جواب ۶ و ۷۔ مین حذف فعل کی کچھ مثالین دیتا ہون اور یہ بھی عرض کئے دیتا ہون کہ اسے اکتفا بالاولی کہتے ہین۔

فعل کا حذف۔ جناب طباطبائی غالب کے اس شعر کی شرح مین فرماتے ہین

نہ گل نغمہ ہون نہ پردۂ ساز مین ہون اپنے شکست کی آواز

یعنی نشاط و طرب سے مجھے کچھ تعلق نہین مین سراپا درد ہون اور اپنی ہی مصیبت مین۔" (شرح طباطبائی صفحہ ۷۱)

مین کے بعد ہون حذف کر دیا گیا۔

از رقعہ غالب۔ "جب ڈاڑھی مونچھ مین بال سفید آگئے، تیسرے دن

چیونٹی کے انڈے گالون پر نظر آنے لگے۔ اِس سے بڑھ کر یہ ہوا کہ آگے کے دو دانت ٹوٹ گئے۔ ناچار مسی بھی چھوڑ دی اور داڑھی بھی"۔

(یادگار غالب صفحہ ۱۶۱)

چھوڑ دی محذوف ہے یعنی بڑھا دی۔

کو کے ساتھ تعلیم کرنا:۔

"غرضکہ شاہ غریب مرحوم نے اِس اکلوتے بیٹے کو نازو نعمت سے پالا تھا۔ اور اُستاد و ادیب نوکر رکھکر تعلیم کیا تھا"۔

(آب حیات آزاد دہلوی صفحہ ۴۰۲)

کی مجھ کو ہاتھ ملنے کی تعلیم ورنہ کیون غیرون کے آگے بزم مین عطر مل گیا

(کلیات مومن صفحہ ۵۲)

اعتراض (۸)۔ فکر آسمان سیر۔ میرا فقرہ یہ تھا " بیدل کی فکر آسمان سیر ہے"۔ اُسپر یہ ارشاد ہوا۔ عبارت اعتراض:۔

" دیکھیے پھر بوے جہالت آئی۔ آسمان سیر ایک رکیک ترکیب ہے۔ پڑھے لکھے آدمی ' آسمان سیر ' کہتے ہین۔ آپ نے شاید چوک مین جو ' فلک سیر ' بکتی ہے اُسپر قیاس فرمایا۔ ایسے قیاسات سے اُردو کی مٹی خراب نہ کیجیے جہان ہوگا۔ ہمپر نہین۔ اسلیے کہ ہم نے ایسا زمانہ پایا تھا کہ اُردو ایک لطیف زبان سمجھی جاتی تھی۔ آیندہ نسلون پر احسان کیجیے"۔

جواب:۔ مین کیا میری نظر کیا۔ مگر جہان تک مین نے دیکھا ہے پڑھے لکھے آسمان سیر اور آسمان سیر بے تکلف لکھتے ہین۔ اور اتنا ہی نہین فلک سیر کہتے بھی

نہین جھجکتے۔ اور کہنے والے بھی وہ جن کو جناب طباطبائی بھی کلمہ خیر سے یاد کرتے ہین اگرچہ ادب سے یاد نہ کرین۔ چنانچہ فرماتے ہین۔

"میر انیس کی زبان موج کوثر ہے"۔ شرح طباطبائی (۳۲۸ صفحہ)

کمیت فلک سیر: "رفرف کا ہمنسب تھا کمیت فلک سیر"۔

بند ۸ مرثیہ مرزا اوج علیہ الرحمہ جانشین دبیر اعلی اللہ مقامہ۔

مطلع "کس کام کی زبان جو صمد آشنا نہو"۔ (از معراج الکلام)

اسپ فلک سیر: بیت

غیرتِ سیفِ و رشکِ ملک و حور ہین آج
طور تو اسپ فلک سیر ہے اور نور ہین آج

بند ۹۔ مطلع "غل ہے اعدا ہین کہ زینب کے پسر آتے ہین"۔

(صفحہ ۵۵۔ جلد سوم میر انیس علیہ الرحمہ)

"طور تھا اسپ فلک سیر تو وہ شعلہ طور"۔

بند ۴۶۔ مطلع۔ "مومنو مرنے کو ہمشکل نبی جاتا ہے"۔

(صفحہ ۱۰۹۔ جلد سوم۔ انیس)

"پیدل تھے ملک اسپ فلک سیر کے ہمراہ"

بند ۳۰۔ مطلع جب رو چکے حضرت علی اکبر سے لپٹ کر۔

(صفحہ ۱۹۵۔ جلد سوم۔ انیس)

شبدیز فلک سیر: "شبدیز فلک سیر سے اترا وہ نکوکار"۔

بند ۲۲۔ مطلع۔ جب باغ حسینی پہ خزان آگئی رن مین۔

(صفحہ ۱۱۳۔ جلد چہارم۔ انیس)

رخشِ فلک سیر:-

پہونچے اُس رخشِ فلک سیر زمین پیما کو ... نہ منجم کا خیال اور نہ مہندس کا قیاس

(دیوان ذوق صفحہ ۱۰۱ - مطبع نامی لکھنؤ)

آہ آسمان سیر:- "ہر چہ از برشتگی جگر دافسردگی طبع و بالا دویِ آہ آسمان سیر
- - - - - - - - - - - - - من نوشتہ بودید"

(ثمرات البدائع مرزا قتیل صفحہ ۱۳۶)

مُزدِ آہِ آسمان سیر مرا ضایع مکن ... آخر این سرو بلند از باغ جان برخاستہ است

(ثمرات البدائع مرزا قتیل ۱۳۰)

عقل فلک پیما و عرش سیر:- " داحجوبہ نغز و معماے عقل فلک پیما عرش سیر
فلاطون فطنتان روزگار بادراک کنہش سر بآستان اعتراف عجز می ساز"

(ثمرات البدائع مرزا قتیل صفحہ ۴۰)

عقول آسمان سیر:- " تیزگامیست کہ ہنگام طے ابعاد گوے سبقت
از عقول آسمان سیر فلسفیان ربایدؔ"

(ثمرات البدائع مرزا قتیل صفحہ ۴۲)

جسے مرزا قتیل۔ سید انشا۔ اور سعادت یار خان رنگین کی رنگین صحبتوں کا علم ہے
وہ نہیں کہہ سکتا کہ قتیل اِس سے واقف نہ تھے کہ فلک سیر جو چوک میں بکتی ہے
اُسکے معنے کیا ہیں۔ پھر بھی احتیاط نہ کرنا ظاہر کرتا ہے کہ وہ فاضل معترض کیطرح دقیقہ رسی
سے بہرہ یاب نہ تھے ورنہ ایسی رکیک ترکیب سے احتراز کرتے۔ سب سے زیادہ حیرت انگیز
امر یہ ہے کہ میر انیس مرحوم نے بھی (جن کی زبان کو حضرت طباطبائی بھی موج کوثر کہتے ہیں)

فلک سیر کی بھرمار کرنے مین کچھ تامل نہ فرمایا۔

اعتراض (۹) جذبات۔

مین نے لکھا تھا کہ مرزا کے "خیالات وجذبات" اِس پر اعتراضون کی توپون سے وہ آتشباری ہوئی کہ پناہ بخدا۔ مجھے مرزا داغ علیہ الرحمہ کا یہ شعر بیساختہ یاد آگیا۔

غضب آیا، ستم ٹوٹا، قیامت ہوگئی برپا — یہ پوچھا تھا کہ تم مجھسے خفا ہے میری جان کسی ہو

خلاصہ عبارت اعتراض:۔

آجکل جو یہ ایک بیہودہ سا لفظ لوگون کی زبان پر چڑھ گیا ہے اسکے کیا معنی ہین۔ کیا مصرین جو سیکالوجی کی کتابین ترجمہ ہوئی ہین اُن مین جذبات کا استعمال ایسے محل پر ہوا ہے بھلا وہ لوگ زبان کی حفاظت کیخدمت انجام دینے کے اہل ہوسکتے ہین جو ہر ایک شخص کی زبان سے ایک لفظ سنتے ہی بغیر غور وفکر استعمال کرنے لگتے ہین۔ کورانہ تقلید کے سر پر سینگ نہین ہوتے تقلید کورانہ کے مرتکب محقق یا صاحب نظر نہین کہلاتے۔"

جواب:۔ جذبات کا لفظ غلط نہین اور غلط بھی ہو تو غلط عام ہے غلط عوام نہین اب ہی یہ بات کہ اسکی جمع جذبات کیونکر بن گئی۔ لے برنبائے شہرت عام لکھنؤ کے سرمایۂ ناز مولانا مرزا محمد ہادی صاحب مرزا و رسوا بی۔ ایچ۔ ڈی پروفیسر سابق عربی وفارسی کرسچین کالج لکھنؤ ورکن رکین دارالترجمہ حیدرآباد دکن مصنف اُمراؤجان ادا۔ شریف زادہ مثنوی اُمید وبیم۔ مرقع لیلےٰ مجنون۔ خونی شہزادہ۔ خونی مصور وغیرہ خوب سمجھا سکینگے جناب موصوف کرمی شیخ ممتاز حسین صاحب عثمانی ایڈیٹر اودھ پنچ کے اُستاد، جناب طباطبائی کے عنایت فرما اور حریف ہین۔ یہ بھی مشہور ہے کہ جہانتک ترجمہ کا تعلق ہے

آج ہندوستان مین کوئی اُن کا جواب دینے والا نہین اور علوم عقلیہ ونقلیہ کے جاننے والے
اعتراف کرتے ہین کہ وہ انگریزی، فارسی، عربی اور اُردو پر یکسان قدرت رکھتے ہین
اِسی شہرت کی بنا پر میرے نزدیک نہ آپ پوچھین نہ مین بتاؤن، حضرت طباطبائی
مرزا صاحب سے حیدرآباد ہی مین پوچھ لین۔ سیکالوجی کا علم ہو یا مصر کے ترجمے
یہ سب مرزا رسوا کی ہمہ دانی کا دم بھرتے ہین۔ اگر فاضل معترض مرزا رسوا کو بھی جاہل
سمجھنے کی جرارت کر سکتا ہے تو "انا للہ وانا الیہ راجعون۔ رضا بقضائہ وتسلیماً لامرہٖ"
ہان ایک بات رہ گئی۔ اگر کوئی بات مرزا سے پوچھنے مین مانع ہو تو حکیم قاآنی سے
پوچھ لیجیے اور کیون پوچھ لیجیے اِسکا سبب اسی اعتراض کے جواب سے ظاہر ہو جائیگا
اب مین کچھ مثالین دیتا ہون کہ معترض نقاد اور ہندوستانیون کا تو کیا ذکر، نہ دلی
کے مصنفون کو جاہل بناتے جھجکا، نہ لکھنؤ کے شاعرون اور انشا پردازون کو۔ اور یہ
اعتراض نہین ایک حمام ہے جہان سب ننگے نظر آتے ہین۔

لفظ جذبات کی مثالین اتنی ہین کہ اُن کے لکھنے کے لیے انسائیکلوپیڈیا کی سی
جلدین کافی ہو سکتی ہین۔ مین چند مثالون پر اکتفا کرتا ہون۔

قلمِ جذبات کی وسعت ملاحظہ ہو۔

"وہ شخص جونے مجھے گود مین لیے تھا میرے عہد طفلی کے جذبات کو سمجھ گیا۔"

(یوسف و نجمہ۔ صفحہ ۳۔ مولوی عبد الحلیم صاحب شررؔ)

شمس العلما مولوی شبلی نعمانی نے شعر العجم جلد اول کے ابتدائی بارہ صفحون مین اسے
بیس جگہ لکھا۔ اور اگر شعر العجم کی سب جلدون اور حضرت شبلی کی کل ادبی اور علمی تصنیفون
مین دیکھا جائے تو خدا جانے کتنے بار یہ لفظ اُنکے قلم سے نکلا ہوگا۔ (شعر العجم شبلی جلد اوّل و چہارم صفحہ ۱۲۰)

مدیر معارف (اعظم گڈھ) نے تقریظ گلکدہ مین یہ لفظ پانچ بار لکھا

(گلکدۂ عزیز)

مدیر مخزن نے ساڑھے چار سطرین گلکدہ کی تقریظ مین لکھین اور یہ لفظ دو مرتبہ لکھا

(گلکدۂ عزیز)

مولوی عبدالماجد صاحب بی۔ اے دریابادی مترجم سابق دارالترجمہ حیدرآباد دکن نے اپنی ایک کتاب کا نام فلسفۂ جذبات رکھا جو علم نفس پر ہے۔ اور کون بتائے کہ یہ لفظ کتنے مرتبہ لکھا۔

لسان العصر اکبر الہ آبادی مرحوم نے گلکدۂ عزیز کی تقریظ مین پانچ صفحے لکھے اور پانچ ہی بار یہ لفظ لکھا۔ مین صرف وہ فقرہ لکھے دیتا ہون جس مین جذبات فارسی اضافت کے ساتھ لکھا ہے۔

"انھین جذباتِ مسرت والم کے اظہار کی مزاولت سے انسان شاعر ہو جاتا ہے۔" (گلکدہ)

"پھر وہ اپنی جوانی کا زمانہ یاد کرتا تھا، اپنا سرخ و سفید چہرہ، سڈول بھرا بدن، نیلی آنکھین، موتی کی لڑی سے دانت، اُمنگ مین بھرا ہوا دل جذباتِ انسانی کے جوشون کی خوشی اُسے یاد آتی تھی۔"

(سرخی مضمون "گزرا ہوا زمانہ" از سرسید احمد خان دہلوی مرحوم ایل ایل ڈی)

"انگریز اپنی اولاد کو کشادہ پیشانی سے پالتے ہین اور اُن کو خوش رکھتے ہین اور اُن کے جذبات کی شگفتگی کے کھیل کھلاتے ہین۔"

(از معاشرت انگریزی شمس العلما مولوی ذکاءاللہ دہلوی مغفور)

"جس بات کا سچا ولولہ دل مین اُٹھے خواہ اُسکا منشا خوشی ہو یا غم حسرت یا ندامت یا اور کوئی جذبہ جذبات انسانی مین ہے"

(مقدمہ شعر و شاعری شمس العلما حالی مغفور)

" انگھڑپان - یہ لفظ جذبات محبت سے خاص وابستگی رکھتا ہے"

مضمون "متروکات مین غلط فہمی" از مجی سید انور حسین صاحب آرزو لکھنوی

("پیام یار" لکھنؤ - ماہ اگست ۱۹۱۰ء)

" انسان کے خیالات مین نت نئے تغیرات پیدا ہو جاتے ہین اس سے طرح طرح کی وجدانی کیفیتین اور جذبات ظہور پذیر ہو کے جذب یا ہرب کے لیے تحریک ہوتی ہے"

(خونی شہزادہ - مرزا رسوا لکھنوی مرزا محمد ہادی صاحب پی - ایچ - ڈی)

" یہ بھی ممکن ہے کہ پہلے ہی سے عشق نے تاثیر کرنی شروع کی ہو مگر ذکی اُس سے واقف نہو کیونکہ اکثر جذبات آدمی کے دل مین پیدا ہو جاتے ہین اور وہ اُن سے مدت تک بے خبر رہتا ہے"

(افشائے راز - صفحہ ۳۰ - مرزا محمد ہادی صاحب مرزا رسوا لکھنوی)

اب نظم کی مثالین ملاحظہ ہون - باضافت فارسی :-

نکالا قدرتِ جذباتِ حسن و عشق نے مکر   مہ کنعان کو اپنے گھر سے اور لیلی کو محمل سے

(از کاظم حسین صاحب محشر لکھنوی)

خدا محفوظ رکھے عشق کے جذباتِ کامل سے   زمین گردون سے ٹکرائی جہان دل ملگیا دل سے

(جناب مرزا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی)

عشق ہے اِک مؤثرِ حرکات عشق ہے اِک محرکِ جذبات

(لسان القوم جناب صفی لکھنوی)

یہ تو فرمایئے کہ حکیم قاآنی اور حکیم مومن خان دہلوی کے شعر میں جذبہ کن معنوں پر آیا ہے؟

گاہ چو کرم پیلہ کنی طیلسان بسر گاہ زروے حیلہ کنی پیرہن قبا

یعنی بجذبہ ایم نہ شوریدہ از جنون یعنی بخلعہ ایم نہ پیچیدہ در ردا

(کلیات حکیم قاآنی ۔ مطلع قصیدہ :۔ دوشم ندا رسید ز درگاہ کبریا)

جھڑتے ہیں جذبۂ قلق سے شرار ہے نفس سنگ و سنگ آتش بار

(کلیات مومن صفحہ ۲۰۴)

ملا جامی علیہ الرحمہ لوائح جامی میں ارشاد فرماتے ہیں :۔

"مادام کہ آدمی در دام ہوا و ہوس گرفتار است دوام این نسبت از وے دشوار است اما چون آثار جذبات لطف در وے ظہور کند و شغل محسوسات و معقولات را از باطن وے دور افگند۔"

(لائحہ یازدہم ۔ لوائح جامی ۔ صفحہ ۹ سطر ۱۲)

(مطبع نولکشور لکھنؤ)

اعتراض (۱۰) جذبہ کشش کے معنی میں بھی مستعمل نہیں ہے۔

جواب :۔ یہ لفظ اسی معنی میں ایک نہیں ہزار جگہ آیا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں :۔

جسم خاکی ہو گیا داخل گڑھے میں گور کے کھنچ گئی آخر یہ کشتی جذبۂ گرداب سے

(دیوان دوم خواجہ آتش علیہ الرحمہ صفحہ ۱۰۰)

برمین عدو کے سوے بغل سے مری اُٹھے　　وہ کیا کہ سب کو جذبہ دل سے عجب ہوا

(کلیات مومن علیہ الرحمہ ۱۱)

(غالب)

مین بُلاتا تو ہون اُس کو مگر اے جذبہ دل　　اُس پہ بنجاے کچھ ایسی کہ بن آئے نہ بنے

(شرح طبا طبائی کے صفحہ ۲۱۲ مین درج ہے)

الٰہی جذبہ دل کی مگر تاثیر اُلٹی ہے　　کہ جتنا کھینچتا ہون اور کھنچتا جاے ہے مجھسے

(شرح طبا طبائی کے صفحہ ۲۲۱ مین درج ہے)

جذبہ بے اختیار شوق دیکھا چاہیے　　سینہ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا

(شرح طبا طبائی کے صفحہ ۲ مین درج ہے)

جناب طبا طبائی آخری شعر کی شرح مین لکھتے ہین:-

"میرے اشتیاق قتل مین ایسا جذب و کشش ہے کہ تلوار کے سینے سے اُسکا دم باہر کھنچ آیا"

(حکیم سنائی)

بردہ چو یوسف بچہ در رفتہ باز　　تا فلک از جذبہ حبل المتین

ہے یون کہ زندہ زبانون مین نئے الفاظ داخل ہوتے رہتے ہین یہ کچھ ضرور نہین کہ جس لفظ کی سند سودا و میر و درد کے یہان نہ ملے وہ زبان کا لفظ ہی نہ سمجھا جائے۔

اعتراض (۱۱) :- مین نے لکھا تھا "ہر شخص مرزا کے کلام سے بقدر فہم لذت یاب ہوتا ہے چنانچہ اس طرف اشارہ بھی کیا گیا ہے ۔ غالب

دل حسرت زدہ تھا مائدہ لذت درد ... کام یارونکا بقدر لب و دندان نکلا

اس پر ارشاد ہوا ہے

"غالباً آپ کا مقصود یہ ہے کہ 'یارون' سے اغیار مراد ہین۔ کوئی ہونٹ چاٹ کر رہ جاتا ہے کوئی ایک آدھ داڑھ گرم کر لیتا ہے۔ حالانکہ دلی کے محاورہ مین یارون کا لفظ نفس متکلم پر دلالت کرتا ہے۔ چنانچہ اس شعر کی شرح مین ؎

خوا پر نہ ہوا میر کا انداز نصیب ... ذوق یارون نے بہت زور غزل مین مارا

یہ بات مشہور ہے کہ ذوق نے یارون سے اپنی ذات مراد لی ہے یعنی مین نے بہت زور مارا ۔"

جواب :- دلی ہی نہین لکھنو مین بھی 'یارون' کا لفظ نفس متکلم پر دلالت کرتا ہے۔ یہ مثل سب کی زبان پر آتی "آنکھ بچی اور مال یارون کا"

اغیار و احباب کے معنے کی مثال ؎

نہ فرصت ہے نہ راحت ہے غزل اے داغ لکھنے کو ... مگر کیا کیجیے مجبور جو ارشاد یارون کا

(گلزار داغ صفحہ ۴۲ مطبع تیغ بہادر)

اور سب سے زیادہ پُرلطف جواب یہ ہے کہ جناب طباطبائی با لقابہ بھی اس شعر کی شرح مین 'یارون' کا سے وہی سمجھے ہین جو یہ ناچیز سمجھا ہے۔

" یعنی جس مین جتنی قابلیت تھی اُس نے اُسی قدر لذت درد کو حاصل کیا

ورنہ یہاں درد کی کچھ کمی نہ تھی۔" (شرح طباطبائی صفحہ)

اعتراض نمبر (۱۲) تماشا کرنا ۔ دیکھنا (خلاصہ عبارت اعتراض)

" غالب مرحوم کا یہ مصرعہ اہل زبان نے کبھی پسند نہیں کیا ع

حیرانیٔ نگاہ تماشا کرے کوئی

تماشا بازیگر کرتے ہیں۔"

جواب :۔ فاضل معترض بھولتا ہے یہ مصرع غالب کا نہیں مولانا مرزا محمد ہادی صاحب رسوا مرزا لکھنوی کا ہے۔

(رسوا)

حیرانیٔ نگاہ تماشا کرے کوئی صورت وہ سامنے ہے کہ دیکھا کرے کوئی

(خونی شہزادہ ۔ صفحہ ۲۲)

خانہ ویران سازیٔ وحشت تماشا دہ کرین کیا مبارک ہین مرے سامان بربادی مجھے

(گلکدۂ عزیز صفحہ ۹۰)

مرزا غالب کا شعر یون ہے ؎

نا دیٔ نگاہ ہے برق نظارہ سوز تو وہ نہین کہ تجھکو تماشا کرے کوئی

اب حضور کا یہ ارشاد کہ اہل زبان نے میرزا کا یہ مصرعہ کبھی پسند نہین کیا، مجھ ناچیز کی سمجھ مین نہین آتا آپکے نزدیک لکھنؤ کے مشہور شعرا تو ضرور اہل زبان ہونگے ان کے طرز عمل پر نظر فرمایئے ۔ پسند کرنا کیسا اُن کو یہ اتنا محبوب ہوا کہ خود وہی کہنے لگے ۔ میرا خیال ہے کہ مرزا رسوا کی پسند تو آپکے نزدیک بھی کوئی معمولی پسند نہ ہوگی، اور اگر اہل زبان سے غریب دلی والے مراد ہین جن پر جناب طباطبائی نے اپنی شرح مین

لکھنؤ والون کی تقلید واجب قرار دی ہے تو جناب نے کسی کا قول پیش نہین کیا جس پر نظر کی جائے۔ مجھے خوب معلوم ہے کہ یہ لفظ اسی معنی مین میر سے اُستاد کے یہان نظم ہوئے

اعتراض (۱۳) داد کو پہونچنا۔

میری عبارت یہ تھی "پھر مرزا کی بلند پروازیون کی داد کو پہونچنا اِن کے بس کی بات کہان اس پر وہ آتش افشانی ہوئی کہ دید کے قابل ہے۔

عبارت اعتراض:۔

"داد کو پہونچنا شاید دادرسی کا ترجمہ ہے۔ اُردو کا محاورہ داد دینا ہے فارسی مین داد کے معنی عدل و انصاف ہین اور جتنے ملحقات اس لفظ کے ساتھ ہین سب کے مطالب کسی نہ کسی طرح انصاف و عدل کی طرف منجر ہوتے ہین مثلاً دادگستر، دادگر، دادآور، دادآفریہ، دادآفرین داددہ، دادستان، دادفرمائے وغیرہ۔ افسوس اسوقت اردو عجب آفت مین مبتلا ہے اگر اس آفت سے بچی تو گویا اللہ کے گھر سے پھری مگر نہین، بچنے کی اُمید بیکار ہے۔ اس قسم کے ترجمے سے اُردو لغت مین کوئی زیادتی یا فصاحت مین کوئی ترقی ممکن نہین البتہ مہملیت دن دونی رات چوگنی بڑھتی جاتی ہے۔"

جواب:۔ جو سب نے سُن لیا۔ کیا غضب ہے کہ سرکار نے کلام اساتذہ پر کبھی غلط انداز نظر بھی نہ ڈالی اسپر دعوون کی بلند آہنگی کا یہ عالم ہے۔ مقام عبرت ہے آپ فرماتے ہین کہ شاید دادرسی کا ترجمہ ہے۔ بیشک ایسا ہی ہے۔ مگر یہ ترجمہ بیخود ناشاد نے نہین کیا۔ مرزا رفیع سودا کے کلام کو دیکھیے تو یہ ترجمہ آپ کو

وہان بھی نظر آئے یہ محاورۂ مضمون پر آمادہ ہے اور اُردو معنے کا ٹکسالی محاورہ ہے۔

داد پانا۔ فریاد کو پہونچنا۔

پہونچنے اس چمن مین کبھی داد کو نہ ہم — جون گل یہ چاک جیب سلایا نہ جائیگا

(کلیات سودا صفحہ ۱۹۲)

گل داد عندلیب کو پہونچا تو کیا ہوا — فریاد کو مری ہے پہونچنا ترا عجب

(کلیات سودا صفحہ ۲۰۹)

کب تری داد کو پہونچے ہے فلک اے بلبل — زخم گل کو جو سکھے بخیہ و مرہم درد

(کلیات سودا صفحہ ۲۲۲)

ایک دن مین جو ناگہان پہونچا — داد کو میری آسمان پہونچا

(امیر حسن دہلوی)

سمجھو تو کوئی داد کو پہونچو — عاشق کی فریاد کو پہونچو

(میر تقی میر)

اعتراض (۱۴۲) زچہ تارے دکھتی ہے

میری عبارت یہ تھی کہ "کتابین یون دیکھی جاتی ہین جس طرح زچہ تارے دکھتی ہے"

عبارت اعتراض:۔

سُبحان اللہ کتاب دیکھنے کی تشبیہ اس سے بہتر ملنی مشکل ہے۔ زچہ کی گود مین بچہ طالب علم کی بغل مین کتاب۔ زچہ نے لمحہ بھر تارے دیکھے اور طالبعلم نے چند دقیقہ مطالعہ کیا۔ وہ اللہ اللہ بھائی کے کہتی ہوئی پردہ مین داخل ہوئی یہ صیغہ گردانتے مکتب پہونچا، وہ بامراد رہی یہ نامراد رہا۔ یہ معلوم نہین

کر جننے اور کو تھنے کی تکلیف زچہ کی طرح طالب علم نے اُٹھائی یا نہین:

جواب:- اِس مین شک نہین کہ یہ عبارت دلکش ہے اگرچہ اعتراض یہ بھی ویسا ہی ہے جیسے اور سب مین صرف وجہ شبہ عرض کردون۔ وہ یہ کہ سمجھ کر نہ دیکھنا صرف رسم ادا کر دینا، اگر جناب کی موشگافیان معیار قرار دی جائین تو مرد شجاع اور شیر کی نہایت مشہور اور پُرانی تشبیہ بھی غلط ہو جائے۔ اسلیے کہ شیر مین شجاعت ہے مگر ڈھال تلوار نہین باندھتا۔ مین حضرت آزاد کی ایک ایسی ہی عبارت نقل کیے دیتا ہون۔

"آجکل کے لوگ پڑھتے بھی ہین تو اس طرح صفحون سے عبور کر جاتے ہین گویا بکریان ہین کہ باغ مین گھس گئی ہین جہان منہ پڑگیا ایک بکٹا بھی بھر لیا باقی کچھ خبر نہین" (آب حیات صفحہ ۴۲)

آزاد خوش نصیب تھے کہ اُن سے کسی نے ایسے سوال نہین کیے جو میری قسمت مین تھے۔ مین معترض علام کی تسکین کے لیے جناب طباطبائی کی شرح کا ایک مقام نقل کرتا ہون شاید اُسے یاد آجائے کہ ہر تشبیہ تام نہین ہوتی ؎

نہ پوچھ وسعت میخانۂ جنون غالب جہان یہ کاسۂ گردون ہے ایک خاک انداز

جناب طباطبائی فرماتے ہین۔

"خاک انداز وہ آلہ ہے جس سے مٹی کھود کھود کر پھینکین لیکن یہان یہ وصف مقصود نہین ہے بلکہ آلۂ خاک انداز کا مقعر ہونا وجہ شبہ ہے اور اُسکا فقط خاک سے بھرا ہونا مقصود ہے" (شرح طباطبائی صفحہ ۶۰ و ۶۰)

آگے بڑھنے سے پہلے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے آجکل کے پڑھنے والون سے

معذرت کرون ۔ مین نے اُنکے مطالعہ کے متعلق یہ لکھ دیا تھا کہ کتابین یون دیکھی جاتی ہین جس طرح زچہ تارے دیکھتی ہے مگر اودھ پنچ کے یہ پرچے دیکھنے سے مجھے عبرت ہوئی اور معلوم ہوا کہ صرف آج کل کے طلبا ہی نہین بلکہ وہ لوگ بھی اسی طرح کتابین دیکھتے ہین جن کا دعوے یہ ہے

" ہم نے ایسا زمانہ پایا تھا کہ اُردو ایک لطیف زبان سمجھی جاتی تھی "

(اودھ پنچ ۲۲ اپریل ۱۹۲۵ء صفحہ ۴ کالم ۳)

مین جانتا ہون کہ ان الفاظ (جلنے اور کوتھنے) سے زندہ دل معترض کو صرف زندہ دلی کا اظہار مقصود تھا، اور مین ان کے متعلق کچھ نہ لکھتا اگر معترض صاحب نے اعتراض کا نمبر دے دیا تھا۔ مجھے بھی کچھ کہنا ہی پڑا۔

اعتراض (۱۵) ہیبت آفرینی، معجز آرائی، کافر ماجرائی وغیرہ

خلاصہ اعتراض :۔ " یہ ترکیبین نہین چل پائیان ہین "

جواب :۔ ترکیب کا میدان نہایت وسیع ہے اور اسکی وسعت کا اندازہ کرنا ہو تو خاقانی، قاآنی، نظیری، عرفی، ظہوری، شوکت، جلال، اسیر، غالب اور مومن وغیرہ کے کلام پر نظر کر لی جائے مین دو چار مثالین دیکر آگے بڑھتا ہون۔

رشک فغان کی ہائے رقیب آفرینیان

رقیب آفرینی — محشر نے خفتگان لحد کو جگا دیا (کلیات مومن صفحہ ۹)

سجدہٗ ارم آفرین ۔ نسیم جہان آباد دلش اگر بہ بہار چشمہ چمن می گزشت

قشقہ ہندوے سوسن بداغ سجدہٗ ارم آفرین بدل می گشت "

(جلوہ سیہ ظفرا (رسائل طغرا) صفحہ ۱۳۲ و ۱۳۳)

نزاکت آفرینی :- " برق در نزاکت آفرینی برق است "

(صبح گلشن صفحہ ۵، تذکرہ شعرائے فارسی)

نفس مرگ آرا

منت بازیچۂ عیسے مکش بہر حیات
ارزش مُردن بپرس از نفس مرگ آرائے من

(قصائد عرفی صفحہ ۲۶)

قیامت آرا

تنگیٔ عشق وحشت افزا تھی
تپش دل قیامت آرا تھی

(کلیات مومن صفحہ ۲۰۹)

کافر ماجرائی

ادا ہو احتساب پارسائی
بنے دیندار کافر ماجرائی

(کلیات مومن صفحہ ۳۱۲)

دو ترکیبیں اور ملاحظہ ہوں :-

خاطر نگہدار درویش

کہ خاطر نگہدار درویش باش
نہ در بند آسائش خویش باش

(بوستان بلبل شیراز علیہ الرحمہ)

خون دل آشامی

با کادِ کاوِ غمزۂ نظیری اثر نماند
فارغ نشین کہ خون دل آشامی تو رفت

(دیوان نظیری صفحہ ۵)

اعتراض (۱۶) شیکسپیر پہ ستان ہندی نژاد

خلاصہ عبارت اعتراض :- " سامنے سیدھا سادہ اُردو لفظ موجود ہے مگر ادیدا کے انگریزی چہار یا عربی فارسی پتھر کھینچ مارتے ہیں ایسی حالت میں اُردو ٹاٹ انگیا مونج کی بخیہ ہوئی جاتی ہے الخ "

جواب :- غالباً ٹاٹ کی انگیا مونج کی بخیہ سہو کاتب سے لکھ گیا یا خدانخواستہ د. ہ بالغرض قلم ہے اسلئے کہ اس مثل کا مفہوم یہ ہے کہ جیسی معمولی چیز ہو ویسی ہی اُس کا

معمولی سامان ہونا چاہئے آپ نے اِسے بے جوڑ (اَن مل) کی جگہ پر لکھدیا ہے۔ بہر حال مجھے اصل اعتراض کے جواب سے بحث رکھنی چاہئے۔

بندہ نواز میں نے جہان تک اُردو پر نظر کی ہے مجھے تو یہ معلوم ہوا ہے کہ جس طرح اِس زبان مین فارسی عربی کے پُر شوکت الفاظ کلام کے دبدبہ کو بڑھا دیتے ہین اُسی طرح ہندی کے نازک اور سیدھے سادے الفاظ مزہ پیدا کر دیتے ہین۔ آپ خود اپنے مضمون کی قسط اوّل مین فرماتے ہین۔

"معجزہ آراست۔ سجدہ ریخت فارسی والون نے بھی نہین کہا خواہ وہ ہندی نژاد ہون یا ایرانی"۔

دیکھئے سیدھا سادہ جملہ یون ہو سکتا تھا کہ "خواہ وہ ہندی ہون یا ایرانی" مگر میری طرح آپ کے قلم سے بھی ہندی کے ساتھ نژاد نکل ہی گیا۔

"اسی پرچہ مین آپ فرماتے ہین کہ داد کے جتنے ملحقات ہین سب کے معنے کسی نہ کسی طرح انصاف وعدل کی طرف منجر ہوتے ہین"۔

۶ مئی کے پرچہ مین جناب نے لکھا ہے "ابوالفضل بھی اسی راہ کا سالک تھا" سیدھا سا جملہ یون ہو سکتا تھا کہ ابوالفضل کا بھی یہی انداز یا طرز تھا۔

اور یہ آپ ہی پر موقوف نہین اردو کی شان ہی یہی ہے اب مین اُن لوگون کے کلام سے کچھ مثالین دینا چاہتا ہون جو قلمرو زبان اُردو ہی مین کوس اناولاغیری بجا گئے قمرِ منخسف:-

ہے بے جون قمرِ منخسف سدا بے نور ۔۔۔ سیاہ بختون کے بالین قبر کی قندیل

(دیوان ذوق صفحہ ۲۵)

مالک الرقاب " گردن جھکائے رہتا ہے وہ مالک الرقاب "

بند ۵۱ مطلع :- یارب کسی کا باغ تمنا خزاں نہو (جلد سوم میرانیس صفحہ ۱۰۱)

عزم بالجزم " "

عزم بالجزم تھے کیا فاطمہ کے پیاروں کے   چھوٹی سی تیغ سے دم بند تھے کفاروں کے

بند ۴۲ مطلع :- غل تھا اعدا میں کہ زینب کے پسر آتے ہیں (جلد سوم میرانیس صفحہ ۲۵)

لاریب فیہ مصحف ناطق " لاریب فیہ مصحف ناطق کے جائے ہیں "

بند ۳۲ مطلع :- رطب اللساں ہوں مدح شہ خاص و عام میں (جلد سوم میرانیس صفحہ ۱۵۲)

چرخ مقرنس " نزدیک تھا اہل کے گرے چرخ مقرنس "

بند ۴۸ مطلع :- جب رو چکے حضرت علی اکبر پسر کو (جلد سوم میرانیس صفحہ ۱۹۵)

خلع بدن "

کیا کیا عزیز خلع بدن ہائے کر گئے   تشریف یاں تمہیں تمہیں لانا ضرور تھا

(کلیات میر صفحہ ۳۰۶)

" پھر کجا تصور کجا لہو کی بوند دونوں میں کیا ہوں بعید ہے اور تباین طرفین سے تشبیہ میں حسن اور غرابت زیادہ ہوجاتی ہے " (شرح طباطبائی صفحہ ۱۰۰)

" جب وہ صاحب کمال عالم ارواح سے کشور اجسام کی طرف چلا تو فصاحت کے فرشتوں نے باغ قدس کے پھولوں سے تاج سجایا جس کی خوشبو شہرت عام بنکر جہان میں پھیلی اور رنگ نے بقائے دوام کی آنکھوں کو طراوت بخشی وہ تاج سر پر رکھا گیا تو آب حیات اس پر شبنم ہو کے برسا کہ شادابی کو کملاہٹ کا اثر نہ پہونچے " (آب حیات آزاد صفحہ ۲۵۲ [illegible])

" عام اور مبتذل تشبیہین جو اُردو گویون کے کلام مین متداول ہین مرزا جہان تک ہو سکتا ہے اُن تشبیہون کو استعمال نہین کرتے بلکہ تقریباً ہمیشہ نت نئی تشبیہین ابداع کرتے ہین" (یادگار غالب صفحہ ۱۳۳ از حالی مغفور)

اب مین حیران ہون کہ مین نے جو شیکسپیر پرستان ہندی نژاد لکھا تھا تو اُس مین کونسا لفظ تھا جو انگریزی یا عربی فارسی تھا کہا جا سکتا ہے۔ انگریزی تعلیم سے بہرہ ور ہونے والے ہندوستانی اب سے پہلے شیکسپیر پڑھتے ہوئے تھے اور آج بھی اُن کی شیفتگی کچھ زیادہ کم نہین ہوئی ہے مین نے اگر اُن کو شیکسپیر پرست کہا تو کیا گناہ کیا۔ اِس سے قطع نظر کر لینے پر بھی آج کونسا ایسا پڑھا لکھا ہے جو شیکسپیر کے نام سے واقف نہ ہو اور جسے یہ نہ معلوم ہو کہ انگریزی تعلیم پانیوالے شیکسپیر کی قدر بلکہ پرستش کرتے ہین مین اسم خاص کو کس لفظ سے بدلتا اور کیون بدلتا۔ پرست عام ہے۔ بت پرست، صنم پرست سے کون واقف نہین۔ نژاد ایسا لفظ تو نہین جس سے اتنی وحشت ہو

اعتراض (۱۷) زبان حال

مین نے لکھا تھا کہ اب وقت آگیا ہے کہ مرزا کے دیوان کی ایسی شرح لکھ دیجائے کہ دیوان بہ زبان حال پکار اُٹھے کہ حق شرح ادا ہو گیا۔ اُس پر یہ ارشاد ہوا۔

" اے حضرت دیوان کی دو زبانین ہین۔ ایک تو اپنی اُستادی کا ڈنکا بجاتی ہے اور دوسری الکن ہے لڑ لڑ کرتی ہے"

اعتراض یہ ہے کہ دیوان صرف زبان حال رکھتا ہے تو پھر زبان حال کہنے کی ضرورت کیا تھی۔

جواب :۔ کاش معترض نقاد نے کلام اساتذہ پر نظر ڈالی ہوتی۔ مین جوا

مین صرف اتنا ہی کہون گا کہ مجھ سراپا گناہ سے ارشاد ہوا ہے وہی تاجدار فصاحت میر انیسؒ سے فرما دیا جائے ؎ رباعی

دنیا سے انیس اب تو بیزاری کر | پیری سے مدن نار ہا زاری کر
ہے صبح اجل کوچ کی تیاری کر | کہتے ہین زبان حال سے موئے سپید

اعتراض (۱۸) سیاہ پوش

میرے اس فقرہ پر کہ یہی وہ شرح ہے جس کی بیگناہ کشی سے اشعار غالب سیاہ پوش نظر آتے ہین معزز نقاد کہتا ہے کہ

"خدا سمجھے پرسیمینوں سے یہ کسی حرف کا منہ کالا کئے بغیر چھوڑتے ہی نہین"

جواب :- یہ ایسی بات ہے کہ جسکا جواب یہی ہو سکتا ہے کہ خدا معترض علام کو جزائے خیر دے جس نے حسن تعلیل کی داد یون دی میرے نزدیک یہان اُسے صرف اظہار زندہ دلی مقصود تھا حقیقت مین اعتراض مقصود نہین ہے

اعتراض (۱۹) "حضرت چھُری پھرائی نہین جاتی پھیری جاتی ہے جس کسی پر اعتبار کیجئے اُس سے پوچھ لیجئے"

جواب :- جو بات نہ معلوم ہو اُس کا پوچھ لینا عیب نہین ۔ مگر ہیچمدان ناشاد اُن لوگون سے پوچھ چکا ہے جن کا اعتبار ساری دنیا کو ہے اور ہونا چاہیے جہان تک مین جانتا ہون چھُری یا خنجر سب پھیرے بھی جاتے ہین اور پھرائے بھی جاتے ہین

مین نام بزرگون کے بتایا کیا امان ۔ وہ حلق پہ خنجر کو پھرایا کیا امان

قول جناب امام حسینؑ (مرزا دبیرؒ ۔ مطلع مرثیہ ۔ جب اصغر بے شیر گئے نہر لبن کو)

"گردن پہ تو بھینا کے پھرایا نہین خنجر"

بند ۳۷ مطلع مرثیہ:۔ اے مومنو کیا صادق الاقرار تھے شبیر

(جلد چہارم میر انیس صفحہ ۳۲۹)

"اسکے عوض پھرا دے چھری میرے حلق پر"

بند ۱۱۰ مطلع مرثیہ:۔ رُودِ رخِ سخن فدائے حسین شہید ہے۔

(جلد سوم میر انیس صفحہ ۲۲۲)

یہان تک مین نے اُن اعتراضون کے متعلق کچھ لکھا جو مجھ پر کیے گئے تھے صرف ایک دعوی کی حقیقت دکھا دینا ہے" انشاء اللہ مضمون اُسی پر تمام ہوگا۔ اب یہان سے معترض علام نے صدر المحققین مرزا غالب پر کرم کیا ہے۔ اِسکا اجمالی جواب صرف اس خیال سے کہ معترض کی دلشکنی نہ ہو لکھتا ہون مفصل جواب میری شرح مین نظر آئیگا اللہ جانتا ہے کہ مین کسی سے الجھنا نہین چاہتا۔ جناب طبا طبائی نے جو اعتراض اُٹھانے کے قابل کیے ہین وہ مین اپنی بساط بھر اُٹھا چکا ہون، خدا نے چاہا تو میری شرح مین سب کا جواب شافی نظر آئیگا۔ جناب طبا طبائی کے اعتراضون کا جواب دینا اُردو زبان بولنے والون کے لیے واجب کفائی تھا۔ مین نے اِس واجب کو ادا کرنے کی سعی کی ہے اب یہ خدا جانے اور اہل انصاف کہ میری سعی مشکور ہوئی یا نہین۔

جس طرح اُردو کی بربادی پر معترض نقاد کا دل کڑھتا ہے اُسی طرح میرا بھی۔ کیا غضب ہے کہ مین سنگسار کیا جاتا ہون۔ مین معترض نہین مجیب ہون۔ عجب تماشا ہے کہ جس نے میرزا غالب ایسے یگانۂ دہر پر بائین ہمہ بیگناہی اتنے تیر مارے کہ کلیجا چھلنی کر دیا، لوگ اُسکے لیے سینہ سپر ہین، اور مین جو اُن تیرون کو نکالنا چاہتا ہون تو مجھ پر

پتھر برسائے جاتے ہین معترض نقاد کے انداز سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہ کہنا چاہتا ہے ؎

خدا کے واسطے اس کو نہ ٹوکو　　　یہی اک شہر مین قاتل رہا ہے

جناب طباطبائی کی شرح سے مین اسوقت صرف ایک نمونہ پیش کرتا ہون، اور میرا خیال یہ ہے کہ اُسکا جواب اسقدر عجیب کہ مجیب اپنی جسارت پر خود حیران ہوگا۔

جناب طباطبائی مرزا کے اس شعر کی شرح مین ؎

مرگیا صدمۂ یک جنبش لب سے غالب　　　ناتوانی سے حریف دم عیسےٰ نہ ہوا

فرماتے ہین۔ " اس شعر مین معنی کی نزاکت یہ ہے کہ شاعر حرکت لب عیسےٰ کو صدائے عیسیٰ کی حرکت سے مقدم سمجھا ہے۔ کہتا ہے کہ مین پہلے حرکتِ لب ہی کی اوجھڑ سے مرگیا اور حریف دم عیسی نہ ہوا" الخ

حرکت لب کی اوجھڑ، اور لب بھی کون، لب عیسی۔ کیا کہنا

کلام غالب پر معترض علام کے اعتراضات

تو نے سودا کے تئین قتل کیا کہتے ہین　　　یہ اگر سچ ہے تو ظالم اسے کیا کہتے ہین

ان اعتراضون کا جواب دینے سے پہلے یہ کہدینا ضروری ہے کہ دوسرے پرچے مین جہان معترض نے مرزا پر اعتراضات کئے ہین وہان لہجہ بہت نرم ہے اور مین اس رحم کا شکر گزار ہون، پہلے پرچہ مین شدت زیادہ تھی۔

اعتراض (۲۰-۱) " عربی محاورہ ہے "اصلاح ذات البین" چنانچہ قرآن (مجید) مین ہے " اصلحوا ذات بینکم" مرزا غالب اسے اصلاح بین الذین

لکھتے ہین:

جواب:- اسے مرزا کی غلطی سمجھنا کیا ضرور ہے، ممکن ہے کہ سہو کاتب ہو۔
صلاح بین الناتین مرزا کے رقعہ مین ہے جسکی نسبت مرزا نے شاید کہین نہین لکھا کہ
اسکا پروف میری نظر سے گزر چکا ہے۔ جناب طباطبائی تو مرزا کے اُس دیوان (اردو)
مین سہو کاتب کے قائل ہوے ہین جسکی نسبت وہ اپنی شرح مین زور دیکر فرماتے ہین کہ
اس دیوان کا پروف خود مرزا نے دیکھا ہے، چنانچہ مرزا کے دو شعرون کے متعلق یہ
ارشاد فرمایا ہے ؎

(۱) کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگن عشق ۔۔۔ ہے مکرر لب ساقی مین صلا میرے بعد
(۲) افسردگی نہین طرب انشائے التفات ۔۔۔ ہان درد بنکے دل مین مگر جا کرے کوئی

ارشاد طباطبائی (۱) اس شعر مین کاتب کی غلطی معلوم ہوتی یہان کی یا پہ
ہونا چاہیے" (شرح طباطبائی صفحہ ۵۳)

(۲) طرب انشا بہت انوکھی ترکیب ہے۔ غالب سے ایسی رکاکت بعید ہے۔
عجب نہین کہ اُنھون نے طرب افزائے التفات کہا ہو، بلکہ یقین ہے کہ
ایسا ہی ہوگا" شرح طباطبائی صفحہ ۲۴۳)

اور کچھ یہی دو مقام ایسے نہین جہان جناب شارح سہو کاتب کے قائل ہوئے ہون جس نے اُنکی
شرح غور سے دیکھی ہے وہ ایسے مقامات کا شمار بھی بتا سکتا ہے لیکن افسوس کے
قابل تو یہی امر ہے کہ جہان کوئی اصلاح دینا ہوئی سہو کاتب کے قائل ہوگئے۔ جہان اعتراض
کرنے کی لہر آگئی سہو کاتب کا خیال در یا برد ہو گیا۔ اِن اشعار مین جو صلاح تجویز ہوئی
ہے اُسپر اسوقت کچھ لکھنا ضرور نہین۔

بہرحال اگر فاضل معترض اور قابل شارح کو یہی اصرار ہے کہ نہین مرزا سے غلطی
ہوئی اور ضرور ہوئی تو چشم ما روشن دل ما شاد۔ ایسا ہی ہوگا۔ مرزا نہ فرشتہ تھے،
نہ امام، نہ نبی تھے نہ خدا، غلطی ہوئی ہوگئی۔

اعتراض (۲۱-۲) " تجدید عہد' محاورہ ہے مگر مرزا غالب (ص) فرماتے
ع کف افسوس ملنا عہد تجدید تمنا ہے۔ آخر اِس اضافت مقلوبی
سے کیا فائدہ الخ "

جواب۔ اعتراض کا جواب دینے سے پہلے یہ کہدینا ہے کہ جتنے اعتراض
معترض باخبر نے کئے اُن مین سب سے زیادہ مجھے یہی پسند آیا اسلیے کہ گویہ اعتراض صحیح
نہین مگر مجیب کو دماغ پر زور دینے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے ورنہ اور اعتراضون
کے جواب مین دفتر کے دفتر الٹ دینے اور بہت سا وقت عزیز معترض نقاد کی ضد
قربان کردینے کے سوا دھرا ہی کیا ہے اسلیے کہ اِس کہنے مین کیا رکھا ہے کہ ایسا میر نے
بھی کہا سودا نے بھی کہا، دبیر نے بھی کہا انیس نے بھی کہا۔

اب مین اپنی شرح کا ایک صفحہ نقل کئے دیتا ہون جس سے جناب طباطبائی کا
اعتراض اور اعتراض پیدا کرنے کی کوشش اور میرا جواب معلوم ہوجائے گا۔ غالب
نہ لائی شوخیٔ اندیشہ تاب رنج نومیدی کف افسوس ملنا عہد تجدید تمنا ہے

ارشاد طباطبائی رہ " یہان مصنف نے تفنن کلام کی راہ سے (تجدید عہد تمنا)
کے بدلے (عہد تجدید تمنا) کہا ہے گو محاورہ سے الگ ہے مگر معنی درست
ہین اور یہ بھی احتمال ہے کہ دھوکا کھایا جیسے (اصلاح ذات البین)
کے مقام پر صلاح بین الذاتین لکھ گئے۔ وہ فقرہ یہ ہے کہ " اگر

خدانخواستہ مجھ مین اور مولوی صاحب مین رنج پیدا ہوتا تو آپ بہت جلد صلاح بین اللناتین کی طرف متوجہ ہوتے "

بیخود: اس ناچیز کی سمجھ مین نہین آتا کہ جب معنے درست ہین تو اعتراض کرنے کی وجہ کیا ہے۔ اعتراض کی تائید کے لیے رقعہ غالب کی عبارت نقل کردیگئی۔ اِسکے معنی یہ ہین کہ شارح مرزا پر اعتراض کرنے کا کل سامان لیس کرکے بیٹھا ہے اور ذرا سا موقع ملجائے ترکش خالی کر دے، اس اہتمام سے ظاہر ہے کہ شارح مرزا سے کہان تک حسن ظن رکھتا ہے اور یہ بھی آئینہ ہوجاتا ہے کہ اُسے اعتراض آفرینی کے مقابلہ مین شرح کلام کی کچھ پروا نہین۔ اب مین اِن کا فرق بیان کرتا ہون۔

(عہد تجدید تمنا) اور (تجدید عہد تمنا) مین فرق ہے اور ایسا نازک کہ طباطبائی سا نقاد اُلجھتا ہے اور اعتراض جڑ دیتا ہے۔

تجدید عہد تمنا کا مطلب تو یہ ہے کہ ہم نے جو تمنا کرنیکا عہد کیا تھا وہ ٹوٹ گیا ہے یا اُس مین تزلزل پیدا ہوگیا ہے یا اپنے کو عہد پر مضبوطی سے قائم رکھنا مقصود ہے اس لیے ہم تجدید عہد کرتے ہین یعنی نئے سرے عہد کرتے ہین کہ تمنا ضرور کرین گے۔

عہد تجدید تمنا کا مفہوم یہ ہے کہ پہلے ہم نے صرف تمنا کی تھی، یہ عہد نہین کیا تھا کہ تمنا ضرور کرین گے۔ لیکن اب ناکامی کے بعد ہم جو ہاتھ مل رہے ہین اُس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ہم تمنا کرکے پچتائے ہین، بلکہ عہد کر رہے ہے کہ تمنا کی تجدید ضرور کرین گے ان دونون باتون کا فرق ظاہر ہے میری سمجھ مین نہین آتا ہے کہ اس شعر کو اضافت مقلوبی (یہ لفظ فاضل مضمون نگار کا ہے) سے کیا تعلق ہے اور اسے تجدید عہد کے محاورہ سے کیا علاقہ ہے جس طرح تجدید عہد محاورہ ہے اُسی طرح عہد کرنا

بھی محاورہ ہے۔

صاف لفظون مین شعر کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ عالی ہمت ہین ناکامی اُنکے حوصلے کو پست نہین کرتی بلکہ جتنی ناکامیان زیادہ ہوتی جاتی ہین اُتنی ہی انکی ہمت بلند اور عہد استوار ہوتا جاتا ہے۔

اعتراض (۲۲-۳) تنافر

خلاصۂ عبارت اعتراض

"تنافر عیب ہے مگر غالب مرحوم فرماتے ہین ع

کیا قسم ہے ترے ملنے کی کہ کھا بھی نہ سکون"

جواب:- تنافر عیب ہے۔ وہ مرزا کے یہان ہو یا کہین اور لیکن یہ عیب ایسا ہے جس سے کوئی اُستاد بچا نہین اسکی ہزارون مثالین دیجا سکتی ہین۔ ان نثاری مین تنافر زیادہ اعتراض کے قابل ہے جیسا یہان ہے۔

"میرے اشتیاقِ قتل مین ایسا جذب و کشش ہے کہ تلوار کا دم اُسکے سینہ باہر کھینچ آیا ہے۔" (شرح طباطبائی صفحہ ۲)

اب مین تنافر کی چند مثالین ایسے شاعر کے اشعار سے پیش کرتا ہون فصاحت جس کا کلمہ پڑھتی ہے۔

"گھوڑے کو کسی باگ پہ پھٹتے نہین دیکھا"

بند ۹۹ مطلع:- دولت کوئی دنیا مین پسر سے نہین بہتر (انیس)

"شہباز اجل صید پہ پر کھول کے آیا"

بند ۹۱ مطلع:- دولت کوئی دنیا مین پسر سے نہین بہتر (انیس)

وہ تیز منہ کہ کوہ کو کھالے مثال کاہ

بند ۶۸ مطلع ۔ رطب اللسان ہون مدح شہ خاص و عام مین (جلد سوم میرانیس صفحہ ۵۲)

اس مین کچھ شک نہین کہ مرزا کے مصرعہ کی جو موجودہ صورت ہے اس مین غضب کا تنافر ہے ۔ تین کاف ایک جگہ جمع ہو گئے ہین لیکن حسن ظن کا قدم درمیان مین ہوتا تو یہ مقام بیشک ایسا تھا کہ بے تامل کہدیا جاتا کہ یہان کاتب کی غلطی معلوم ہوتی ہے اسلیے کہ اگر 'کہ' 'جو' سے بدل جائے تو کوئی قباحت پیدا نہین ہوتی اور (کی کہ کھا) پڑھتے وقت زبان رکتی ہے اور یہ وہ کراہت ہے جو موزون طبع کو بھی محسوس ہوتی ہے ۔ مرزا سے اسکی توقع رکھنا سوء ظن نہین تو کیا ہے اور یہی حال میرانیس مرحوم کے آخری مصرعہ کا ہے وہان بھی 'کہ' 'جو' سے بے تکلف بدلا جا سکتا ہے ، اور اگرچہ انیس مرحوم کے پہلے دو مصرعون مین جو عیب تنافر ہے وہ مصرعون کو تلپٹ کئے بغیر نکل نہین سکتا ۔ لیکن اہل ذوق انکی خوبی کا کلمہ پڑھتے ہین خاصکر پہلا مصرعہ تو اپنا جواب نہین رکھتا ع گھوڑے کو کسی باگ پہ چھٹتے نہین دیکھا ۔

تنافر کے مسئلہ مین مجھے جناب طباطبائی کا یہ قول بہت پسند ہے جو غالب کے اس شعر کی شرح مین نظر آتا ہے :-

کوئی میرے دل سے پوچھے ترے تیر نیمکش کو ۔۔۔ یہ خلش کہان سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

اور اسکے پسند آنے کی وجہ یہ ہے کہ انصاف سے بیگانہ نہین ۔

"(جو) کا واؤ وزن سے ساقط ہو گیا اور یہ درست ہے بلکہ فصیح ہے ، لیکن اسکے ساقط ہو جانے سے دو جیمین جمع ہو گئین اور عیب تنافر پیدا ہو گیا لیکن خوبی مضمون کے سامنے کوئی ایسی باتون کا خیال نہین کرتا ۔" (شرح دیوان غالب صفحہ ۱۷۱)

لیکن وہ شعر جس پر اسوقت بحث ہو رہی ہے اُس میں اس قول طبا طبائی سے کام لینے کی ضرورت نہیں اسلیے کہ سہو کاتب کے احتمال کی گنجائش زیادہ ہے اور 'کہ' 'جو' سے بدلا جا سکتا ہے۔

اعتراض (۲۳-۴) اثبات۔ بیچ

مرزا غالب فرماتے ہیں

" نفی سے کرتی ہے اثبات تراوش گویا"

کیا شارح یہ نہ بتائے کہ اثبات مذکر ہے۔ غالب کبھی بات کی تیچ، کبھی بات کا بیچ کہتے ہیں:

جواب:۔ حقیقت یہ ہے کہ جناب طبا طبائی نے شرح اور حضرت ادبار الشعرا نے مضمون لکھتے وقت صرف اپنی نظر پر جو ایسی ہے اور اپنے حافظہ پر جو ایسا ہے تکیہ کیا ہے حالانکہ یہ چیزیں اکثر شباب مرحوم کے ساتھ اور کبھی کبھی پہلے ہی سے چل بستی ہیں۔ اس اعتماد کا نتیجہ یہ ہوا اکثر کیا شاید سب کے سب اعتراض ایسے کیے جن پر تحقیق سر بگریبان ہے۔ مذکر اور مونث کی بحث چھیڑی تو مختلف فیہ کا نام تک نہ لیا۔ بعض لفظ ایسے بھی ہیں کہ مذکر بھی بولے جاتے ہیں اور مونث بھی۔ ایسے لفظوں میں کبھی تو یہ ہوتا ہے کہ ہر اُستاد کسی ایک صورت کو مرجح سمجھتا ہے کبھی ترجیح اور عدم ترجیح سے بحث نہیں کرتا، ردیف شعر یا اُسکا مذاق صحیح جس مقام پر تذکیر کو پسند کرتا ہے مذکر باندھا جاتا ہے، مثلاً لفظ 'معراج' زیادہ تر مونث سمجھا جاتا ہے مگر شیخ ناسخ مذکر باندھتے ہیں اور اس محل پر حق انھیں کی طرف ہے سے

کسی دل تک رسائی ہو سکے تو عرش ہے یہ بھی ۔ عزیزو گر نہیں معراج ممکن عرش اعظم کا

یہان عرش اعظم کا اور عرشِ اعظم کی کہنے مین جو فرق ہے اُسے کچھ وہی لوگ سمجھتے ہین جن کے کان سدھے ہوئے ہین جن کا ذوق سلیم ہے، اور جہان شاعر کا مذاق صحیح مؤنث کو مرجح سمجھتا ہے وہان مونث لکھ جاتا ہے اور اہل ذوق نے مختلف فیہ الفاظ کے صرف مذکر یا مونث قرار دیئے جانے پر زیادہ زور نہین دیا، اس کا راز یہی ہے کہ اُنھون نے زبان کے دائرہ کو تنگ کرنا بہتر نہ سمجھا علاوہ اسکے مرزا کی جلالت قدر وہ تھی کہ اگر کسی لفظ کو خلاف جمہور مذکر یا مؤنث باندھ جاتے تو اُسی طرح قابل ملامت نہ ٹھہرتے جس طرح میر و سودا و درد۔ یہ اس ناچیز کا خیال ہے کچھ مثالین ملاحظہ ہون۔ مختلف فیہ کی مثال

خط کو دے یار پر نشو و نما ہوتا نہین (مذکر) سبزۂ بیگانہ گل سے آشنا ہوتا نہین

(شیخ ناسخ مرحوم)

آنسو بہا تو رشتہ بپا مرغ دل ہوا (مونث) دانہ نے کی جو نشو و نما دام ہو گیا

(خواجہ وزیر مغفور)

اب وہ مثالین لکھی جاتی ہین جن مین ایک ہی شاعر نے ایک لفظ کو مذکر اور مونث باندھا۔

(مذکر) "تم فاتحہ با کا دلادیجو بیٹا"

بند ۱۹۔ مطلع۔ جب خیمہ مین رخصت کو شہ بحر و بر آئے۔ (جلد سوم انیس صفحہ ۲۰۱)

سو مر گئے بھوکے یہی مرضی تھی خدا کی

(مونث)

ان کھانون پہ دو فاتحہ شاہ شہدا کی

بند ۸۰۔ مطلع۔ اے مومنو کیا صادق الاقرار تھے شبیر (جلد اول انیس ۲۹)

(مذکر) ہر رنگ مین شرارہ ہے تیرے ظہور کا
موسیٰ نہین کہ سیر کرون کوہ طور کا (کلیات سودا صفحہ ۱۰۰)

(مونث) سیر کی یون کوچۂ ہستی کی ہم
نے مین سے جون نالہ گزر کر گیا (ایضاً صفحہ ۲۰۰)

اعتراض (۲۴۰۴) تانیث قلم

"غالب فرماتے ہین (ع) ہے قلم میری ابر گوہر بار۔ تو کیا شارح قلم کی تانیث تسلیم کرلے"

یہ تو وہ عبارت ہے جو فاضل مضمون نگار اودھ پنچ نے لکھی ہے، حضرت طباطبائی اس شعر کے متعلق فرماتے ہین۔

"مصنف مرحوم کی زبان پر قلم بتانیث تھا، اور اُن کے تلامذہ ابھی تک اس وضع کو نباہے جاتے ہین، مگر اصل یہ ہے کہ لکھنؤ و دہلی مین بتذکیر بولتے ہین۔ فخر شعراے دہلی مرزا داغ کا کلام دیکھ لو۔ تعجب یہ ہے کہ مصنف بھی قلم کو بتذکیر باندھ چکے ہین (ع) فقط خراب لکھا بس نہ چل سکا قلم آگے"

جواب:۔ جہان حضرت طباطبائی تعجب ظاہر کرتے ہین مجھے تعجب آتا ہے مرزا کے دیوان مین قلم دو چار جگہ بھی مونث نہین ملتا۔ پھر اسکا فیصلہ کیونکر ہوا کہ قلم مرزا کی زبان پر بتانیث تھا، ہان شاید اردوے معلّےٰ اور عود ہندی مین جناب طباطبائی کی نظر سے گزرا ہو۔ میرے پاس یہ کتابین اسوقت موجود نہین۔ اسلیے مین صرف انھین دو مصرعون کو مد نظر رکھ کر جواب دیتا ہون۔ جناب طباطبائی کی اس عبارت سے (جس مین مرزا کے دو مصرعے لکھے ہین (۱) ہے قلم میری ابر گوہر بار (۲) فقط خراب لکھا

بس نہ چل سکا قلم آگے) تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرزا قلم کو مختلف فیہ جانتے تھے اور جہاں مناسب نظر آتا تھا مذکر یا مونث باندھ جاتے تھے اور دہلی کے متعلق یہ کہنا دل کو لگتی ہوئی بات نہیں کہ وہاں قلم کو سب بتذکیر بولتے ہیں " اگر بولتے ہیں " سے زمانہ موجود مراد ہے تو پھر کہا جائیگا کہ اس قول سے مرزا کے زمانے کو کیا تعلق ہے ۔ اس حالت میں تو صرف یہ کہدینا کافی تھا کہ اب دہلی والے بھی باتفاق مذکر بولتے ہیں ۔ لیکن یہ بھی اسوقت کہا جا سکتا تھا ، جب اُن مستند سخن آفرینوں کی نظم و نثر پر نظر کرلی گئی ہوتی جن پر آج کی دلی ناز کرتی ہے اگر اس سے مرزا غالب کا زمانہ مراد ہے تو یہ قول تحقیق کے خلاف ہے دور کیوں جایئے ، مرزا کے معاصر حضرت مومن نے بھی قلم کو مونث باندھا ہے ۔

غیر کے خط لکھنے کو تم نے تراشی ہے قلم
ورنہ میرے استخوان کیوں ہو گئے قط گیر ہے
(کلیات مومن صفحہ ۱۰۱)

اور یہی ایک مثال " سب بتذکیر باندھتے ہیں " کے رد کر دینے کو کافی ہے ۔ خدائے سخن حضرت میر کے یہاں بھی قلم کی تانیث کا سراغ ملتا ہے ۔ ؎

کسی کو شوق یارب اور اس سے بیش کیا ہوگا
قلم ہاتھ آگئی ہوگی تو سو سو خط لکھا ہوگا
(کلیات میر صفحہ ۳۵)

اعتراض (۲۵-۵) ۔ اعلان نون

غالب فرماتے ہیں

" فرماں روائے کشور ہندوستان ہے ۔ شرع و آئین پر مدار سہی ۔"

عبارت اعتراض اودھ پنچ :-

" فارسی ترکیب میں اعلان نون بعد الاضافت معیوب ہے ۔ ایسی

غلطیان اگلے اساتذہ کے کلام مین بہت ہین"

یہ بھی ارشاد ہوا کہ

"غالب نے بھی اپنے کسی مکتوب یا ملفوظ مین ان کے جواز کا فتوے نہین دیا۔ اگر شارح نے اسکی توضیح کردی تو کس جرم کا مرتکب ہوا"

جواب: ہمیشہ کسی شاعر کی زبان پر اعتراض کرتے وقت وہ زبان معیار قرار دیجاتی ہے جو اُسکے زمانہ مین رائج ہو۔ لیکن اردو مین یہ بھی دیکھنا ضرور ہے کہ شاعر دلی کا ہے یا لکھنؤ کا۔ اگر آج ہم میر۔ سودا۔ درد پر ادہر، اُودھر، جیدھر، کیدھر، نپٹ، نمان، اُود، بچارا، دوانہ بولنے کی وجہ سے اعتراض کرین تو وہ اہل انصاف جو باروت کا پتلا ہین آگ ہوجائین گے اور کافور مزاج حضرات نے اگر کچھ نہ کہا تو مسکرائینگے ضرور۔ حقیقت یہ ہے کہ فارسی ترکیب مین اعلان نون بعد اضافت اب معیوب ہے مرزا کے زمانہ مین محبوب تھا۔ عہد غالب کے شعرا ذوق، ظفر، مومن، آزردہ کا کلام اگر دیکھا جائے تو یہ اعلان نون اتنی جگہ نظر آئے گا کہ شمار مشکل ٹھہرے گا۔ پھر اسے معیوب یا غلط قرار دینا بڑی جسارت ہے۔ اس عقدہ کا حل وہی ہے جو حضرت طباطبائی کی شرح کے صفحہ ۲۴۴ مین نظر آتا ہے۔

"مصنف مرحوم (غالب) کا اس باب مین یہی مذہب معلوم ہوتا ہے کہ اردو کے کلام مین ایسے مقام پر وہ اعلان نون درست جانتے ہین اور فارسی کے کلام بھر مین اُن کے کہین اس طرح اعلان نون نہین دیکھا۔ یعنی فارسی کلام مین اہل زبان کا اتباع کرتے ہین اور اردو مین نہین کرتے"

(شرح طباطبائی ص ۲۴۴)

مین اس مین اتنا اور بڑھانا چاہتا ہون کہ کچھ غالب ہی پر موقوف نہین معاصران غالب بلکہ اُن کے تمام پیشرو میر۔ سودا۔ درد۔ خان آرزو وغیرہ سب کا یہی مذہب تھا اور اور ان اساتذہ مین سے کوئی ایسا نہین جو فارسی مین صاحب دیوان نہو خصوصاً خان آرزو سراج المحققین جسکا خطاب ہے اور جو (منشی ٹیکچند) مصنف بہار عجم کا فخر شاگرد اُستاد ہے، ان لوگون نے ترکیب اضافی و توصیفی مین اعلان نون کو اُسی طرح جائز رکھا جس طرح نون کا نون غنہ ہو جانا۔ اور اس مین کچھ شک نہین کہ یہ اجتہاد تھا۔ غلطی نہ تھی۔

ہان، مین یہ کہنا بھول گیا کہ یہی جناب طبا طبائی جو صفحہ ۲۴۴ پر مرزا کا مذہب بیان کر چکے ہین صفحہ ۱۴۸ مین یون گلفشانی فرماتے ہین۔

"میر انیس مرحوم کے اس مصرعہ پر ع مسکن چھپا ہمائے سعادت نشان ہے لکھنؤ مین اعتراض ہوا تھا کہ حرف مد کے بعد جو نون کہ آخر کلمہ مین پڑے فارسی والون کے کلام مین کبھی اعلان نون نہین پایا گیا۔ تو جب اُردو مین ترکیب فارسی کو استعمال کیا اور کشور ہندوستان کہکر مرکب اضافی بنایا، ہمائے سعادت نشان باندھ کر مرکب توصیفی باندھا تو پھر نحو فارسی کی تبعیت نہ کرنے کا سبب؟"

پہلے مین اس اعتراض کا جواب مانہ حال کے مسلم اصُول کو صحیح قرار دے کر لکھتا ہون، اور آگے بڑھکر وہ جواب عرض کرونگا جو نگاہ تحقیق کو نظر آتا ہے۔

مین اسکا سبب عرض کردون۔ نحو فارسی کی تبعیت نہ کرنے کا سبب اجتہاد ہے اور یہ اُسی طرح کا اجتہاد ہے جیسا اساتذہ ایران نے کیا ہے۔ یعنی عربی کے وہ الفاظ

جو باعلان نون تھے۔ مثلاً بیان، خلجان، خفقان، مرجان وغیرہ جب باضافت و عطف فارسی استعمال کیے تو اعلان نون کو غائب کر دیا۔ یہ شعرائے ایران کا تصرف و اجتہاد تھا۔ اساتذۂ دہلی نے جو آب کے شعراسے فارسی زبان مین زیادہ دخل رکھتے تھے، یہ کیا کہ الفاظ خواہ فارسی ہون خواہ عربی، ان مین مد کے بعد جو نون آخر کلمہ مین پڑے اُسے اعلان کے ساتھ بھی باندھیں اور بغیر اعلان بھی۔ اس طرح کا استعمال لکھنؤ مین میر انیس مرحوم اور دلی مین حضرت داغ مغفور تک برابر جاری رہا۔

اس رواج کا ترک اچھا ہوا یا بُرا، اسپر تفصیلی کیا اجمالی بحث کا بھی موقع نہیں، یار زندہ صحبت باقی۔ مین صرف اتنا پوچھ لینا چاہتا ہون کہ میر انیس مرحوم پر سعادت نشان باعلانِ نون باندھنے کی وجہ سے جو اعتراض ہوا تھا اُس پر اُنھون نے سر تسلیم خم کیا یا نہیں اور اساتذۂ دہلی کے اجتہاد کو مُسلّم سمجھا یا اُس فرضی قلادۂ تقلید اہل ایران کو زیب گردن فرمایا جسے حضرت ناسخ نے اپنے گلے مین ڈالکر اردو زبان بولنے والون کے گلے کا ہار بنا دیا۔ مجھ کو یقین ہے کہ میر انیس مرحوم نے اس اعتراض پر مطلق اعتنا نہیں کی۔ کچھ مثالین میر صاحب کے کلام سے لکھی جاتی ہین، جس کو اس سے زیادہ دیکھنا ہو وہ اُن کے مطبوعہ و غیر مطبوعہ کلام پر نظر ڈالے، اگر یہ کہا جائے کہ یہ مرثیے اس اعتراض سے پہلے کے ہین تو اسکا جواب یہ ہے کہ ایسا تو نہین تھا کہ ادھر میر صاحب کوئی مرثیہ پڑھتے، ادھر ویسرائے بہادر یا مہاتما گاندھی کی تقریر کی طرح وہ چھپ گیا، جب حقیقت حال یہ ہے تو پھر میر صاحب نے بعد مین اصلاح کیون نہ کر لی۔

عطف اور اعلان نون :-

لاشہ پہ لاشہ ڈال دیا ایک آن مین ۔ اک تہلکہ سا پڑ گیا کون و مکان مین

بند ۴۵ مطلع " جب جان نثار سبط پیمبر ہوئے شہید " (جلد چہارم میرانیس صفحہ ۶۱)

اضافت فارسی اور اعلان نون:-

تو شاہد مضمون پس پردہ نہان ہو !

بند ۳ مطلع " کیا پیش خدا صاحب توقیر ہے زہرا " (جلد سوم میرانیس صفحہ ۵۳)

خندق مین جو ے خون انھین ہاتھون سے بہی

بند ۴۲ مطلع " رطب اللسان ہون مدح شہ خاص و عام مین " (جلد سوم میرانیس صفحہ ۱۵۲)

(معاصرین غالب)

یہ تڑے پھوٹ پھوٹ کے تلوون کے آبلے ۔ نالہ سا ایک سوے بیابان بہ گیا

نفس ہمقد دکو تھوڑی سی قدرت ہو اگر ۔ دیکھیے سامان پھر اس فرعون بے سامان کا

(دیوان ذوق صفحہ ۶)

زلفون سے تمھاری ہون پریشان زیادہ ۔ دیکھو مری اس حال پریشان مین صورت

(بہادر شاہ ظفر نوراللہ مرقدہ)

فردوسی ایک خارجہان بیان تھا ۔ گلریز میرے دم سے ہوئی داستان تیغ

(کلیات مومن صفحہ ۲۳)

میر و سودا کے یہان سے بھی صرف ایک ایک مثال دیجاتی ہے۔

زنبور خانہ چھاتی غم دوری سے ہوئی ۔ ہے ہم تلک شہ آئے کبھی کس شان سے

(کلیات میر صفحہ ۴۰۴)

روشن ہے وہ ہر ایک ستارہ مین زلیخا ۔ جس نور کو تو نے مہ کنعان مین دیکھا

(کلیات سودا)

بازیچۂ جہان کو شطرنج ہی سمجھ　　خالی ہین کوئی دم مین و لاگر بجے مجے

(کلیات ناسخ صفحہ ۱۹۰)

یہان یہ سوال کرنیکو جی چاہتا ہے کہ فاضل معترض اور قابل نقاد اسی ترکیب "اعلان نون" مین جو نون آخر کلمہ مین پڑتا ہے اُسے باعلان نون پڑھتا ہے یا کسی اور طرح ؟

اس اعتراض کے سلسلہ مین یہ بھی کہا گیا ہے کہ غالب نے اپنے ملفوظ یا مکتوب مین اسکے جواز کا فتوےٰ نہین دیا۔

جواب :- مین سراپا حیرت ہون کہ الٰہی یہ کیا کہا جا رہا ہے۔ شاعر یا نثار جس لفظ کے استعمال مین آزاد نظر آئے وہی اس کا فتوےٰ جواز ہے۔ اُس سے بادشاہ وقت کی طرح کسی باضابطہ اعلان کی توقع نہین رکھی جاتی۔

جناب طباطبائی نے اپنی شرح مین ایک طولانی تقریر کے ضمن مین لکھا ہے کہ "دیوان ناسخ دلی پہونچ چکا تھا، پھر غالب وغیرہ نے زبان کے مسائل (مثلاً اعلان نون) مین حضرت ناسخ کے اُن اصولون پر کیون نہ عمل کیا" میرے نزدیک یہ تعجب قابل تعجب ہے اسلئے کہ اُس زمانہ مین دلی غالب، مومن، ذوق، ظفر، آزردہ، شیفتہ وغیرہ پر ناز کر رہی تھی عجب نہین جو اُن کو یہی خیال ہوا ہو کہ ہم اُس شاہراہ پر جا رہے ہین جو طریقۂ راسخہ شعرا ہے۔ جبکہ خان آرزو سا باخبر محقق گام فرسائی کر چکا ہے۔ علاوہ برین ائمہ فن اپنے ماموین کی اقتدا اور مجتہدین عصر اپنے مقلدین کی پیروی نہین کیا کرتے۔ خاصکر اُس صورت مین جب زبان کی وسعت خاک مین ملتی ہو اور یہ وہ حل ہے جو ان رہبران سخنوری کے طرز عمل سے سمجھ مین آتا ہے بات

پرے، درے، آے ہے، جاے ہے، ہم ہی، وہ ہی وغیرہ نہایت بے تکلفی سے بولا جاتا رہا۔ اسوقت ان الفاظ کے متعلق کچھ کہنے کی فرصت نہین اور نہ یہ مضمون اسکا متحمل ہو سکتا ہے۔

اب تک اس مسئلہ کے متعلق مین نے جو کچھ لکھا اُسکی بنا حضرت طباطبائیؒ کے اِس ارشاد پر تھی کہ مرکب اضافی و توصیفی مین اعلان نون نہ کرنا چاہیے! اسلیے کہ نحو فارسی مین جو نون مد کے بعد آخر کلمہ مین پڑے وہ غنہ پڑھا جاتا ہے اور اِسی بنا پر میر انیس مغفور کا یہ مصرعہ " مسکن چھپا ہماے سعادت نشان سے " اور مرزا غالب کے یہ مصرعے (۱) فرمانروائے کشور ہندوستان ہے۔ (۲) شرع و آئین پر مدار سہی۔ قابل اعتراض ہین۔

اب مین اسکے جواب مین اپنی ناچیز تحقیق اہل نظر کے فیصلہ کے لیے پیش کرتا ہون۔ مین جہان تک جانتا ہون نحو فارسی مین ایسا کوئی مسئلہ ہی نہین ہندیون اور ایرانیون کے تلفظ مین جہان بہت سے فرق ہین وہان نون کے تلفظ مین بھی ہے۔ ہندی " این " بنون غنہ بولتے ہین، ایرانی " اِن " باعلان نون بولتے ہین اور این لکھتے ہین۔ ہندی " چون " بنون غنہ بولتے ہین ایرانی " چُن " بولتے ہین اور چون لکھتے ہین۔ ہندی " چنان " بنون غنہ بولتے ہین ایرانی " چُنَن " بولتے ہین اور چنان لکھتے ہین۔ مختصر یہ کہ اہل ولایت ہمیشہ ایسے نون کو ظاہر کرتے ہین مثلاً اس شعر مین ؎

در بزم جمال تو بہ ہنگام تماشا | نظارہ ز جنبیدن مژگان گلہ دارد

وہ جنبیدن مژگان کا تلفظ نون غنہ کے ساتھ نہ کرین گے بلکہ جنبیدن مژگن بولینگے

اُن کے یہان ایسی حالت مین آفت آتی ہے الف پر۔ اور مرگن ہو جاتا ہے۔ جب حقیقت یہ ہے تو حضرت طباطبائی کا ارشاد متذکرہ صدر صرف انھین کے ماننے کی بات ہے یہ نحو فارسی کی تبعیت نہین اللہ جانے کیا ہے۔ اضافت و عطف کی حالت مین نون کو غنہ پڑھنا اساتذہ دہلی کا اجتہاد ہے۔ مین اپنے کلام کی توثیق کے لیے آقا سید محمد علی صاحب ایرانی پروفیسر نظام کالج حیدر آباد دکن کی ایک عبارت نقل کیے دیتا ہون۔

"مانون آخر کلمہ را ظاہر میکنیم و ہندیان اغلب نون ہائے آخر را غنہ میکنند مثلاً ما می گوئیم جان و ایشان میگویند جان بنون غنہ ہمچنین لفظ خان را خان بنون غنہ می گویند" (از فارسی جدید آقا محمد علی)

حضرت ناسخ مرحوم نے حالت اضافت فارسی مین نون کو نون غنہ کر دینا باتباع اساتذہ دہلی جائز رکھا اور اعلان نون کو بخلاف اساتذہ دہلی ناجائز قرار دیا اور یہ نحو فارسی کی تبعیت سے کچھ تعلق نہین رکھتا۔ اساتذہ دہلی نے حالت عطف و اضافت فارسی مین نون آخر کلمہ کو غنہ کیا اور ساتھ ہی ساتھ الف کا تلفظ بھی قائم رکھا جو ایرانیون کے تلفظ مین نہین جیسا آقا محمد علی صاحب ایرانی کے قول سے معلوم ہو چکا۔ حضرت ناسخ نے اساتذۂ دہلی کے اِسی مسلک کو اختیار کیا۔ اور یہ اساتذۂ دہلی کی پیروی ہے نہ کہ اساتذۂ ایران کی۔

دوسری صورت یعنی اعلان نون کو حضرت ناسخ یا اُن کے متبعین نے معیوب یا غیر صحیح قرار دیا یہ اُن کی راے ہے۔ اساتذۂ دہلی نے دو صورتین تجویز کی تھین۔ ایک صورت قائم رکھی گئی ایک چھوڑ دی گئی اسے بھی اجتہاد ناسخ سے کوئی تعلق نہین

نحو فارسی کی تبعیت نہ اعلان نون مین ہے نہ غنہ مین۔

اعتراض (۲۶-۶) تم ہی۔ وہ ہی

غالب مرحوم فرماتے ہین:۔

ہم ہی آشفتہ سرون مین وہ جوان میر بھی تھا

اور آپ کی جانب سے شارح اس قدر توضیح کا بھی حق نہین رکھتا کہ ہم ہی سے ہمین زیادہ فصیح ہے؟

جواب:۔ اب ہم ہی، تم ہی، وہ ہی لکھنؤ مین قریب قریب متروک ہین اور دلی والے ابھی تک ان کو استعمال کرتے ہین مگر بہت کم۔ ہم ہی فصیح ہے اور ہمین افصح اور بس۔ مجھے اس باب مین جناب طباطبائی کا یہ قول پسند ہے۔

"ہم ہی اور تم ہی اور اس ہی اور ان ہی کی جگہ پر ہمین اور تمہین اور اسی اور انھین اب محاورہ مین ہے اور یہ کلمات اپنی اصل سے تجاوز کر گئے ہین"۔ (شرح طباطبائی صفحہ ۲۶)

مین نے قول کے ساتھ (یہ) کی قید صرف اس لیے بڑھادی کہ جناب ممدوح کے قول زمانہ کی طرح رنگ بدلتے رہتے ہین۔ مرزا کے زمانہ مین یہ الفاظ برابر بولے جاتے تھے مثلاً خود مرزا غالب فرماتے ہین۔

(۱) ہم ہی آشفتہ سرون مین وہ جوان میر بھی تھا

(۲) تمہین کہو کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے

اس سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ ان کی نظر مین دو مین سے کوئی لفظ بھی قابل ترک نہ تھا۔ صرف اس لیے کہ وہ لوگ زبان کو سرکس کا اسٹیج (تنگ) نہین

بنانا چاہتے تھے۔ دلّی مین حضرت داغ اور لکھنؤ مین شیخ ناسخ تک " وہ ہی " کا سراغ ملتا ہے ؎

ہر صبح وہ ہی صبح ہے ہر شام وہ ہی شام
انسان پہ ہے دور فقط انقلاب کا

(ناسخ)

وائے ناکامی کہ باندھا جسمین مضمون شوق
وہ ہی مرغ نامہ بر کا نوٹ کر شہپر گرا

(گلزار داغ صفحہ ۲۹)

اور وہ ہی کی وہی حالت ہے جو ہم ہی اور تم ہی کی۔

اعتراض (۲۷ - ۷) ہوجو

ہوجو کے متعلق کہا گیا ہے کہ کیا شارح اسکو ثقیل بھی نہ بتائے ؟!

جواب۔ اگر کوئی لفظ ثقیل ہے تو اُسے ثقیل کہنا عیب نہین مگر بات کرنیکا انداز بھی کوئی شے ہے یا نہین۔ آپ دیکھین کہ جناب طباطبائی کس لہجہ اور کن لفظون مین فرماتے ہین۔

" ہوجیو خود ہی واہیات لفظ ہے۔ مصنف مرحوم نے اِس پر اور طرہ کیا کہ تخفیف کرکے ہوجو بنایا۔"

ہم ہوجیو کو صرف اِس بنا پر واہیات کہہ سکتے ہین کہ ہم آج کل اسے نہین سنتے اور بس۔ حضرت ناسخ فرماتے ہین ؎

زنہار ہوجیو نہ دلا مبتلائے حرص
ذلت بھی دوڑی آتی ہے ہر دم قفائے حرص

جس طرح ہوجیے کا مخفف ہوجے ہے اُسی طرح ہوجیو کا ہوجو۔

تو بھی رونے کو بلا دل بھی بھر آتا بلا
بھیجے لے ابر بیابان مین گریان یکجا

(گلزار داغ صفحہ ۵۰)

لیکن مجھے اس لفظ پر زیادہ زور دینے کی ضرورت نہین معلوم ہوتی اس لیے کہ وہ غریب
متروکات کے قبرستان مین سو رہا ہے۔ کسی بزرگ نے اس ہو جو (بواو مجہول) پڑھکر سمجھا یا مگر مجھے
یہ توجیہ پسند نہ آئی اسلیے کہ اگر یہی مفہوم ہوتا تو 'ہو اگر' اس محل پر آسکتا تھا۔
حقیقت یہ ہے کہ ہو جو یہان دعائیہ کلمہ ہے۔

اعتراض (۲۸-۸)

حضرت غالب فرماتے ہین:-

وہ شہنشاہ کے جسکے پئے تعمیر سرا چشم جبریل ہوئی قالب خشت دیوار

شارح نے اس گتھی کو یون سلجھایا ہے

"ڈھیلے جبریل کی آنکھون کے ہین خشت دیوار۔ تو نگر نے کا محل نہین"۔

جواب:- کاش معترض کی زبان جناب طباطبائی کو عطا ہوئی ہوتی۔ معترض نے جناب شارح کا مفہوم تو ادا کر دیا مگر لہجہ بالکل بدل گیا۔ وہ کھنڈر بانی تھی یہ ناہربانی ہے۔ وہ بھیانک رس تھا یہ سنگار (سرنگار) رس ہے۔ مین جناب طباطبائی کا قول نقل کیئے دیتا ہون۔

"اس شعر کی بندش مین نہایت خامی ہے کہ مطلب ہی گیا گزرا ہوا غرض یہ تھی کہ ڈھیلے جبریل کی آنکھون کے ہین خشت دیوار۔ موصول کو اگر (پئے) کا مضاف الیہ لو تو جسکے پڑھو، اور اگر سرا کی اضافت لو تو جسکی پڑھنا چاہیئے۔ اس قسم کی ترکیبین خاص اہل مکتب کی زبان ہے۔ شعراء کو اس سے احتراز واجب ہے"۔

جواب:- اُس عہد مین ایسی ترکیبین عام تھین مرزا کے معاصرین مومن و ذوق

وغیرہ کے دیوان موجود ہیں، اُن پر ایک نظر ڈالنا انکشافِ حقیقت کے لیے کافی ہوگا۔ اور شعر کے مطلب سے متعلق یہ کہنا کہ گیا گزرا ہوا، وہ جناب شارح کی اصلاح سے گیا گزرا ہوا شارح نے مصنف کی جو غرض بیان کی ہے وہ صحیح نہیں مرزا سے تو یہ نہ کہا جائیگا۔

"ڈھیلے جبریل کی آنکھوں کے ہیں خشتِ دیوار"

چشمِ جبریل کو قالبِ خشت کہنا مدت کے قالب میں روح پھونکنا ہے مرتبہ دانی کی شان اس میں نکلتی ہے۔ مگر جب جناب شارح کی اصلاح پر نظر کیجاتی ہے تو کبھی میری آنکھوں میں عہدِ آدم کے مکانات کی تصویر پھر جاتی ہے جب گھر ڈھیلوں اور ناہموار پتھرون سے بنتا ہوگا، کبھی کورو پانڈو کا قلعہ پیشِ نظر ہو جاتا ہے۔ اب ارشاد ہو کہ یہ مدح ہے یا قدح یہ بھی پوچھ لینے کو دل چاہتا ہے کہ جبریل کی آنکھوں میں کے ڈھیلے ہونگے جنسے دیوار بنجائیگی، اور گھر ہی دنیاوی گھر ہوگا یا اس سے ایوان عزت و جلال مراد ہوگا۔ چشمِ جبریل کو قالبِ خشت کہنا تو ایک بات بھی تھی اسلیے کہ سانچے سے ہزاروں اینٹیں نکل سکتی ہیں۔ مگر جبریل کی آنکھوں کے ڈھیلوں سے جو دیوار بنے گی وہ غالباً ایسی ہوگی جیسا جنت میں ایک موتی کا محل۔

اعتراض (۲۹-۹)

"عمرو کا املا مرزا غالب کے دیوان میں الف سے ہے۔ مرزا غالب کے بارے میں یہ گمان کرنا کفر ہے کہ وہ اسکا املا نہ جانتے تھے غالباً انھوں نے غلط عام کی پیروی کی ہے۔ اس دیوان کے پروف خود مرزا نے دیکھے تھے اگر شارح نے توضیح کر دی تو اسپر یہ شبہہ نہ کرنا چاہیے کہ اوس نے غالب کا شمار جہلا میں کیا ہے۔"

جواب ۔ بڑے مزے کی بات ہے کہ اَوَدھ پنچ کا فاضل مضمون نگار (وہ خود جناب طباطبائی ہوں یا مدیر اَوَدھ پنچ یا کوئی اور بزرگ) تو یہ لکھتا ہے کہ غالب کے باب میں ایسا گمان کفر ہے اور جناب طباطبائی اپنی شرح کے صفحہ ۳۱۱ میں لکھتے ہیں:۔

"مصنف کو دھوکا ہوا کہ جس طرح قصہ فرضی ہے نام بھی بے اصل ہوگا

عمرو نہ سہی امر سہی ۔

جسنے مرزا غالب کے رقعے دیکھے ہیں وہ جانتا ہے کہ مرزا نے اپنے احباب کو لکھا ہے کہ آج کل بوستان خیال ملگئی ہے جسے میرے بھانجے نے لکھا ہے اُس میں دل خوب بہل جاتا ہے۔ جب یوں ہے تو مرزا کی نظر سے یہ نام کتنے بار گزرا ہوگا۔ پھر دھوکا کھانے کے کیا معنے۔ اگر بوستان خیال میں بھی یہی املا (امر) نظر آئے تو سمجھ لینا چاہیے کہ یہ مرزا ہی کا تصرف ہے۔ افسوس کہ یہ کتاب مجھے یہاں نہیں مل سکتی۔ مجھے اس باب میں عظمی جناب حضرت مولانا کی توجیہ پسند آئی وہ اپنی شرح میں لکھتے ہیں:۔

"غالب نے عمرو کی جگہ امر شاید بلحاظ ادب لکھا ہے یعنے اس خیال سے کہ عمرو عیار جو ایک فرضی نام ہے اُس میں اور حضرت عمرو بن اُمیہ صحابی کے نام میں خلط ملط نہ ہو جائے"

اعتراض (۳۰ - ۱۱) میں جناب حالی مرحوم کی اس رائے کا ذکر ہے:۔

"غالب کے دیوان میں کچھ ایسے شعر رہ گئے کہ اگر نکل جاتے تو بہت اچھا ہوتا اور اگر یہ رائے بعد از وقت نہوتی اور غالب کو اُس پر عمل کرنیکا موقع ملتا تو غالب کا دیوان بے مثل و بےنظیر ہوتا"

جواب - میری نظر مین جناب حالی کی عزت بہت ہے مگر مین مرزا کے مقابلے مین اُنکا اتنا ہی احترام کرتا ہون جتنا علامۂ روزگار اُستاد کے مقابلہ مین ایک عالم شاگرد کا ہونا چاہیئے۔ دیکھنے کی بات ہے کہ جب مرزا کے کچھ اشعار حضرت طباطبائی ایسے نقاد اور محقق کے بس کے نہین تو پھر حالی تو حالی ہی تھے۔

اب مین ادبار الشعرا اور حضرت طباطبائی کے ایک دعوے کی حقیقت ظاہر کرکے مضمون کو ختم کرتا ہون۔

اعتراض (۳۱-۱۲) محاورہ مین تصرف

مین نے 'داد کو پہونچنا' لکھا تھا۔ اُسپر ایک طولانی تقریر فرمائی گئی جسے مین اعتراض نمبر ۱۳ مین لکھ کر شافی جواب دے چکا ہون، اُسی تقریر مین یہ دعوی بھی کیا گیا تھا کہ قدیم محاورات مین کوئی تغیر جائز نہین۔ محاورہ کبھی نہین بدلتا۔ اب مین کچھ اشعار لکھتا ہون، جنسے اہل نظر خود فیصلہ فرمالینگے کہ یہ دعوی کہان تک قبول کرنے کے قابل ہے، اتنا اور عرض کردون کہ مین کسی کی ایسی راے ماننے کے لئے تیار نہین جو مسلم الثبوت اُستادون کے عمل عام ومتواتر کے خلاف ہو میرے نزدیک محاورہ مین تصرف وتغیر بھی ہوا اور وہ اپنی اصلی صورت پر بھی قائم رہے (ورنہ متروکات کی فہرست مین آجاتے) کبھی محاورہ کے الفاظ مین تغیر ہوا، کبھی اُن کا ترجمہ کرلیا گیا، کبھی کچھ ہوا کبھی کچھ اور سمجھنے والے سمجھتے رہے کہ چلو اچھا ہوا پہلے محاورہ کی ایک صورت تھی اب دو یا کئی ہوگئین اور وسعت زبان کے لیے نئے باب کھل گئے۔ ہان یہ ضرور ہے کہ محاورہ مین تصرف کا حق ہر کس وناکس کو نہین دیگیا، اسلیے کہ ایسے تصرف سے زبان کے بگڑنے کا ظن غالب تھا

اور کسی معقول اضافہ کی اُمید نہ تھی۔ تلوار کا کھیت محاورہ ہے مگر حضرت ناسخ فرماتے ہیں

جو ثمر ہیں کبھی وہ پھولتے پھلتے نہیں — سبز ہوتے کھیت دیکھا ہی کہیں شمشیر کا

(ناسخ آب حیات صفحہ ۴۰۰)

کنوئیں (کوے) کا پانی ٹوٹنا محاورہ ہے مگر حضرت ناسخ فرماتے ہیں

سفلہ ہو جاتا ہے وقت امتحان آبرو — ہے دلیل اس ادعا پر ٹوٹ جانا چاہ کا

(ناسخ آب حیات)

جان کے لالے پڑنا محاورہ ہے، مگر

تجھ سے رشک چمن نرگس اگر بیمار ہے — باغ میں لالے کو اپنی زیست کے لالے ہوئے

(ناسخ آب حیات)

شبیہ کھینچنا محاورہ ہے مگر

تیغ ابروئے صنم کی جو لگے لکھنے شبیہ — ہو گئے صاف قلم مانی و بہزاد کے ہاتھ

(ناسخ آب حیات)

کھینچتا تھا وہ بہت قامت جاناں کی شبیہ — حال آخر کو کیا دار نے کیا مانی کا

(ناسخ آب حیات)

تلوار کرنا محاورہ ہے

ورد زبان ہیں اس نگہ سرگیں کے وصف — تلوار کرتے ہیں صفا ہانیوں میں ہم

(کلیات مومن صفحہ ۱۱۹)

مگر میر انیس یوں فرماتے ہیں ؎ "میں مرا جاتا ہوں شمشیر کرو"

(میر انیس مرحوم جلد سوم بند ۵۷ ۔ مطلع وہ غل ہے اعدا ہیں کہ زنبور کے چھتے)

بات اُٹھنا اور اُٹھانا محاورہ ہے ؎

بات جن نازک مزاجوں سے نہ اُٹھتی تھی کبھی
بوجھ اُنسے سیکڑوں من خاک کا کیونکر اُٹھا

(ناسخ)

نہ کسی کو کڑی کہی ہم نے
نہ کسی کی کڑی اُٹھائی بات

(آتش)

اسکی دوسری صورت۔

اب تو سخن تلخ اُٹھائے نہین جاتے

(نمبر ۶۱۔ مطلع :۔ کیا عشق تھا ہمشبیر شاہ شہدا کو۔ صفحہ ۲ جلد ۲ انیس)

پتھر چبانا محاورہ ہے مگر انیس مرحوم فرماتے ہین

یہ کہکے سروہی کو چبّاتا تھا کوئی سنگ

(جلد سوم۔ میر انیس)

بھور یا تڑکا ہوجانا محاورہ ہے مگر جناب ذوق فرماتے ہین

مقابل اُس رخ روشن کے شمع گر ہوجا
صا وہ دھول لگائے کہ پھر سحر ہوجا

(ذوق)

چراغ لیکے ڈھونڈھنا محاورہ ہے مگر

مجھ سا مشتاق جمال ایک نہ پاؤگے کہین
لاکھ ڈھونڈھوگے چراغ رخ زیبا لیکر

(ذوق)

بجلی ٹوٹنا محاورہ ہے مگر خواجہ آتش علیہ الرحمہ فرماتے ہین

جلوۂ یار سے داغ دل بیتاب ہے دور
کشت پر یاس کی برق شرر فگن ٹوٹے

بھیک کا ٹھیکرا محاورہ ہے مگر

نکھیں نہیں ہیں چہرہ پہ تیرے فقیر کے
وہ ٹھیکرے ہیں بھیک کے دیدار کیلیے

(آتش)

پاؤن سوجانا محاورہ ہے مگر

اُٹھ گئی ہے نالۂ زنجیر غل نہ کر
یان پاؤن جاگتے ہین کوئی جاگے خواب مین

(مومن)

گڑے مردے اکھاڑنا محاورہ ہے مگر

سودا کے ہوتے وامق و مجنون کا ذکر کیا
ظالم عبث اُکھاڑے ہو مردے گڑے گڑے

(سودا)

ابر قبلہ محاورہ مین ہے مگر

ابر اُٹھا تھا کعبہ سے اور جھوم پڑا میخانہ پر
بادہ کشون کا جھرمٹ ہیگا شیشے پر پیمانہ پر

(میر۔ آب حیات آزاد صفحہ ۲۱۳)

سر سے پانی اونچا ہوجانا یا سر سے پانی گزر جانا محاورہ ہے

جو وقت گزر جائے پانی سے سر (انیس)

اسکی تیسری صورت یہ ہے

اب کیا علاج فرق سے پانی گزر گیا

(بند یکم۔ صفحہ ۲۰۰۔ از واقعات انیس۔ مطلع۔ واحسرتا کہ عہد جوانی گزر گیا)

یہ ہزارون مین سے چند مثالین لکھی گئی ہین۔ جسے زیادہ تحقیق مدنظر ہو وہ کلام اساتذہ پر نظر ڈالے، حقیقت آئینہ ہو جائیگی۔

اور صرف یہی نہین، محاورہ پر قیاس کرکے بھی محاورے بنا لیے جاتے ہین۔

مین اپنے اس قول کی شہادت مین جناب طباطبائی سا گواہ پیش کرتا ہون جس پر فاضل معترض کو اعتبار سا اعتبار ہے وہ جناب مرزا غالب کی اس شعر کی شرح مین ؎

مین اور اک آفت کا ٹکڑا وہ دل وحشی کہ ہے
عافیت کا دشمن اور آوارگی کا آشنا

فرماتے ہین:۔

"ظاہر ہے کہ آفت کوئی چیز نہین جسکا ٹکڑا بھی ہو۔ مگر محاورہ مین قیاس کو دخل نہین اسی طرح پری کا ٹکڑا، حور کا ٹکڑا بھی محاورہ ہے، چاند کا ٹکڑا البتہ معنے رکھتا ہے۔ اسکے بعد پری کا ٹکڑا اور حور کا ٹکڑا اور آفت کا ٹکڑا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اسی قیاس پر کہنے لگے اور اب سب صحیح ہین"

اگر حضرت طباطبائی کا یہ فتوے کہ محاورہ مین تصرف روا نہین، قبول کرلیا جائے تو دنیا اس فیصلہ کو نظر استحسان سے نہین دیکھ سکتی۔ اسلیکہ ﷲ ساتذہ کے اشعار کا بہت کم حصہ باقی رہ جائے گا، باقی غلط اور بے محاورہ قرار پاکر پھونک دینے کے قابل ٹھہرے گا اور مجال سخن تنگ ہو جائے گی ؎

من آنچہ شرط بلاغ ست با تو می گویم
تو خواہ از سخنم پند گیر خواہ ملال

مکدر گر نہ گردی با تو گویم
کہ با مشت غبار من چہ کردی

التماس

اے میرے نازک مزاج معترض! تیرا منہ پاؤن تو کچھ اپنی جتی

سناؤن ۔ بیخود ناشاد معترض نہین مجیب ہے اُسپر اتنا عتاب کیسا ۔ اُس سے اتنی برہمی
کیون، تو حُسنِ خطاب مین کوشش کرچکا، مین ردِ جواب مین کاوش کرچکا ۔ جی چاہتا تھا
کہ تو اپنے دل سے اِنصاف کرتا اور دنیا کو تیری دیدہ درائی پر انگشت بدندان ہونیکا
موقع نہ ملتا، مگر خبر نہین کہ تو کیا چاہتا ہے مجھے سال بھر مین یہی دو مہینے (دس جون) ملتے ہین اگر یہ
زمانہ بھی کاہشون مین گزرا تو پھر تو ہی بتا دے کہ سال آیندہ کی بیداد کے تحمل کی کوئی
صورت ہے، اب کے تعطیل کا زمانہ تیری بالک ہٹ کی نذر ہوگیا، کہنے والے کہتے ہین کہ
اعتراض کرنا کیا مشکل ہے، مگر مین ایسا نہین سمجھتا، میرا اعتقاد یہ ہے کہ اگر اعتراض
حقیقی معنی مین اعتراض ہو تو معترض کو اُتنی ہی عرق ریزی اور اُتنی ہی موشگافی کرنی
ہوگی جتنی مجیب کو، اعتراض کا حُسن یہ ہے کہ صحیح ہو، اعتراض کی شان یہ ہے کہ دُنیا
ایک طرف ہوجائے تو بھی نہ اُٹھے، اللہ جانتا ہے کہ مین نے بڑے صبر سے کام لیا
نئے نئے داغ کی سوزش کلیجا پھونکے دیتی تھی، موسم کی گرمی خاک کئے دیتی تھی اور
مین یہ شعر پڑھتا جاتا تھا اور جواب لکھتا جاتا تھا ؎

بسملون سے بھی ناز اُٹھوائے ہائے انداز میرے قاتل کے

اور لکھتا اس نظر سے تھا کہ تو میری خاموشی کو جواب سمجھ کر حیا کی آگ مین نہ جلے میرے احباب
آزردہ نہون، دشمنون کو بیجا طعن کرنیکا موقع نہ ملے، ورنہ اس ارنی کا جواب لن ترانی تھا ۔ تجھے
قسم ہے سچ بتانا کوئی اعتراض بھی اس قابل تھا کہ اُسپر توجہ کیجاتی ۔ دیکھ بیگناہ خاک نشینون
کو نہین ستاتے، مین تجھ سے کہتا ہون اور سچ کہتا ہون ؎

مارا خیال جنگ سر کار زار نیست
ورنہ دل دو نیم کم از ذو الفقار نیست

ناچیز محمد احمد بیخود موہانی

آرگین حجاب بجواب غالب بے نقاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مشاطہ را بگو کہ بر اسباب حسن یار
چیزے فزدن کند کہ تماشا بما رسید

دنیا! ہنگامہ پرست دنیا، دنیا امارہ پرست دنیا، تو ہمیشہ کا فرماجرا یون کا طلسم نظر آئی، خندہ اُمت گریۂ نوح کا ہم آہنگ ٹھہرا، تعلیم کلیم کے ہوتے گوسالہ پرستی نے فروغ پکڑا! شق القمر در رجعت شمس کے مقابلہ مین سحر بابل کا چرچا ہوتا رہا، چراغ مصطفوی کے آگے شرار بولہبی نے سر اُٹھایا! وحی ربانی کے سامنے مسیلمہ کے لایعنے اقوال کا کلمہ پڑھا گیا، اور یہ سب ایک طرف قادر مطلق خدائے لاشریک کی موجودگی مین پتھر کی مورتون کو سجدہ کیا گیا۔ پھر آج جو ہو رہا ہے اس پر

حیرت کیسی اگر کچھ ذرہ ہائے زمین گیر جن کو پستی تحت الثریٰ کیطرف کھینچ رہی ہے لفاظی کی آندھیون کے زور سے نقطۂ عروج آفتاب تک پہونچائے جا رہے ہین تو حیرت کا محل نہین، اور اگر کچھ ستارہ ہائے فلک سیر کمند فریب کے بل پر اوج ثریا سے خاک نناک کیطرف لائے جا رہے ہین تو استعجاب کا مقام نہین، نہ وہ کوشش کامیاب ہے نہ یہ سعی مشکور، ہان عامۃ الناس کے گمراہ ہو جانے کا خوف زبان کو ساکت اور قلم کو گوشہ گیر نہین رہنے دیتا۔

"مدیر نگار" کی رفتار ایک مدت سے قابل حیرت ہے، بعض مضمون نگارانِ نگار کا شعار لائق عبرت ہے، مدیر نگار نے ایسا شگوفہ چھوڑا ہے کہ تبسم اہل ذوق کے لبون سے آشنا ہے، حق کو تقویم پارینہ سمجھنا اور سمجھانا مسلمات کو اقوال مردود سے باطل ٹھہرانا، سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ کر دکھانا ادارت کا معجزہ قرار پایا ہے، مختصر یہ حضرت نیاز فتحپوری کی اداؤن پر دل بے اختیار کہہ اٹھتا ہے ؎

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجاست

آپ خاک نشینون کو ستاتے ہین، مگر جب ترکی بہ ترکی جواب ملتا ہے تو اسے شائع کرتے ہوئے گھبراتے ہین اور سکوت بے جا سے اپنے آپ کو مردۂ صد سالہ کر دکھاتے ہین، اسپر بھی بے نیازی کے راگ کا سلسلہ نہین ٹوٹتا اور داتون کی طرح اعلاے کلمۃ الحق کا دعویٰ دلیل بیزار اور زبان ادب ناآشنا کا ساتھ نہین چھوٹتا جب ہبوط پر اتر آتے ہین تو رقاصہ تو اپنا راگ چھیڑتا اپنا راگ نہ چھیڑ، کی آہنگ نے زوا دشمن صدا مین سامعہ خراشی کرنے لگتی ہین، رقص عریان اور حسن عریان کی حجاب شکن

حیاسوز نوائین صاعقہ پاشی کرنے لگتی ہین، جب صحو کی ٹھانتے ہین تو معلوم ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ کوئی پیغمبر اولوالعزم منبر ارشاد پر محو خطبہ خوانی ہے، جب کچھ اور بلند ہوجاتے ہین تو گمان ہوتا ہے کہ (معاذاللہ) شاہد حقیقت سراپردۂ قدس سے سرگرم لنترانی ہے اور اگر کبھی عروج حد کمال کو پہنچ گیا تو معلوم ہوگا کہ (عیاذاً باللہ) خدا سے الوہیت سلب ہوا چاہتی ہے قصہ کوتاہ ؎

ہر لحظہ بشکل آن بت عیار برآمد

ہردم بہ لباس دگر آن یار برآمد

مدیر "نگار" کے وہ احباب جن کی آنکھوں پر کور سوادی یا محبت نے پردہ ڈال رکھا ہے وہ اِس جلوۂ نیرنگ یا نیرنگ جلوہ پر سجدۂ حیرانی بجالاتے ہین اور اِسے اُنکی ہمہ دانی، روشن خیال ہمہ رنگی اور خدا جانے کن کن نامون سے یاد فرماتے ہین اور نکتہ سنجان دقیقہ رس اِسے طامات و ترہات و خرافات کہکر خاموش ہوجاتے ہین آپ کی تصانیف کے چہرے سے کچھ پردے مولانا نجیب اشرف صاحب ندوی نے اُٹھائے ہین لیکن ابھی بہت سے حجاب باقی ہین جنکے اُٹھ جانے کا وقت آیا ہی چاہتا ہے۔

ایک محفل ہو ایک ہنگامہ ہے، کل خبر آئی کہ حضرت یوسف کے سر سے تاج زیبائی اُتار لیا گیا آج غلغلہ اُٹھا کہ عیسٰی مریم کی خلقت مین جو ابوالبشر (حضرت آدم) کی آفرنیش کا اُچٹتا ہوا جلوہ دکھایا گیا تھا، وہ جلوۂ سراب کی طرح بے بود و بے نمود تھا۔

لیکن آثار بتلاتے ہین کہ غیرت الٰہی کے جوش مین آنے کا وقت آگیا یا آیا ہی

چاہتا ہے، اصحاب کہف کی نیند سونے والے جاگتے جاتے ہین، اور وہ دن دور نہین کہ حضرت نیاز سراپا ناز بنجانے کے بعد ہمہ تن نیاز نظر آئین، اور احباب ذرہ نواز کی دی ہوئی ولایت سلب ہو جائے، آپنے ٹھان لی ہے کہ خدا نے جن سرون پر تاج کرامت رکھا ہے اُن کو برہنہ کردین، مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ ایسے سرون کا کھلجانا انتقام قدرت کی خبر دیتا ہے، اور انتقام قدرت خدا کی پناہ!

"نگار" کے مومن نمبر مین آپنے اور آپکے احباب نے خوب زور قلم دکھایا ہے، انشاء اللہ اسکی تنقید کا وقت آئیگا اور جلد آئیگا۔

مومن اہل نظر کی نگاہ مین اُستاد ہین مگر غالب و میر و سودا کے مقابلہ مین ایسے ہی بے فروغ ہین جیسے ماہتاب کے مقابلہ مین تارا۔ کلیات مومن خود پکارتا ہے:؎

نخل بندم ولے نہ در بستان
شاہدم من ولے نہ در کنعان

خُدا کرے آپ کو لکھنؤ کی آب و ہوا راس آئے، یہان پہونچکر آپ کو حضرت اثر جیسے (جیسے) ہمنوا مل گئے ہین جو آپکے ہر راگ مین آس دیتے رہتے ہین اور ان بادشاہ وزیر نے ملک کمال اہل کمال کیلیے ایسی آگ بھڑکائی ہے جیسی اب سے ہزارہا سال پہلے ایک برگزیدۂ باری کے لیے بھڑکائی گئی تھی۔ مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ دہکتے انگارون کو مہکتے پھولون سے بدل دینے والے کے ہاتھ ابھی شل نہین ہوئے نار ہو کہ بہار اب بھی سب اُسی کے دست قدرت مین ہے۔

"نگار" ماہ فروری ۱۹۲۸ء مین حضرت آرگس نے غالب بے نقاب اور انکے

الہامات شعری کے صحیح خط وخال کے دلاویز عنوان سے ایسا مضمون لکھ مارا ہے جس پر ذوق سلیم جہان تک آنسو بہائے روا ہے اور جسکے چلتے اہل کمال جب تک ہو گوار رہین بجا ہے، اس مضمون مین اس امر کے ثابت کرنے کی ناقبول کوشش کیگئی ہے کہ غالب کے اکثر مضامین مستعار ہین اور اس بحر ناپیدا کنار کے اکثر موتی حاصل دریوزہ گری ہین، اس مضمون کے متعلق اسی فروری کے نگار مین تیسرے صفحہ پر جناب نیاز یون گل افشانی فرماتے ہین :-

"غالب بے نقاب" وہی موعودہ مضمون ہے جس کا ذکر جنوری کے سالہ مین کیا گیا تھا، یہ مقالہ بھی جناب قبلہ آرگس کا ہے جو اس سے قبل حافظ اور ابن یمین کے متعلق آتش افشانی کرکے اپنے کو بجا اور مجھے بالکل بیجا طور پر زمانہ کا نشانہ ملامت بنا چکے ہین، مانا کہ جناب آرگس آرگس شے کی طرح ہزار چشم سہی، لیکن یہ کیا تماشا ہے کہ ان کی ہزار آنکھون مین سے ایک نگاہ بھی صلح جو نہین نکلتی۔ اس مین کلام نہین کہ انھون نے اس مضمون میں انبار بہت کچھ سرمایہ تحقیق سامنے رکھدیا ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ غالب کے بہت سے اشعار ایسے ہین جو اساتذہ قدیم کے خیالات سے متاثر ہونیکے بعد لکھے ہوے معلوم ہوتے ہین مگر یہ بھی ناقابل انکار حقیقت ہے کہ غالب باوجود اس کشف حجاب کے بھی غالب ہے اور اسکے شاعرانہ ابداعات اپنی جگہ بالکل عنصر غیر فانی کی حقیقت رکھتے ہین۔ مجھے اکثر جگہ جناب آرگس سے اختلاف ہے اگر یہ بحث لطیف چھڑ گئی تو اس وقت تفصیل کے ساتھ عرض کرونگا۔ لیکن مجھے ڈر ہے کہ بعض حضرات اس مضمون کو بھی حافظ

اور ابن شیٹین کے مضمون کی طرح میری ہی طرف منسوب نہ کر دیں۔

اتنی سی عبارت میں جو یگانۂ عصر مدعی ادب لطیف (حضرت نیاز کے زور قلم کا نتیجہ ہے مجھے اٹھارہ مقامون کے متعلق کچھ عرض کرنا ہے۔

(۱) جناب آرگس صاحب قبلہ کی جگہ جناب قبلہ آرگس فرمانے سے کونسی لطافت پیدا ہوگئی، کیا سین اور صاد کے قریب المخرج ہونے کی وجہ سے احتراز فرمایا گیا۔ اگر ایسا ہے تو محل پر نظر کرنی ضرور تھی، یہ ایسا ہی ہو گیا جیسے کوئی نجف اشرف کی جگہ نجف معلےٰ کہے۔

(۲) حافظ و ابن یمین والے مضمون مین آرگس بجا طور پر ملامت خلق کا نشانہ کیون ہین اگر وہ مضمون قابل ملامت ہے تو جناب نے اپنے فرائض کے انجام دینے مین کوتاہی کی اور اگر ایسا نہ تھا تو کوئی حرف تیر ملامت نہین ہوا۔

(۳) نشانۂ ملامت کے ساتھ زمانہ کا، لکھنا کیا ضرور تھا، حشویات نہ ضروریات سے ہین نہ مستحسنات سے۔

(۴) مانا کہ جناب آرگس آرگس ہی کی طرح ہزار چشم سہی! اس مین مانا اور سہی کا ساتھ صحیح نہین، دونون لفظ ایک ہی معنی دیتے ہین۔

(۵) پہلا آرگس بھی زائد ہے یہان ضمیر کافی تھی۔

(۶) آرگس ہی کی، یہ ہی کی آواز سامعہ خراش ہے۔

(۷) جناب آرگس کی نگاہ صلح جو نہین تو مضائقہ نہین کاش کج بین و کج نما ہوتی

(۸) اُنھون نے" جہان انھون نے لکھا گیا ہے وہان" اُن کے لیے" لکھنا زیادہ مناسب تھا۔

(۹) خدا جانے اگر غالب کے بہت سے اشعار اساتذہ قدیم کے خیالات سے متاثر ہونیکے بعد لکھے ہوئے معلوم ہوتے ہین تو یہ کونسی نئی یا بُری بات ہے، پڑھے لکھون کی تقریر و تحریر مین متقدمین و متاخرین کی تصانیف کا اثر ہوا ہی کرتا ہے، دیکھنا تو یہ تھا کہ مرزا نے خیالات کو نازک سے نازک تر اور بلند سے بلند تر کر دیا یا نہین۔

(۱۰) آپ کی یہ عبارت بھی نہایت دلکش ہے "اِس مین کلام نہین کہ اُنھون نے اس مضمون مین بہت کچھ اپنا سرمایہ تحقیق سامنے رکھدیا۔" یہ بہت کچھ کے بعد اپنا سرمایہ تحقیق بھی کس قدر لطیف واقع ہوا ہے۔

(۱۱) "سرمایہ تحقیق سامنے رکھدیا ہے" یہ اُس سے بھی زیادہ خوبصورت ٹکڑا ہے

(۱۲) خبر نہین کہ اِس مضمون سے کونسا کشف حجاب ہوا، اسلیے کہ اِس نے تو حضرت آرگس اور جناب کی کم سوادی اور خوش نیتی کا پردہ فاش کر دیا۔

(۱۳) "عنصر غیر فانی" کے ساتھ "بالکل" کی تاکید بالکل غیر ضروری ہے۔

(۱۴) یہ عنصر غیر فانی کیا بلا ہے، اگر عناصر فانی ہین تو سب کے سب فانی ہین اور اگر صرف استحالہ قبول کرتے ہین تو بھی سب کا ایک حال ہے۔

(۱۵) معلوم نہوا کہ اکثر جناب کی زبان پر زیادہ تر کے معنی مین ہے یا کمتر کے معنی مین جیسا عوام کے محاورہ مین ہے۔

(۱۶) آپ اِس بحث کو بحث لطیف کہتے ہین اور دُنیا آپ کا منہ دیکھتی ہے

(۱۷) خبر نہین آپ اس مضمون کے اپنی طرف منسوب ہو جانے سے ڈرتے کیون ہین. خوف کی بات تو مضمون کی بے سروپائی ہے، اور آپ ایسے نقاد کا اُسے نگارستان نگار مین شائع کرنا۔

(۱۸) اور یہ حافظ و ابن یمین کے مضمون بھی، ادب لطیف مین قابل قدر اضافہ ہے، اگر اور عبارت آڑے نہ آتی تو یہ ٹکڑا معما بنکر رہ جاتا۔

ایک زمانہ گزرا کہ نورافشان نے مجھے اس مضمون کی طرف متوجہ کیا تھا اور میرے ہر بن مو سے لبیک کی آواز آتی تھی، مگر مین کچھ ایسے مصائب مین گرفتار تھا کہ اب سے پہلے قلم اُٹھانیکی نوبت نہ آئی۔

اگر حضرت نیاز اور اُن کے محرمان راز تنقید کرنا چاہتے ہین تو بسم اللہ چشم ما روشن دل ما شاد، مگر عوام کے گمراہ کرنے کی ضرورت کیا ہے، آخر زادیہ نشینون کے ستانے اور موت کی نیند سونے والون کے تڑپانے سے حاصل،

مجھ سے بعض حضرات نے بیان کیا تھا کہ نیرنگ (رامپور) مین حضرت سہا مجددی شارح دیوان غالب نے حضرت آرگس کے غالب بے نقاب کی دھجیان اڑادین مجھے بڑی خوشی ہوئی تھی کہ چلو خدا نے اس واجب کفائی سے نجات دیدی، مگر جب اُس مضمون پر نظر پڑی تو بڑی مایوسی ہوئی، مگر چونکہ وہ مضمون نکل چکا تھا، اس لیے مجھے اس سے بھی بحث کرنی پڑی اور مین نے جناب آرگس کا مضمون اور جناب سہا کے مضمون کا خلاصہ نقل کر دیا ہے تاکہ نیرنگ و نگار کی ورق گردانی ضروری نہ ٹھہرے۔

جناب آرگس سے مجھے یہ کہنا ہے کہ غالب کی شان ارفع و اعلیٰ ہے آپ کی اُڑائی ہوئی خاک اُس کے دامن تک نہین پہونچ سکتی، اور ع

بانگلهان هرکه در افتاد برافتاد

اور جناب سہا سے یہ التماس ہے کہ مرزا جہان حضرت آرگس کی تنقید سے بالاتر ہے، وہان جناب کی تائید سے بھی بے نیاز ہے ؎

پایہ بہت کیا بلند اُسنے حریم ناز کا	تا نہ پہنچ سکے غبار رہگذر نیاز کا

اصل مضمون شروع کرنے سے پہلے آرگس کی شرح کر دینا مناسب ہو گا۔

آرگس:۔ یونان کے علم الاصنام کے مطابق آرگس ایک دیوتا تھا جس کے تمام جسم پر آنکھیں تھیں جن مین سے کچھ ہر وقت کھُلی رہتی تھین۔ ہرمیز نے اُسے قتل کر ڈالا اور اُس کی آنکھین دُم طاؤس مین منتقل کر دین۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا	لڑتے ہین اور ہاتھ مین تلوار بھی نہین

جناب آرگس یون اپنی کشتی تنقید کے طوفان خروش سمندمین ڈالتے ہین،

ارشاد جناب آرگس

میرزا نوشہ غالب اپنے ایک قطعہ مین فرماتے ہین

ہر آئنہ معنی سرخوش خاص نطق من است	کز اہل ذوق دل وگوشے از عسل پرداست

ز رفتگان بہ یکے گر توارد م رو داد	ہمان کہ خوبی و آرایش غزل بُرداست

مرا ست ننگ ولے فخر اوست کاین سخن	بسعی فکر رسا جا بلاق محل بُرداست

مبر گمان توارد یقین شناس کہ دزد	متاع من ز نہانخانۂ ازل بُرداست

غالب کا مدعا یہ ہے کہ میرے شعر یا مضمون کا کسی سے توارد ہو جائے تو میرے لیے باعث ننگ ہے مگر اسکے واسطے فخر ہے وہ توارد نہین ہے بلکہ یون سمجھو کہ چور میرا متاع نہانخانہ ازل سے اُٹھالے گیا ہے،" مرزا نے خدا جانے یہ شعر کس عالم مین کہد یے ہین، ہم حیران

ہین کہ یہ ننگ غالب کیلیے اگر واقعی ننگ ہے تو اسکی کوئی انتہا بھی
ہے یا نہین اگر دوسرون کے واسطے وہ اصل فخر ہے تو اسکی حد و نہایت
کیا ہے، کوئی شک نہین کہ دیوان غالب کے چند صفون مین معانی کا بڑا
زخار دریا موجزن ہے، مگر تعجب کی کوئی انتہا نہین رہتی، جب دیکھنے والا
دیکھتا ہے کہ اس دریا کے اکثر چشمے مستعار اور اس بحر ناپیدا کنار کے
بہت سے موتی حاصل دریوزہ گری ہین۔

دیوان غالب اگر بقول ڈاکٹر بجنوری مرحوم ہندوستان کی الہامی اور
مقدس کتاب ہے تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ بعض الہامی کتابون کے الہامات
بھی مستعار ہوا کرتے ہین، یہ دیکھکر کہ غالب کے یہان بہت سے مضامین ایسے
ہین جو دوسرون کے یہان سے لئے گئے ہین، ایک مبصر کی سب سے پہلی
نظر سرقہ اور توارد کی بحث پر جاتی ہے اسلیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے
اصولی نگاہ ان پر ڈالی جائے،

توارد کہتے ہین دو شاعرون کے یہان اتفاقیہ ایک ہی مضمون کا
بلا ارادہ لفظ بہ لفظ یا بہت تھوڑے تغیر کے ساتھ بندھ جانا، مگر یاد رکھنا
چاہیے کہ توارد ہمیشہ مشہور و معروف یا بالکل سطحی مضامین مین ہوا کرتا ہے
باوجود تلاش بھی کوئی ایسا مضمون نہ ملے گا جو دو شاعرون کے یہان
متوارد ہوا ہو اور معروف و مشہور نہو۔

التماس بیخود موہانی غالب کے چار شعر جن پر دیوان ملامت کی بنیاد رکھی گئی ہے وہی
آیۂ فخر غالب ہین اور بلا تشبیہ فاتو بصورۃ من مثلہ کے

ہم آہنگ غالب نے قطعے کے پہلے مصرع مین دعوی کیا ہے کہ ہزار ہا مضامین سروش میرے نطق کے پارے نام ہین، یہ دعوی اس قطعہ سے بھی ثابت ہے کہ مرزا نے پہلی بات تو یہ پیدا کی ہے کہ جس سے توارد ہو وہ جتنا فخر کرے بجا ہے، اسلیے کہ وہ بھی اُس مقام رفیع تک پہونچ سکا جہان میری فکر رسا پہونچی، دوسرا ہوتا تو اتنی ہی کہہ کر اترا تا کہ میرے لیے یہی کیا کم ہے کہ مین بھی وہان پر مار سکا جہان خاقانی و عرفی سا بلند پرواز، آخری شعر تو ایسا کہدیا ہے کہ ندرت خیال سجدہ سے سر نہین اُٹھاتی، بذلہ سنجی، بلا گردی کرتی ہے اور کرنہین جکتی، کہتا ہے کہ حریف میری متاع نہا نخانہ ازل ہی سے لے اُڑا مجھے ابو طالب کلیم ہمدانی ملک الشعرا پایۂ تخت جہانگیری کا قطعہ بھی یاد ہے جو توارد کی معذرت مین کہا گیا ہے، اِن قطعون کا مقابلہ کیجئے تو کھلجاے کہ عوام تو عوام خواص بھی غالب کے ساتھ عنان در عنان چلتے ہوے نظر آتے ہین۔

کلیم ہمدانی

منم کلیم بطور بلندی ہمت | کہ استفادۂ معنی جز از خدا نہ کنم
بخوان فیض الٰہی چو دسترس دارم | نظر بکاسۂ دریوزۂ گدا نہ کنم
ولے علاج توارد نمی توانم کرد | مگر لب بسخن گفتن آشنا نہ کنم

کلیم نے اپنے تخلص سے فائدہ اُٹھا کر پہلے شعر مین چستی پیدا کر دی ہے اور دوسرے شعر کا دوسرا مصرع بھی شاندار کہا ہے، مگر تیسرا شعر شعر نہین مسمی ہے اور مختصر یہ ہے کہ (ع) چراغ مردہ کجا شمع آفتاب کجا:

جناب آرگس فرماتے ہین کہ مرزا کے ہان توارد ہے اور اسقدر ہے کہ اسکی کوئی انتہا نہین، سرقہ بھی اس حد کا ہے کہ خدا کی پناہ۔ مجھے یہ قول نہایت دلکش

معلوم ہوا اسلیے کہ ایسا انداز تحریر اختیار کیا گیا ہے کہ دیکھنے والے کی نظر مین مرزا کی کچھ وقعت ہی نہ رہے، لیکن عجب تماشا ہے کہ حضرت آرگس نے مثال سرقہ و توارد مین مرزا کے ۱۴۵۶ اشعار مین سے صرف ۱۰۷ شعر پیش کیے ہین، کیا اکثریت کے یہی معنی ہین۔ مجھے کہنا تو بہت کچھ ہے مگر یہان صرف اتنا عرض کرونگا کہ سرقہ کا تو ذکر ہی بے محل ہے، اِن مین سے شاید سات شعر ایسے نکلین جن پر توارد کا اطلاق ہو سکے، اور مرزا نے یہ قطعہ ہجو اسی کی حالت مین کہا ہو یا حواسون کی حالت مین حق یہ ہے کہ حقیقت نگاری کا حق ادا کر دیا ہے۔

جناب آرگس فرماتے ہین:۔

"کیا الہامی کتابون کے بعض الہامات بھی مستعار ہوا کرتے ہین"

اِس ارشاد سے بھولے پن کی ادا نکلتی ہے، بندہ پرور حقائق بدلا نہین کرتے اور الہامی کتابون مین الہامات مستعار ہوتے ہین مگر الہامی کتابون سے ما و شما کی ہفوات سے نہین۔ اور الہامی کتابین تو خیر الہامی کتابین ہین، وحی ربانی بھی توارد ہوتی ہے انجیل مقدس اور قرآن معظم کو پڑھیے تو وحی آسمانی بھی بعض مقامات پر متوارد نظر آئے گی خود قرآن مجید صحف ابراہیم و موسے وغیرہ کے واقعات دہراتا ہے، اسکے سوا قرآن حکیم بھی اکثر احکام و واقعات کا اعادہ کرتا ہے۔

آگے بڑھ کر حضرت آرگس نے سرقہ کے متعلق اظہار خیال فرمایا ہے، مگر اختصار مفرط کے ساتھ اور اس بحث کا دار و مدار اسی پر ہے، اسلیے مین حدائق البلاغہ کے سرقات شعریہ کا مقام لکھے دیتا ہون، تاکہ ہر کس و ناکس بآسانی فیصلہ کر سکے۔

سرقاتِ شعریہ

اگرچہ متکلمین مین اغراض و مسلمات کے متعلق اتفاق واقع ہو، مثلاً اخلاق فاضلہ کی توصیف اور اخلاق ردیہ کی مذمت مین تو اسے سرقہ سے کوئی تعلق نہین اسلیے کہ یہ امور ہر خاص و عام کی عقل و عادت مین راسخ ہو گئے ہین اور فصیح و غیر فصیح سب اس مین شریک ہین، ہان اُن چیزون مین سرقہ کو دخل ہو سکتا ہے جو ان اغراض کی طرف رہنمائی کرتے ہین، مثلاً تشبیہ استعارہ وغیرہ، لیکن بعض تشبیہین اور استعارے انتہائے شہرت کی بنا پر سب کے عقول و عادات مین جاگزین ہو چکے ہین اور خود اغراض و مسلمات کا حکم پیدا کر لیا ہے، مثلاً مرد شجاع کی تشبیہ شیر سے۔ سرقہ کی دو قسمین ہو سکتی ہین۔

(۱) سرقۂ ظاہر (۲) سرقۂ غیر ظاہر

قسم اول سرقہ یہ ہے، کہ کسی کا شعر لفظ و معنی مین تغیر کیے بغیر بجنسہ لیلین اسے انتحال و نسخ کہتے ہین اور یہ سرقہ بہت مذموم و معیوب ہے، مثلاً خواجہ حافظ کی یہ غزل اول سے آخر تک سلمان ساوجی کے یہان بغیر تغیر لفظی و معنوی ملتی ہے، ؎

ز باغ وصل تو یابد ریاض رضوان آب ز تاب ہجر تو دارد شرار دوزخ تاب

صاحب حدائق کا قول :-

" اس قسم کا سرقہ شعرائے صاحب قدرت بالارادہ اختیار نہین کرتے "

قسم دوم۔ مضمون پورا پورا لے لین اور تمام یا بعض الفاظ کے ہم معنی الفاظ لائین

؎ میل خم ابروے توام پشت دوتا کرد در شہر چو ماہ نوم انگشت نما کرد جلی

بار غم عشق تو مرا پشت دو تا کرد   در شہر چو ماہ نوم انگشت نما کرد   حزین

قسم سوم: مضمون شعر تمام یا بعض الفاظ کے ساتھ لے لین اور ترتیب نظم بدل دین اسے اغارہ اور مسخ کہتے ہین ؎

سرو گفتم کہ ببالائے تو ماند لیکن   نتوانم کہ ازین شرم ببالا نگرم   خسرو

سرو گفتم قد ترا وز شرم   ؎ ببالائی توانم کرد   جامی

شعر جامی بسبب اختصار بہتر ہے اور اگر دوسرا شعر برابر ہو تو پہلے کو ترجیح ہوگی اور اگر دوسرا پہلے سے پست ہو تو مذموم ہے۔

چہارم۔ تمام مضمون لے لین اور لفظون کا نیا لباس پہنا دین، اس قسم مین بھی اگر شعر ثانی زیادہ معنے خیز ہے تو ممدوح و مقبول ہے، برابر ہے تو پہلے کو ترجیح ہے اور پست ہے تو مذموم و معیوب ہے۔

سرقۂ غیر ظاہر

اس کی بھی کئی قسمین ہین۔

(۱) دونون اشعار کے مضمون مین تشابہ پایا جائے اور شاعر وہی ہے جو اخفائے تشابہ مین کوشش کرے

ترجمہ شعر جریر "ان لوگون کے عمامہ پوش ایسے ہین جیسے اُن کے مقنعہ پوش (بوڑھے ہین)"

ترجمہ ابو طیب۔ "ان لوگون مین سے جس کے ہاتھ مین نیزہ ہے، وہ ایسے شخص کے مثل ہے جسکے ہاتھ مین رنگ حنا ہے (ما آل ایک ہے)"

(۲) شعر ثانی کا مضمون عام تر ہو۔

شکایت از دل سنگین یار نتوان کرد | کہ خویشتن زدہ ام آبگینہ بر سندان | سعدی
من خود گرہ بکار خود اندا ختم نہ تو | زین پیش ہا سنت گرہے در جبین نبود | وحشی

(۳) دوسرا شعر پہلے کی ضد ہو ؂

اینکہ زہ ناقہ لیلی دو سہ گامی بغلط | آسمان تا چہ بلا بر سر مجنون آرد | ؟
بغلط ہم نزود بر سر مجنون لیلے | عاشق این بخت ندارد سخنے ساختہ ام | شغائی

(۴) مضمون شعر اول کے بعض حصوں کو لے لیں اور وہ چیزیں جن سے حسن کلام میں ترقی ہوتی ہے بڑھائیں ؂

کودک از سرخ و زرد بشکیبد | مرد را سرخ و زرد نفریبد | سنائی
مرد از پے لعل و زر نپوید | طفل است کہ سرخ و زرد جوید | خاقانی

قول فیصل از صاحب حدائق البلاغہ باتفاق جمہور

" سرقہ غیر ظاہر کی جن اقسام کا ذکر کیا گیا ہے، وہ بلغا کے نزدیک مقبول ہیں اور ان پر سرقہ کا اطلاق روا نہیں "

علاوہ ازیں خود جناب آرگس فرماتے ہیں،

" دراصل سرقہ وہی ہے کہ کسی کا خیال لے لیا جائے اور بغیر کسی ترقی کے اپنے یہاں باندھ لیا جائے "

صرف سرقہ ظاہر کی پہلی قسم یعنی کسی کا شعر بغیر تغیر لفظی و معنوی لے لینا جائز ٹھہرا اور اسکے لیئے بھی یہ فیصلہ ہے کہ شعرائے صاحب قدرت اسے بالارادہ اختیار نہیں کرتے مگر جائے حیرت ہے کہ جناب آرگس نے مرزائے مظلوم کے یہاں اپنے اس ارشاد کو فراموش کر دیا۔ اگر اسی کلیہ کو معیار قرار دیکر نظر انتقاد ڈالی جاتی تو، ۱۰ شعر میں

سات شعر بھی حاصل دریوزہ گری نہ ٹھہرتے،

جناب آرگس اُسوقت اپنے باکمالون کو مٹانے کا بیڑا اُٹھاے ہین جب نیا اپنے بے کمالون کے اُچھالنے مین ایڑی چوٹی کا زور لگارہی ہے فاعتبروا یااولی الابصار۔

جناب آرگس نے علامہ غلام علی آزاد بلگرامی اعلی اللہ مقامہ کے خزانہ عامرہ (تذکرہ سرو آزاد) کو نصیب دشمنان کردیا مگر افسوس خود خالی ہاتھ ہے، آگے بڑھکر ملا فیروز اور ملا شیدا کی داستان دوہرائی حقیقۃً داستان پرلطف ہے مگر رونا اسکا ہے کہ مرزا غالب ملا شیدا کی طرح سرقہ کے سہارے جیتے ہون یا نہ جیتے ہون، جناب آرگس ملا فیروز کی طرح سخن فہم اور صاحب نظر ثابت نہ ہوسکے۔

یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ جناب آرگس غالب کے اشعار کو حد سرقہ مین نہین لانا چاہتے بلکہ ڈاکٹر بجنوری مرحوم پر غصہ آگیا ہے، اسلیے کہ جناب مغفور نے کہین مقدمہ دیوان غالب مین لکھدیا تھا کہ

"غالب کسی خیال کا اعادہ نہین کرتے۔"

لیکن آپکا داب تکلم آپ کی تکذیب کرتا ہے اور الحمد للہ کلام غالب خود آپ کی کوششون پر پانی پھیر دینے کے لیے کافی ہے

آپ یہ بھی فرماتے ہین

"مین جب دیوان غالب اردو کو دیکھتا ہون تو میری نگاہ اولین اسکو چار حصون مین منقسم کردیتی ہے۔

ایک جزو وہ جو متقدمین و متاخرین و معاصرین غالب کے کلام سے ملجاتا ہے

دوسرا وہ جس میں خود غالب نے اعادہ اور تکرار مضامین سے کام لیا ہے۔
تیسرا وہ جس کو منکر سخن وران کامل آسان کہنے کی فرمائش کرتے ہیں۔
چوتھا وہ حصہ جو صرف مرزا کے دماغ کا نتیجہ ہے۔ لیکن یہ حصہ بہت مختصر ہے۔"

اس نگاہ اولین کے صدقے جائیے، اگر نگاہ آخرین ہوتی تو خدا جانے کیا قیامت ڈھاتی، حصہ اول کو نگاہ عامیانہ سے نہ دیکھیے اور جدت وندرت پر نظر ڈالیے تو مرزا کی جگر کاویون کی داد دیتے اور اپنی بیراہ روی پر سر بگریبان ہوتے بن پڑے مگر آپ کی نظر میں تو:۔

شمار سبحہ مرغوب بت مشکل پسند آیا — تماشائے بیک کف بردن صد دل پسند آیا
بگوشم این صدا از مقری تسبیح می آید — کہ صد دل مضطرب گردد چو یک دل بیدآرامی
دہر مین نقش وفا وجہ تسلی نہ ہوا — ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندۂ معنی نہ ہوا
یاد وفا خود نبود در عالم — یا مگر کس درین زمانہ نکرد
گلہ ہے شوق کو دل میں بھی تنگی جا کا — گہر میں محو ہوا اضطراب دریا کا
دل آسودۂ ما شور دریا در نظر دارد — گہر در دیدہ است انجاز بان موج دریا را

وغیرہ سب ایک ہی ہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

کاش آپ یہ بتا دیتے کہ وہ حصہ جس میں غالب نے اعادۂ مضامین کیا ہے اس میں کتنے شعر ہیں اور تیسرا حصہ جسے منکر سخنوران کامل آسان کہنے کی فرمائش کرتے ہیں کیا وہ مرزا کی دماغ سوزیون کا نتیجہ نہیں ہے، میرے نزدیک وہ منتہیون کے درس میں داخل کرنے کے قابل ہے چوتھا حصہ جسے آپ خاص مرزا کا طبعزاد

بتاتے ہین، کاش آپ بتا دیتے اور بتا سکتے کہ وہ دیوان کا کون حصہ ہے۔

خاتمۂ تمہید مین ارشاد ہوا ہے

" مومن، ذوق، آتش، ناسخ تھوڑے سے تقدم وتاخر کو ملحوظ رکھتے ہوے غالب کے ہمعصر ہین۔

اِن کے اور غالب کے توارد خیالات مین شناخت نہین ہوسکتی کہ اصل مالک کون ہے، مگر یہ دعوی سراسر بے دلیل ہے کہ وہ سب غالب کی ملک ہین یہ بھی ہوا ہے کہ متقدمین کے کسی جزو خاص سے غالب نے فائدہ اُٹھایا ہے مگر یہ استفادہ استحصال بالجبر سے زیادہ حیثیت نہین رکھتا، زبان عام اور محاورات خواص کی عدم پابندی، دلی اور لکھنو کی زنجیر تقلید سے آزادی کے باوجود بھی خزانہ ادب اردو کو مالامال کرتے اور دفتر شعر ہندی کو نگارخانۂ چین بنانے کا غالب کو ہمیشہ خیال رہا۔ اسی وجہ سے اُنھون نے دوسرون کے خیالات خوان یغما بنا کر آپ کے سامنے رکھدیئے ہین، بہرحال حقیقت جو بھی ہو ہم اپنی جستجو کی بنا پر یہ ظاہر کرنا چاہتے ہین کہ غالب کے اکثر ملہمات مستعار ہین "

التماس بیخود ناشاد یہ ارشاد کہ معاصرینِ غالب مین ابداع مضمون کا سہرا کس کے سر ہے اور اِن کا اصل مالک کون ہے اور یہ دعوی کہ سب کے مالک غالب ہین سراسر بے دلیل ہے " اُس وقت تک قابل اعتراض نہین جب تک کوئی دلیل قاطع قائم نہ کیجائے، لیکن اگر غالب نے متقدمین کے کسی جزو خاص سے فائدہ اُٹھایا تو وہ استحصال بالجبر کیون ہے، مولانا ذرا زبان عام اور

محاورات خاص کی شرح فرمادیجیے تو میر و سودا و دردؔ کی زبان سے جواب دلوایا جائے
حقیقت یہ ہے کہ مرزا اساتذۂ قدیم دہلی کی طرح فارسی محاورون کا اردو مین ترجمہ
کرنا جائز جانتے تھے ابداع ترکیب کو اپنا حق سمجھتے تھے، اُس لفظ کا رکھنا واجب سمجھتے
تھے جس کو محل چاہے اور یہی منتہائے بلاغت ہے، مرزا کے یہان کسی ایسے لفظ کے
استعمال کو نگاہ اعتراض سے دیکھنا غلطی ہے جو اُن کے معاصرین کے کلام مین نظر آتا ہو،
اب یہ کہنا کہ حضرت ذوق کے دیوان مین یہ لفظ نہین، جناب ظفر کے یہان نہین
ملتا، یہ کوئی جواب نہین، معاصرین ایک دوسرے کے مقلد نہین ہوا کرتے کسی کو
محاورہ کی چاشنی کا پسکا ہوتا ہے، کسیکو ابداع تراکیب کا، ہان یہ ضرور دیکھنا چاہیے کہ
اس عہد کے شعرا اور اہل قلم کی تحریرون مین اس لفظ خاص کا وجود ہے یا نہین آپنے
لکھنؤ والون کے خوش کرنے کے لیے غالب کے باب مین لکھنؤ کی تقلید سے آزادی کا
ذکر کیا ہے، مگر نکتہ سنجان لکھنؤ ایسے سادہ مزاج نہین کہ یہ فریب اُن پر چل جائے،
اُن کو خوب معلوم ہے کہ اُس زمانہ مین دلّی والے کسی کی تقلید کا تو ذکر کیا ہے، اپنی تقلید
سے آزاد ہو جانے والے اور قلادۂ بیعت اُتار پھینکنے والے کو باغی سمجھتے تھے، دلّی
کی سلطنت کے قلعہ معلے تک محدود ہو جانے، اور لکھنؤ کی حکومت کے برسر اقتدار ہونے
کی وجہ سے اساتذہ دہلی نے اگر کوئی بات اپنے مرتبہ سے گری ہوئی کی ہو یا دلّی اُجڑ
چکنے کی دلّی کی تباہی سے متاثر ہونے پر دلّی مین خاک اڑنے کا ماتم کیا ہو، قابل اعتنا
نہین اور نہ کوئی صاحب دل اسے محل استدلال مین پیش کر سکتا ہے جہان آزردہ؟
مومن، ذوق اور غالب باکمال موجود ہون وہان یہ کیا نہین اور کیا ان لوگون
سے کسی غیر کے آستانہ پر سر جھکانے کی توقع رکھی جا سکتی تھی، غالب نے اُساتذہ ایران و ہند

سے کے خیالات کو خوانِ یغما بنایا ہے کہ نہیں، انشاء اللہ اس کا فیصلہ اسی مضمون مین ہو جائے گا، لیکن اگر چراغ سے چراغ جلانا بھی گناہ ہے تو مین دکھونگا کہ کسی زبان کے پہلے شاعر کو چھوڑ کر آپ کسی اور شاعر کو پیش بھی فرما سکتے ہین۔

جناب آرگس کا خیال یہ ہے کہ غالب خزانہ اردو کو مالامال کرنا چاہتے تھے مگر کس حالت مین جب کہ وہ زبان عام اور محاورۂ خاص کی پابندی نہ کرتے تھے اور صاف لفظون مین کر نہ سکتے تھے، پھر اسکے سوا اور ممکن ہی کیا تھا کہ دوسری زبانون کے خیالات خوان یغما بنا کر رکھ دیتے، اللہ اکبر اس سے زیادہ سنگدلی اور عداوت کیا ہوگی، کہا جاتا ہے کہ مرزا غالب نہ زبان پر قدرت رکھتے تھے نہ محاورہ پر، نہ مضمون آفرینی ان کے بس کی تھی، اب رہ کیا گیا، اس حالت مین غالب محض شعبدہ باز نظر آتے ہین۔

اب مین تمہید ختم کیا چاہتا ہون مگر اتنا اور کہہ لون کہ حضرت آرگس کو مرزا غالب محمد حسین آزاد۔ خواجہ حافظ۔ سب کی خیانت، سب کا سرقہ نظر آیا مگر اپنی خوش فہمی پر شبہہ کرنے کا موقع نہ ملا۔ آپ نے سرو آزاد، آزاد مغفور کے بعض مقامات کا بھی ذکر فرمایا، مگر علامہ بلگرامی نے سرقہ اور توارد کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اسے غلط انداز نظر سے بھی نہ دیکھا اور دیکھا تو پھر خدا جانے کہ اس بے سروپا مضمون کے شائع فرمانے سے احتراز کیون نہ فرمایا۔

مین نواب صدیق حسن خان صاحب کے تذکرۂ شمع انجمن سے صفحہ ۲۰۴ و ۲۰۵ کی عبارت کا خلاصہ لکھے دیتا ہون۔

علامۂ غلام علی آزاد سرو آزاد مین تحریر فرماتے ہین:۔

"سلیم نے صائب کے نام کی تصریح کی ہے مگر اہل نظر جانتے ہین کہ صائب صاحب قدرت اور اہلِ بضاعت ہے، کہین ہو سکتا ہے کہ متاع غیر پر نظر ڈالے"

علامۂ تفتازانی مطول مین فرماتے ہین :-

"سرقہ کا حکم اُس وقت لگایا جا سکتا ہے، جب اس امر کا یقین ہو کہ شعر ثانی شعر اوّل سے ماخوذ ہے اور جب اخذ کا علم نہ ہو تو یہ کہنا چاہیے کہ فلان شاعر اس مضمون کو پہلے کہہ چکا ہے اور اس حسن تعبیر کا نتیجہ ہوگا کہ انسان فضیلت صدق سے محروم نہ رہے گا، مدعی علم غیب ہوگا، دوسرے شخص کو نقص سے منسوب کرے گا۔ انتہی

اور اگر کوئی بہ نگاہ تفتیش دیکھے تو شاید ہی کسی شاعر کو توارد مضامین سے محفوظ پائے اسلیے کہ تمام معلومات پر حاوی ہونا خاصہ علم باری ہے، بے یون کہ خامہ معنی نگار اندھیرے مین تیر مارتا ہے اُسے کیا خبر کہ اُس کا نشانہ کوئی مرغ آزاد ہے یا طائر پر بستہ :

جامی بہارستان مین سلمان ساوجی کے متعلق لکھتے ہین :-

وہ سلاست زبان و نزاکت معنی مین بے عدیل ہے اُس نے اساتذہ کے قصائد کا جواب لکھا ہے جن مین بعض قصیدے نقش اوّل سے بہتر بعض پست بعض مساوی ہین، وہ خود بڑا معنی آفرین ہے اور اکثر اساتذہ کے مضامین نظم کر گیا ہے مگر نقش اوّل سے نقش ثانی زیادہ دلکش ہو اسلیے طعن کا محل نہین ہے

شاہد معنی کہ باشد جامۂ لفظش کہن   نکتہ دانی گر حریر تازہ پوشاند خوش است

یہ قول بھی صحت سے دست و گریبان نہین کہ توارد ہمیشہ سطحی اور مشہور و معروف مضامین
مین ہوا کرتا ہے، کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ؎

زباغ وصل تو یابد ریاض رضوان آب   ز تاب ہجر تو دارد شرار دوزخ تاب

بلائی دو چشمت حشم پاشانستہ   چو قبیلہ گرد لیلیٰ ہمہ جا نشستہ

اور وہ صدہا شعر جو اساتذہ مسلم الثبوت مین متوارد ہوے ہین وہ سب مشہور و معروف یا
سطحی مضامین کے گنجینہ دار ہین،

حضرت آرگس کے مضمون کا دو حرفی جواب

جے اغراض و مسلمات (مبحث عنوان) اور مفہوم شعر مین امتیاز نہو جیسے تشبیہ و استعارہ مشہور
ضرب المثل و مثل اور مضمون شعر مین فرق نظر نہ آے اسکا جواب اخبار خاموشی ہے مگر
حضرت آرگس کے مضمون سے جن لوگون کی گمراہی یقینی ہے ان کے لیے ایسا مختصر جواب
کافی نہین اسلیے ہر ایک بات کا سادہ سادہ جواب دینا ضروری ہے۔

اب مین جناب آرگس اور جناب سُہا کے مضمون کو تنقید کی کسوٹی پر کستا ہون۔

مرزا غالب

عشق سے طبیعت نے زیست کا مزا پایا   درد کی دوا پائی درد بے دوا پایا

مولانائے روم

مرحبا اے عشق خوش سودائے ما   اے طبیب جملہ علت ہاے ما

ملا ظہوری

شد طبیب با محبت منتش بر جان ما   محنت ما راحت ما درد ما درمان ما

ارشاد جناب آرگس:

"ظہوری اِس خیال کو اس طرح ادا کر چکا تھا مضمون اور طرز ادا دونوں ایک ہیں اِس مضمون کو مولانائے روم نے یوں ادا کیا ہے"

حضرت آرگس نے سرقہ کے متعلق جمہور کا وہ قول فیصل فراموش کر دیا جسے خود بھی تسلیم کیا تھا۔ اور جسے مرزا غالب کا بھی مسلک بتایا تھا۔ آپکے انداز تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ ظہوری نے طائے روم سے اور غالب نے ظہوری سے سرقہ کیا۔ میرا خیال یہ ہے کہ مولانائے روم نے عشق کا خیر مقدم کیا ہے اور اُسے تمام بیماریوں کا معالج قرار دیا ہے۔ لفظ "مرحبا" (خوش آمدید) سے ایک آنے والے کی چلتی پھرتی تصویر دکھا کر بیان واقعہ کو واقعہ کر دکھایا ہے مگر شعر حکیمانہ ہو کر رہ گیا ہے، اِس لیے کہ جملہ علتہا کا مفہوم اوصاف ذمیمہ بشری تک پہونچکر رہجاتا ہے، یعنی لے عشق تو انسان کو تمام اخلاق ردیہ سے پاک کر دیتا ہے اور بس۔

التماس تیخود موہانی

اب ظہوری کے شعر پر نظر ڈالیے:۔

"محبت مجھ بیمار کے علاج کی طرف مائل ہوئی، میں دل و جان سے اُسکا منت گزار ہوں، محبت میری تکلیف میری راحت میرا درد میرا درماں ہے"

ظہوری نے اس مفہوم کو اتنے ٹکڑوں کے اضافہ کے ساتھ بیان کیا۔

"منتش بر جان ما۔ محنت ما۔ راحت ما۔ درد ما"

ظہوری نے محبت کی کرشمہ سازیاں اور اُن سے اپنے شگفتہ ہونے کی حالت بیان کی اور اس طرح کہ مرتبۂ کرامت کو پہونچ گئی۔

اب رہا غالب کا شعر وہ ظہوری کے شعر سے کہیں بالاتر ہے۔ مرزا نے یہ بتایا

کہ جبتک عشق نہ ہو زندگی بے کیف ہے۔ دوسرے مصرع مین اور ترقی کی یعنی ابھی تک زندگی کو صرف بے مزہ کہا تھا، اب کہتا ہے کہ زندگی بے کیف ہی نہ تھی، بلکہ درد تھی اور درد بھی ایسا جس کی دوا عشق کے سوا کچھ اور بھی ہی نہین، مگر یہ دوا ہے کیسی، خود ایک درد لا دوا۔ ظاہر ہے کہ عشق مجازی ہو یا حقیقی، بہرحال لذت زندگی کا کفیل ہے، اور اہل تحقیق جانتے ہین کہ محبت کا جذبہ فنا ہو جائے تو انسان کہنے کو زندہ حقیقت مین مردہ ہے ؎

مری تصویر میں ہے تربت مرقد ہی تن میرا کبھی تھا تو ابھی دنیا مین لیکن اب کہان ہم ہین

(بیخود موہانی)

غالب کے شعر مین دو باتین ظہوری کے شعر سے زیادہ ہین۔ خود زندگی کو درد قرار دینا، جہان محبت درمانِ دردِ زیست ہے وہین درد لا دوا بھی ہے، اب خیال عشق کے غیر فانی ہونے کی طرف فوراً منتقل ہو جاتا ہے، جناب آرگس اور جناب سہا کو مضمون کے ارتقائی مدارج دکھانا تھے۔ جناب آرگس تو اسے سرقہ کہکر چلتے بنے، جناب سہا نے ملائے روم اور ظہوری کے اشعار کو تقیناً کی تاکید کیساتھ ہم مضمون کہا اور خیال کو پامال اور مبتذل بتایا۔ مگر میرا خیال یہ ہے کہ اگر غالب کے شعر مین فلسفیت اور شعریت نظر آتی ہے تو ملائے روم کے شعر مین حکمت اور ظہوری کے شعر مین حکمت و شعریت جلوہ دکھاتی ہے جب اتنی ترقیان موجود ہین تو شعر کو چربہ کہنا غلطی ہے ؎

شمار سبحہ مرغوب بتِ مشکل پسند آیا تماشائے بیک کف بردن صد دل پسند آیا (غالب)

بگوشم این صدا از مغزِ تسبیح می آید کہ صد دل مضطرب گردد چو یکدل یار را باید (غنی)

آرگس۔ غالب کے شعر مین جا شمار گرما تیک کف بُردن صد دل ہے اور ہی

غنی کے ہان سے لیا گیا ہے:

خلاصہ ارشاد سُہا۔

"غالب محبوب کی دلبری کو تسبیح صد دانہ سے تشبیہ دیتا ہے۔ غنی کشمیری دانون کی اُلٹ پھیر سے تمثیل کرتا ہے کہ اگر دنیا مین ایک شخص کو سکون میسر آتا ہے تو سو دون کے اضطراب کے معاوضہ مین۔ ممکن ہے کہ غنی کی تمثیل کبھی یا کہین صادق آجائے مگر بالالتزام ایسا نہین ہے بلکہ اس تمثیل نے خود شعر کا مفہوم 'مہمل سا' کر دیا ہے یعنی مقری تسبیح سے یہ آواز آتی ہے کہ ایک دل اگر آرام پاتا ہے تو سو دل بےچین ہو جاتے ہین، اب خدا ہی جانے 'مقری تسبیح' کی صدا مین کس ایک دل کے آرام، اور کن سو دلون کے اضطراب کا پیغام ہے، پھر مقری تسبیح نہین معلوم کوئی محبوب چہاردہ سالہ پارسا ہے یا زاہد صد سالہ، کیونکہ ہر دو کی شخصیتون کا تعین مفہوم مین معین نہین ہو سکتا ہے، مزید بران مقری تسبیح کی ترکیب کیسی بھدی اور غیر مانوس ہے اور سب سے آخر مین یہ بات کہ تسبیح بالجہر قطعاً غیر معمول ہے' میرے نزدیک تو غنی کا شعر لفظی اور معنوی دونون اعتبار سے ناقص اور لغو سا ہے، برخلاف اس کے غالب کا شعر محبوب کی ایک ادائے ناز کا آئینہ دار ہے، دانہ و دل کی تشبیہ عام ہے۔ تشبیہات کسی شاعر کی ملک نہین ہوتے"

بیخود۔ جناب آرگس سے تو اتنا ہی کہنا ہے ع خاموشی از ثنائے تو حد ثنائے تست

ایک بے سر و پا بات کہہ دی اور آگے بڑھ گئے، غنی اور غالب کے اشعار مین صد دل کا ٹکڑا مشترک ہے، اتنی سی بات پر کسی کو سارق کہہ دینا آپ ہی پر زیبا ہے

اس ارشاد سے لازم آتا ہے کہ ہر شاعر و نثار کو اپنے لیے نئے الفاظ تراشنا چاہیے۔

لیکن جناب سُہا نے تو قیامت ہی کردی، واقعہ یہ ہے کہ غنی کے یہان ایک دعویٰ ہے کہ سو دل بیچین ہو لیتے ہین جب کہین ایک دل آرام پاتا ہے، اور اسے تسبیح کے سو دانون کے ضطراب اور امام تسبیح کے سکون کی تمثیل سے ثابت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میرا معشوق مشکل پسند ہے، آسان کام اُسے بہاتا نہین، اُسے شمار تسبیح صرف اِس لیے پسند آیا کہ جس طرح وہ خود ایک ایک ہتھے مین سو سو دل لے اُڑتا ہے اسی طرح تسبیح پڑھنے والا بھی سو دانون پر ایک بار ہاتھ پھیر لیتا ہے۔ یعنی معشوق نے شمارِ تسبیح کو صرف اسلیے پسند کیا کہ اُس کی دلربائی کا انداز اِس مین نکلتا ہے

جناب سُہا نے غنی کے شعر پر تیرباران کیا ہے، مگر افسوس ہے کہ ہر تیر نے خطا کی اور غنی کے شعر کی جگہ حضرت سہا کی قابلیت بُری طرح مجروح ہوگئی، اور اب اُس کی حالت بالکل ایسی نظر آتی ہے، جیسے کوئی لاش تیرون پر ٹھہری ہو۔

جہان تک مین سمجھتا ہون حضرت سہا کی بیراہ روی کا مجرم صاحب غیاث اللغات ہے۔ غیاث مین مقری کے صرف دو معنی لکھے ہین۔ پڑھنے والا۔ وہ شخص جو بچون کو قرآن پڑھائے۔ اسلیے کہ انھین دو معنون کی جھلک اِس ارشاد مین نظر آتی ہے

"پھر مقری تسبیح نہین معلوم کوئی محبوب چار دہ سالہ پارسا ہے یا زاہد صد سالہ"

اگر جناب سہا نے بہار عجم پر نظر ڈالی ہوتی تو یہ عبارت اور شعر نظر آتا۔

"مقری تسبیح و مقری سبحہ بضم مہرہ کلانے کہ بر سر تسبیح باشد و آنرا در عرف امام تسبیح و اہل ہند سمیر خوانند"

"محض شہرت ہنرمندی کس گجنت نیست — کسی از مقری تسبیح اذان نشنیدست" تمنا تبریز

تسبیح بالجہر کا ذکر بے محل ہے۔ اسلیے کہ امام تسبیح نے غنی سے جو کچھ کہا ہے،
زبان حال سے کہا ہے۔ برائے خدا یہ تو ارشاد ہو کہ مقری تسبیح کی ترکیب بجدی کیون
ہے، کونسا قاعدہ آپکے اِس قول کی تائید کرتا ہے اس ترکیب کو غیر مانوس کہنا بھی
کوتاہیٔ نظر کی دلیل ہے۔

دہر مین نقش وفا وجہ تسلی نہ ہوا — ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندۂ معنی نہوا — غالب

یا وفا خود نبود در عالم — یا مگر کس درین زمانہ نکرد — سعدی

آرگس :۔ "غالب کا یہ شعر سعدی کے اِس شعر سے لیا گیا ہے۔"

بیخود :۔ جناب سعدی نے بڑی سادگی سے فرمادیا کہ یا تو وفا دنیا مین کبھی تھی
ہی نہین۔ یا ہمارے زمانہ مین کسی نے نہ کی۔ اور غالب نے اس عامۃ الورود مفہوم کیلیے
ایک نیا پیرایۂ بیان پیدا کیا ہے۔ پہلے وفا کو نقش (تعویذ کے معنون پر) کہا اور کہا کہ
اس سے کبھی تسلی نہوئی، دوسرے مصرع مین اُسے لفظ بے معنے کہا یعنی کوئی وفادار
نہ نکلا، جس پر اس لفظ کا اطلاق صحیح ہوتا۔ اگر حضرت آرگس اسے بھی سرقہ کہتے ہین تو
پھر بات کرنا مشکل ہو جائیگا

مین نے چاہا تھا کہ اندوہ وفا سے چھوٹون — وہ ستمگر مرے مرنے پہ بھی راضی نہوا — غالب

خواستم آتش دل را بنشانم بہ سرشک — آنقدر ہم جگر سوختہ ام آب نداشت — عالی شیرازی

آرگس :۔ "دونون خیال بظاہر جدا ہین، مگر انداز بیان اور مقصد شعر دونون
ایک ہین"

سہا :۔ "کیا آتش دل اور اندوہ وفا ایک ہی چیز ہے، کیا جگر سوختہ ام، اور وہ ستمگر ایک ہی شخص کے دو نام ہین؟ اور کیا۔ اضی نہوا، آب نداشت کے ایک ہی معنی ہین؟ پھر مرنے، چھوٹون، اور نشانم بہ سرشک کسی کتاب لغت مین ہم مفہوم ہین۔ غالب کا شعر محبوب کی انتہائی ستمگری ظاہر کرتا ہے اور حالی کے شعر مین اپنی ہی مجبوری کا اظہار ہے۔ علاوہ ازین حالی کے شعر سے مترشح ہوتا ہے کہ گویا جگر سوختہ بھی پانی کا کوئی مخزن ہے جہان سے آنسو نکلتے ہین۔ اور یہ ایک غلطی ہے جس پر حالی کی نظر رعایات لفظی کے اجتماع مین نہین گئی"

بیخود :۔ ارشاد ہوتا ہے کہ حالی کے شعر سے ظاہر ہوتا ہے کہ گویا جگر سوختہ بھی پانی کا کوئی مخزن ہے، جہان سے آنسو نکلتے ہین۔ اور یہ ایک غلطی ہے جس پر حالی کی نظر رعایات لفظی کے اجتماع مین نہین گئی"۔ یہ ایسے اعتراض ہین جن کا جواب خاموشی ہے جسے مقرر تسبیح کے معنے یاد نہون اور جو یہ بھول جائے کہ جتنی تری جگر مین ہوتی ہے اُتنے ہی زیادہ آنسو نکلتے ہین اُسے کیا حق ہے کہ نعمت خان عالی سے علامۂ دوران پر حرف گیری کرے۔

جناب سہا نے غالب کے شعر کا یہ نکتہ بھی نہین بیان کیا کہ اگرچہ عاشق کی حالت ایسی ہے کہ جان دینے پر آمادہ ہے۔ مگر ہمارے رسمِ وفا کہ مرنے کیلیے بھی معشوق کی مرضی کا پابند ہے۔

بقدر ذوق ہو ساقی خمار تشنہ کامی بھی   **غالب**   جو تو دریائے مے ہے تو مین خمیازہ ہون ساحل کا

تو چون ساقی شوی دور تنک ظرفی نمی ماند   **علی**   بقدر بحر باشد وسعت آغوش ساحلہا

آرگس نے بجز ایک آدھ لفظ کے اور کوئی کمی بیشی خیالات مین نہین ہوئی "

سُہا۔ "غالب وسعت شوق بیان کرتاہے، اور علی سہرندی تنگ ظرفی"

بیخود۔ مین دونون اشعار کا فرق بیان کئے دیتا ہون۔ علی سہرندی کہتا ہے کہ جب تو شراب پلانے لگے تو جتنی بھی پلا دے میکش کا ظرف تنگی نہ کریگا، یہ تیری ساقی گری کا اعجاز ہے، اور دوسرے مصرعہ مین تمثیل سے کام لیتا ہے کہ دیکھیے جتنا دریا کا پاٹ بڑھتا جاتا ہے اُتنی ہی ساحل کے آغوش کی وسعت بڑھتی جاتی ہے"

غالب کا انداز بیان بتاتا ہے کہ میکش کے اصرار پر اُس سے کہا گیا ہے، یا وہ خود ساقی کو شراب دینے مین تامل کرتے ہوئے دیکھ کر یہ سمجھا ہے کہ ساقی مجھے تنگ ظرف سمجھتا ہے اس کا جواب دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اے ساقی مین اپنی تشنہ کامی کے انداز کیلیے تجھے ایک پیمانہ بتائے دیتا ہون، وہ یہ کہ جسقدر مجھے ذوق مے ہے اُسیقدر خمار تشنہ کامی بھی ہے۔ یہان تک تو عاشق نے پردہ پردہ مین گفتگو کی اور معلوم ہوتا تھا کہ شراب کا تقاضا کر رہا ہے مگر دوسرے مصرعہ مین کچھ اور ہی عالم نظر آنے لگا۔ وہ یہ نہین کہتا کہ تیرے یہان شراب کا دریا بھرا ہے بلکہ یہ کہتا ہے کہ اگر تو دریائے مے ہے تو مین خمیازہ ساحل ہون یعنے مجھے تیری تمام اداؤن کا تحمل ہے، اور میری انتہائی خواہش پر میرے شوق کی انتہا شاہد ہے یعنے تو ناز آفرینی کرتے ہوئے کیون رُکتا ہے مین ہرگز یہ نہ کہونگا ؎

کمتر شراب جلوہ کہ پُرشد ایاغ ما ۔۔۔ در غین جنان مریز کہ میرو چراغ ما

میرے نزدیک دونون شعر لطیف ہین۔ مگر قلعہ اور عرش کے کنگرونکا فرق ظاہر ہے۔

محرم نہین ہو تو ہی نوا ہائے راز کا ۔ غالب یان ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہو ساز کا

ہر کس نشناسندۂ راز است وگر نہ ۔ عرفی این ہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است

مگو کہ نغمہ سرایان عشق خاموشند ۔ کہ نغمہ نازک و اصحاب پنبہ در گوشند

آرگس (۱)" یہ غالب کا نہایت مایۂ ناز مشہور شعر ہے (۲)، ممکن ہے کہ دونون شعر جدا سمجھے جائین۔ مگر غور کرنے پر ذوق سلیم ایک ہی طرف رہبری کرتا ہے۔ دوسرا شعر بھی ویسا ہی ہے"

سہا، "یہ اشعار تقریباً ایک ہی خیال پر مبنی ہین۔ یہ مضمون عرفی کا زادۂ دماغ نہین ہے بلکہ متصوفانہ ہے اور خود عرفی نے بھی خانقاہ نشینون سے سُن لیا ہے، غالب کے شعر مین الفاظ نہایت شاعرانہ اور بندش بدیع ہے، نیز عرفی کے شعر مین "معلوم عوام است" کے ساتھ ساتھ "ہر کس نشناسندۂ راز است" نظم ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ الفاظ نے عرفی کے ساتھ اظہار مفہوم مین مساعدت تامہ نہین کی۔ اسلیے کہ بحالت موجودہ یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ جو راز معلوم عوام ہے وہ خواص کیلیے کیونکر ناقابل علم ہوگا۔"

بیخود، "حسرت یہ حضرت اس قدر کوتاہ قلم کیون ہین، عوام بھلا ان عبارتون کو کیا سمجھ سکتے ہین، الفاظ نہایت شاعرانہ ہین، بندش بدیع ہے، یا غور کرنے پر ذوق سلیم ایک طرف ہی رہبری کرتا ہے۔

میرے نزدیک ان اشعار مین مشرق و مغرب کا فرق ہے مین ہر شعر کا مطلب عرض کیے دیتا ہون۔

محرم نہین ہے تو ہی نواہاے راز کا　　　یان ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

حل۔ ساز حقیقت کے ترانے تیری سمجھ مین نہین آتے اسمین قصور تیرا ہے۔ ورنہ یہان (دنیا مین) جتنے پردے ہین وہ ساز کے پردون کی طرح ترنم ریز ہین اور اسرار الٰہی ظاہر کر رہے ہین یعنے جن چیزون کو تو وجود باری کے سمجھنے مین مانع سمجھتا ہے وہی باآہنگ دلکش اسکے وجود اور اُس کی یکتائی کا ترانہ گا رہی ہین۔

حجاب۔ تعین ہستی۔ وجود (موجودات) یعنے ماسوی اللہ مین ذرہ ذرہ وجود قدرت باری کا گواہ ہے۔ ساز کے پردون سے راگ نکلتے ہین۔ مگر ان کو وہی لوگ سمجھتے ہین جن کو موسیقی مین دخل ہے اس شعر مین یہ بھی مضمر ہے کہ جس طرح ساز کے ذریعے نغمہ کا ظہور ہوتا ہے اسیطرح اگر خدا موجودات عالم کے پردے مین جلوہ نہ دکھاتا تو اُسکے وجود کا ادراک غیر ممکن تھا۔ اسلیے کہ وہ جسم وجسمانیات سے منزہ ہے" اس شعر مین نوا۔ حجاب۔ پردہ ساز۔ محرم۔ راز سب الفاظ مناسب جمع ہو گئے ہین

(عرفی)

ہر کس نشناسندہ راز است دگرنہ　　　این ہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است

ہر کس وناکس مین راز سے آگاہ ہونے کی قابلیت نہین۔ ورنہ وہ باتین جو عوام کو بھی معلوم ہین۔ سراپا راز ہین۔

کھانے کے مسالے اب جن سے عام مرد ہی نہین پردے کی بیٹھنے والیان بھی واقف ہین اور اُن سے روز کام پڑتا ہے اُن کے مصالح سے اہل نظر کے سوا بالعموم لوگ بے خبر ہین، حالانکہ ان کی ایجاد و انکشاف حکما کے غور و فکر کا نتیجہ ہے، یہ معنی معلوم عوام ہونے کے ساتھ ساتھ راز ہونے کے ہین۔ اس شعر پر نظر کرنیسے عرفی کا شعر سمجھ مین آجائیگا

تری دنیا کو مجھکو کون سمجھے جب نہین کھلتا — کہ ایک اک ذرہ کی دنیا کہان سے کہان تک ہے

(بیخود سہانی)

(عرفی)

مگو کہ نغمہ سرایانِ عشق خاموشند — کہ نغمہ نازک و اصحاب پنبہ در گوشند

مطلب:- یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ عارفان خدا اسرار معرفت کے بیان کرنے مین تامل کرتے ہین۔ حقیقت یہ ہے کہ اسرار نازک ہین اور اسپر طرہ یہ ہے کہ اہل دُنیا دنیا مین اُلجھے ہوئے ہین، پھر یہ سمجھ مین آئین تو کیونکر۔

شعر غالب کے مضمون کی وسعت کی کوئی انتہا نہین اُسنے دنیا کے ذرہ ذرہ کو (پردۂ تعین) حجاب بنا کر قیامت کردی ہے۔

بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آسان ہونا — آدمی کو بھی میسر نہین انسان ہونا — غالب

انچہ پر جستیم و کم دیدیم بسیار است و نیست — نیست جز انسان درین عالم کہ بسیار است نیست

(عالمگیر)

نرگس:- "شعر کی جان غالب کا دوسرا مصرع اور اُس کا انداز بیان ہے مگر عالمگیر کے یہان دونون مصرعے برابر کے ہین۔ اور دونون کے انداز بیان مین بھی فرق نہین ہے"

ہما:- "حقیقت یہ ہے کہ عالمگیر کے دونون مصرعون مین چونکہ ایک ہی مضمون کا اجمال و تفصیل ہے اور چونکہ شعر مطلع ہے اور ردیف مکرر لہذا آپ کو مصرعے بہت زیادہ برابر محسوس ہوئے، غالب کے مضمون

مین تکرار کسی قسم کی نہین ہے، بلکہ دوسرا مصرع پہلے کی تمثیل و تفسیر ہے
رہا یہ معاملہ کہ غالب کا شعر عالمگیر کے شعر کا ہم مضمون ہے یہ بات بھی نہین
ہے۔ غالب اپنے شعر مین حصول آسانی کی نفی کرتا ہے اور اس نفی
کی تمثیل مین دوسرا مصرع ادا ہوا ہے۔ غالب کی نگاہ دقیقہ رس نے یہ
مین ایک خاص رعایت ملحوظ رکھی ہے، جو عالمگیر کے سیدھے الفاظ مین
پیدا نہ ہوسکی اور وہ آدمیت و انسانیت کے نازک فرق کیجانب اشارہ
جسنے تمثیل مین تازگی اور جدت پیدا کردی ہے۔"

بیخود۔ جس طرح جناب آرگس نے لکھا ہے یہ مطلع نہین شعر ہے۔ اسلیے کہ قافیہ
ہی غائب ہے۔ یہ یون ہے ؎

آنچہ بر جستم و کم دیدم کہ بسیار است نیست — نیست جز انسان درین عالم کہ بسیار است نیست

اِس صورت مین ایک ردیف برائے بیت ٹھہرتی ہے۔ اسلیے کہ مضمون شعر
"نیست جز انسان" پر تمام ہوجاتا ہے۔ اِس شعر کے متعلق حضرت سُہا کی رائے سے
مجھے اتفاق ہے۔ آدمیت اور انسانیت کا نازک فرق جس کی طرف انھون نے
اشارہ فرمایا ہے داد کے قابل ہے۔

دوسرے شعر کا مطلب صرف اتنا ہے کہ کہنے کو انسان بہت ہین مگر انسان کامل
ڈھونڈھے نہین ملتا۔ مرزا غالب کہتے ہین کہ دنیا مین کوئی کام آسان نہین دیکھو کہ
آدمی کا انسان بننا کتنا مشکل کام ہے۔ غالب کے شعر مین تمثیل سامنے کی ہے۔ مگر ایسی
کہ جس طرف عوام تو عوام خواص کا ذہن بھی آسانی سے منتقل نہین ہوتا اور یہ بات
اُسی طرح داد کے قابل ہے جس طرح گلستان کی حمد مین جہان جبل نے ترازو نے پیش

افتادہ چیزون سے کام لے کر اُسے ایک مقام بنا دیا ہے۔

سعدی :- ہر نفسی کہ فرو میرود ممد حیات است و چون بر می آید مفرح ذات
در ہر نفسی دو نعمت موجود است و بر ہر نعمتے شکرے واجب "

کی مرے قتل کے بعد اُسنے جفا سے توبہ" غالب ہائے اُس زود پشیمان کا پشیمان ہونا
آفرین بر دل نرم تو کہ از بہر ثواب حافظ کشتہ غمزۂ خود را بہ نماز آمدۂ
آرگس :- خیال دونون کا یکسان ہے۔ غالب کے یہان زود پشیمان
ہے اور حافظ کے یہان 'دل نرم' غالب کے یہان 'جفا سے توبہ' حافظ
کے یہان 'بہر ثواب نماز آمدۂ' "

سُہا :- "بقول جناب آرگس 'زود پشیمان' اور 'دل نرم'، 'جفا سے توبہ' اور
'بہر ثواب بنماز آمدہ' ہم معنے فقرے ہین۔ حافظ علیہ الرحمہ کہتے ہین کہ
تیری نرم دلی کے کیا کہنے ہین کہ اپنے کشتہ غمزہ کے جنازہ کی نماز پڑھنے
ایصال ثواب کیلیے آیا ہے۔ شعر مین خوبی یہ ہے کہ کشتہ غمزہ کو
ایصال ثواب کیا گیا ہے۔ مگر کشتہ غمزہ کو ایصال ثواب کوئی خاص
نرم دلی بھی نہین ہے "

بیخود :- جناب سہا کا یہ ارشاد صحیح ہے کہ زود پشیمان اور دل نرم، جفا سے
توبہ اور بہر نماز آمدہ ہم معنے فقرے نہین ہین۔ مگر حافظ کے شعر مین ایصال ثواب کا
کہین ذکر نہین۔ اور دل نرم سے دل سخت مراد ہے اور از بہر ثواب کے معنے خود ثواب
حاصل کرنے کی غرض سے۔ یعنے تو ایسا سنگدل ہے کہ کشتہ ناز کے جنازہ کی نماز

پڑھنے اس نظر سے آیا ہے کہ نماز میت کا ثواب حاصل ہو۔ مراد یہ ہے کہ اللہ ری سنگدلی کہ جسے خود خاک مین ملایا اُسکے جنازے کی نماز بھی حق محبت ادا کرنے کی نیت سے نہ پڑھی۔

غالب کا یہ شعر دو پہلو رکھتا ہے۔

(۱) زود پشیمان کا مفہوم یہان جلد پشیمان ہونے والا۔

(۲) بہت دیر مین یا کبھی پشیمان نہ ہونے والا۔

(۱) مرزا کہتا ہے کہ معشوق ایسا ظالم ہے کہ جب تک مجھے قتل نہ کر لیا پشیمان نہوا گویا پشیمان ہوا ہی نہین۔

(۲) میرے قتل کرتے ہی اُس کو ندامت ہوئی۔ کاش پہلے خیال کیا ہوتا۔ عاشق کو معشوق کی ندامت پر پیار آگیا ہے اور اب سارے ظلم فراموش ہو گئے ہین۔ پہلی صورت مین اظہار سنگدلی ہے۔ دوسری صورت مین شان عاشقانہ اور یہ صورت زیادہ لطیف ہے۔ مینے معشوق کے ذرا سے التفات مین سارے گلے سہو محو ہو گئے۔

دوست غمخواری مین میری سعی فرمائینگے کیا　　زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ جائینگے کیا　　غالب

لذت زخم بسکہ دل زار من گرفت　　ناخن زدم بسینہ اگر رشد من گرفت

(ناطق گرانی)

بیخود:۔ یہان جناب آرس نے حضرت شاد لکھنوی پیرو میر کے کچھ شعر لکھے ہین جو مرزا کے اشعار کی بگڑی ہوئی تصویر معلوم ہوتے ہین۔ لیکن اُن کے متعلق اظہار رائے کی

ضرورت نہین۔

سہا :۔" غالب کہتا ہے۔ چونکہ مین زخمون کو ناخن سے چھیل دیتا ہون، احباب میرے ناخن ترشواتے ہین۔ مگر یہ عبث ہے کیونکہ زخم کے اندمال سے قبل ہی ناخن بڑھ آئین گے، اور پھر خراش زخم کا سامان مہیا ہو جائیگا۔ حاصل یہ ہے کہ احباب کی چارہ فرمائیان بے سود ہین ہمارے سامان خرابی مین تخفیف نہین ہو سکتی۔ ناطق کمرانی اپنی ایذا پسندی بیان کرتا ہے یہان احباب کی چارہ فرمائیان نہین ہین"

بیخود:۔ مین دونون شعرون کا مطلب عرض کرتا ہون۔

غالب کا شعر عاشق کی ایک مجنونانہ ادا کا آئینہ دار ہے، اُسکے احباب ناخن اسلیے ترشواتے ہین کہ کہین زخمون کو بڑھا نہ لے، مگر عاشق ہے شوریدہ سر اسلیے وہ اپنے دوستون کو دشمن جانتا ہے اور یہ سمجھکر خوش ہے کہ زخم بھرنے سے پہلے ناخن بڑھ آئینگے اور مین پھر زخمون کا گلزار کھلا دونگا۔ یہ ایک وحشی کے خیال کی مرقع کشی ہے اور خوب ہے۔

ناطق ایذا پسندی کا اظہار نہین کرتا بلکہ لذت زخم عشق کو بیان کرتا ہے کہ جہان زخم اچھا ہونے لگا مین نے ناخن مارا اور پھر وہی مزے آنے لگے۔ عشق کی تکلیفون مین ایسا مزہ ملتا ہے کہ محبت کم ہونے لگتی ہے تو پھر بڑھا لیتا ہون۔

آج وان تیغ و کفن باندھے ہوے جاتا ہون مین	عذر میرے قتل کرنے مین وہ اب لاوینگے کیا	غالب
منم آن سیر جان گشتہ کہ با تیغ و کفن	تا در خانہ جلاد غزل خوان رفتم	عرفی

آرگس:- عرفی کے یہاں غزلخوان رستم والا ٹکڑا اس قیامت کا ہے کہ جواب ہی نہیں۔"

سُہا:- غالب کہتا ہے کہ وہ میرے قتل کیلیے روز کوئی نہ کوئی بہانہ کردیتے ہین۔ کبھی کہتے ہین کہ تلوار نہین، کبھی کہتے ہین کہ کفن کا کیا انتظام ہے، بس آج تمام اسباب جمع کرکے جاتا ہون تاکہ انھین کوئی عذر نہ رہے عرفی جان سے اپنی بیزاری بیان کرتا ہے، یہی دونون شعرون کا فرق ہے۔

بیخود:- تمام شارحین دیوان غالب نے اس شعر کا مطلب بہ تغیر الفاظ یہی بیان کیا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اس شعر کی بنا عرب کے اس دستور پر قائم ہے کہ جب وہان کوئی جان پر کھیل جانے کے لیے تل جاتا تھا تو سر سے کفن باندھ کر اور تلوار لے کر نکلتا تھا۔ پھر کوئی اُسے جان دینے کے ارادے سے باز رکھنے کی کوشش نہ کرتا تھا۔

عاشق اپنے دل مین غور کرنیکے بعد اس نتیجہ پر پہونچا ہے کہ مین نے ابتک جان سے ہاتھ دھو بیٹھنے والون کی صورت ہی نہین بنائی اور یہی سبب ہے کہ وہ کسی نہ کسی بہانے مجھے ٹال دیا کرتا ہے، آج اس سازوسامان سے جاتا ہون ابتو کوئی عذر ہو ہی نہین سکتا۔ اس شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ عاشق معشوق کے ہاتھ سے قتل ہونے ہی کو مآل زندگی سمجھتا ہے عرفی کے شعر مین جب تک سیر زجان گشتہ کا ٹکڑا ہے موجود ہے اُس وقت تک اُسوقت غزلخوان رستم کے ہوتے ہوے بھی غالب کے شعر کی گرد کو نہین پہونچ سکتا۔ اسلیئے کہ جان سے بیزار ہونے پر مرنے کی خوشی اور چیز ہے۔ اور معشوق کے ہاتھون قتل ہوجانکی تدبیر سمجھ مین آنے پر پھولون نہ سمانا اور چیز ہے۔

ہے اب اِس معمورہ مین قحط غم اُلفت اسدؔ	ہم نے یہ مانا کہ دلّی مین رہین کھائین گے کیا	غالب
سعدیا حبِ وطن گرچہ حدیثے است صحیح	نتوان مرد بسختی کہ من اینجا زادم	سعدی

آرگس: یہان خیال بالکل ایک ہے گو ظاہر الفاظ مین فرق ہو مگر موضوع مضمون سے باہر نہین۔"

سُہا۔ غالب تو صرف یہ کہتا ہے کہ دلّی مین کیسے (کیونکر) گزر ہوگی یہان ہین غم الفت تو میسر ہی نہین جس کے ہم عادی ہین، البتہ سعدی علیہ الرحمہ معاش ہی کے شاکی ہین، کیسے کیا واقعی دونون اشعار ہم مضمون ہین۔"

بیخود:۔ مرزا کہتے ہین کہ دلّی اہل محبت سے خالی ہو گئی اور ہم ہین محبت کے بھوکے. اب یہ مقام ہمارے رہنے کے قابل نہین رہا۔

نکتہ:۔ اس شعر مین یہ لطیف نکتہ مضمر ہے کہ اہل دل کے نزدیک وطن اہل وفا و اہل محبت کا دوسرا نام ہے یہ نہ رہے تو وطن بھی نہ رہا، یہ لطافت بھی ہے کہ غالب غم الفت ہی پر اپنی زندگی کا انحصار سمجھتا ہے، اور یون اہل دنیا کو مہر و وفا کا سبق دیتا ہے۔

ترک وطن کا خیال دونون کو ہے مگر یہ دیکھنا چاہیے کہ کون کس وجہ سے ترک وطن کر رہا ہے اور وہ وجہ اہل دل کی نظر مین کیا درجہ رکھتی ہے۔

ترے وعدے پر جیے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا	کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا	غالب
بیم از ذوقِ ما رہ بہ وعدہ کہ من	از ذوقِ وعدۂ تو بفردا نمی رسم	سیلی

آرگس:۔ میلی نے کہا تھا کہ تو وعدہ کر اور ایفائے وعدہ کا خیال ہی نہ کر
ادھر تو نے وعدہ کیا اُدھر خوشی سے ہمارا دم نکلا بالکل یہی خیال غالب
کے یہاں ہے۔ مگر میلی کے یہاں قبل وعدہ ہے اور یہاں بعد وعدہ:
تمہا۔ نیشاپوری وعدہ کے ذوق میں مرجانے کا یقین دلا کر محبوب سے
پیمان لینا چاہتا ہے۔ غالب صدق وکذب وعدہ کا ایک اچھوتا معیار
پیش کرتا ہے، اختلاف مضمون متزاد براں۔ غالب کا حسن بیان شعر
کو نیشاپوری کے شعر سے بلند تر کئے ہوئے

بیخود:۔ میری رائے میں حضرت آرگس کا خیال صحیح ہے۔ میں تو یہ کہونگا کہ دونوں
خیال یکساں ہی نہیں بالکل ایک ہیں۔ حضرت تمہا جس کو اچھوتا معیار قرار دیتے ہیں وہ
بالکل اُسی طرح بلکہ اُس سے کہیں بہتر صورت میں میلی کے یہاں پایا جاتا ہے، مگر یہ مضمون
عام ہے۔ اسلئے کہ انتہائی خوشی میں مرجانا مشہورات میں سے ہے جس پر شادی مرگ
کی شہرت شاہد عادل ہے، پھر وعدہ وصل یار کی خوشی میں مرجانا کونسی بڑی بات ہے
اسلئے اِسے نہ ترجمہ کہیے نہ سرقہ، یہ توارد کہا جا سکتا ہے، میرے نزدیک میلی کا شعر
نزاکت وبلندی خیال کے اعتبار سے مرزا غالب کے شعر سے کہیں بالاتر ہے، اسلیے
کہ کہاں وعدۂ یار کی خوشی میں مرنہ جانے کی معذرت کرنے کیلیے زندہ رہنا اور کہاں
قبل وعدہ، وعدہ وصل کی خوشی میں مرجانے کا یقین ہونا۔

ہوئے مرکے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرقِ دریا	نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا	غالب
غرقہ بجرم یار در دریا ما مپرس	لقمہ کام نہنگم از مزار ما مپرس	ناظم

آرگس :۔ غالب کے شعر میں جان خیال یہی بات ہے کہ دریا میں ڈوب جاتے نہ تو جنازہ اُٹھتا نہ مزار بنتا۔ دوسرے شعر میں بھی یہی ہے، مگر غالب کے یہاں حسرت غرق ہے، اور فارسی شعر میں اخبار بعد الغرق ؟

بیخود :۔ مرزا کہتا ہے کاش دریا میں ڈوب مرے ہوتے کہ نہ جنازہ اُٹھتا نہ مزار بنتا نہ مرنے کے بعد رسوائی ہوتی۔ جنازہ کے اُٹھنے میں انگشت نمائی کا زیادہ موقع ہے اور مزار کا بننا ملامت پامار کا سبب ہے۔ یعنے نہ جنازہ اُٹھتا نہ انگلیاں اُٹھتیں کہ یہ وہی کم حوصلہ ہے جس سے عشق کی کڑیاں جھیلی نہ گئیں جو مر کے اپنے آپ کو، اپنے معشوق کو، غیرتِ عشق کو بدنام کر گیا۔ مزار نہ بنتا تو لوگ یہ نہ کہہ سکتے کہ یہ وہی ننگ وفا ہے، "اب جب تک نشان مزار باقی ہے ہم ہیں اور ملامت خلق۔

فارسی کا شاعر صرف اپنی مصیبت کی موت کا ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے میرے شہر میں نہ ڈھونڈھ۔ میں گھڑیال کا لقمہ ہو گیا، "اب مجھے تو کہاں پا سکتا ہے، ایک شعر میں اپنی بے نام و نشان کر دینے والی موت کا ماتم ہے، دوسرے میں ایسی موت کا ذکر ہے جو مرنے والے کو ہمیشہ کیلیے بدنام کر گئی۔ نہ یہ پہلے شعر کا ہم مضمون ہے نہ ضد نہ جواب۔ خدا ے بصیر حضرت آرگس کو سو کی جگہ دو آنکھیں دے، مگر ایسی جن سے دکھائی دیتا ہو۔

دل قطرہ ہے ساز انا البحر	ہم اُسکے ہیں ہمارا پوچھنا کیا	غالب
ز مہر تر سینہ جولانگہ برق	دل ہر ذرہ در جوش انا الشرق	غنیمت

آرگس :۔ " ذرہ اور قطرہ۔ انا البحر اور انا الشرق میں کوئی فرق ظاہر نہیں ہوتا۔"

سہا:۔ دونوں شعر متصوفانہ یا وحدۃ الوجود کے رنگ کے ہیں، اسلئے نہ ملا غنیمت کا شعر مرجح ہو سکتا ہے، نہ غالب کا۔ تاہم یہ فرق بھی موجود ہے کہ ملا صاحب انوار و تجلیات کی عمومیت بیان کرتے ہیں، اور غالب اپنی گرانقدر حقیقت کی طرف ایک توحیدی تمثیل سے اشارہ کرتا ہے:

بیخود:۔ جناب آرگس اسے نہ سرقہ کہتے ہیں نہ توارد، یہ جواب ہے۔

جناب سُہا سے کون پوچھے کہ کسی شعر کو ترجیح کیوں نہیں دیجا سکتی۔ اہل دنیا سے نفرت ایک مضمون ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے ؎

صدمے ہمیشہ اہل جہان سے اٹھائے ہیں — اب زندگی کرینگے بسر جا بیابان میں

دوسرا کہتا ہے ؎

مرا بروز قیامت غمے کہ ہست اینست — کہ روئے مردم دنیا دوبارہ باید دید

پہلے شعر کا مطلب ظاہر ہے۔ دوسرے کا مضمون یہ ہے کہ قیامت کے دن مجھے اگر کوئی غم ہے تو یہ کہ اہل دنیا کا منہ پھر دیکھنا پڑیگا، کیا ان دونوں شعروں میں آفتاب اور ذرہ کی نسبت بھی ہے۔

مرزا غالب فرماتے ہیں قطرہ ساز کی طرح نغمہ ریزی کر رہا ہے کہ بحر میں ہوں یہاں تک مرزا نے جو کچھ کہا ہے اُس میں ملا غنیمت کے دونوں مصرعوں سے زیادہ مضمون ہے۔ اس پر ترقی کی گئی کہ ہم کو چشم کم سے نہ دیکھنا ہم سکے ہیں، ہمارا پوچھنا کیا اور اتنا ہی نہیں کہ غالب صرف اس حقیقت کا اظہار کر رہا ہوں بلکہ اس پر لے ناز بھی ہے، شاہ تراب فرماتے ہیں ؎

بجنا ہم کو نصیبوں سے ملا غمخوار ساقی ہے — ہمیں اب کی کیا کمتی ہمارا یار ساقی ہے

متصوفانہ رنگ۔ ہمہ سے یہان ہمہ اوست مراد ہے، یعنے کسی ذلیل سی ذلیل مخلوق کو بھی حقارت کی نظر سے نہ دیکھنا، اسلیے کہ تعینات کا پردہ اُٹھا دیا جائے تو ہر شے بلکہ ہر ذرہ وہی ہے۔

ایک نازک فرق دونون شعرون مین یہ بھی ہے کہ ملا غنیمت نے مہر (محبت یا وجہ خدا) کی قید لگا دی ہے، یعنے اُنکی محبت یا اُسکے جلوے کے صدقے مین ہر ذرہ انا الشرق کا دعوی کر رہا ہے، غالب کہتے ہین کہ حقیقت ہی یہ ہے کہ ہر شے وہی ہے، اور تصوف سے قطع نظر کر لیجائے تو بھی یہ قول اظہر من الشمس ہے، جب ہر شے کا ظہور اُسی کی قدرت سے ہے اور ہر شے سے اُس کی ہستی نظر آتی ہے تو کسی قید کی ضرورت ہی نہین رہتی۔ وسعت مضمون کے اعتبار سے غنیمت کے شعر کو غالب کے شعر سے کوئی نسبت نہین غنیمت نے در جوش انا الشرق کہکر طوفانی کیفیت دکھا دی تو مرزا نے ساز انا البحر کہکر شعر کو نغمہ کی موجون مین ڈبو دیا ہے۔

متصوفانہ رنگ۔ ایک باریک فرق یہ بھی ہے کہ مرزا کا پہلا مصرعہ حقیقت یعنے عینیت کے چہرے سے نقاب اُٹھاتا ہے اور دوسرا مقام ظہور کی صورت ہے۔

بلا ے جان ہے غالب اسکی ہر بات	عبارت کیا اشارت کیا ادا کیا
ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم	کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست

آرگس:۔ اگرچہ بظاہر الفاظ مین فرق ہے، مگر مضمون دونون ایک ہین، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ غالب نے زیادہ صراحت سے کام لیا ہے:

سہا۔ آرگس صاحب الفاظ اور صراحت کا فرق ہی تو بڑا فرق ہے
اور اسی سے شعر تو ار دو دستیر کی تعریفیات سے نکل جاتا ہے "

بیخود۔۔ ثانی یا نظیری فرماتے ہین کہ معشوق کے سر سے لیکر پاؤن تک جہان
بھی نظر پڑتی ہے، ادا دل کے دامن کو کھینچتی ہے کہ ارے ظالم تیری جگہ یہی ہے، یعنی
معشوق سراپا جمال ہے، یہان ادا کو ذی روح قرار دیکر ایک چلتی پھرتی تصویر دکھا دی
گئی ہے، اور اس مین شک نہین کہ ایسے شعر آیات کمال سے ہوتے ہین۔

مرزا کہتا ہے کہ معشوق کی عبارت گفتگو، تقریر، تحریر، حسن خطاب، رد جواب وغیرہ
یا اشارت (خواہ چشم و ابرو سے ہو خواہ تقریر و تحریر مین) یا ادا ہو۔ ہر بات بلاے جان
ہے، نظیری حسن و تناسب اعضا کے ثنا خوان ہین جسے مرزا لفظاً بالکل چھوڑ دیتا
ہے، مگر سامع کا ذہن اس کمی کو خود پورا کر لیتا ہے یعنے جس کی ہر بات یعنے عبارت
اشارت۔ ادا بلائے جان ہو اُسکے باجمال ہونے مین کسی کافر ہی کو شک ہوگا، بچو
اس مصرعہ مین کہا گیا ہے ع کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست " وہ سب
غالب نے بلائے جان کے ٹکڑے مین بھر دیا ہے۔

ادا کا لفظ بھی اس محل پر کس قدر جامع واقع ہوا ہے اسلیے کہ ادا عام ہے جیسے
دیکھنے کی ادا۔ سونے کی ادا، آنکھ ملانے کی ادا، آنکھ چرانے کی ادا، مسکرانے کی ادا،
ہنسنے کی ادا، ہنسی روکنے کی ادا وغیرہ وغیرہ۔ مصحفی کہتا ہے ؎

تنہا نہ لجانیکی ادا لے گئی دل کو   مکھڑے کے چھپانے کی ادا لیگئی دلکو

مختصر یہ کہ معشوق کی ہر بات اور اُس کا ہر فعل ادا ہے۔

بندگی میں بھی وہ آزادہ و خودبیں ہیں کہ ہم | اُلٹے پھر آئے درِ کعبہ اگر وا نہ ہوا
وقتِ عرفی خوش کہ نکشودند چوں در برخش | بر درِ نکشودہ ساکن شد در دیگر نزد

آرگس :۔ غالب کہتے ہیں کہ بندگی اور ذوقِ طاعت گزاری میں بھی ہم آزاد ہیں، اگر کعبہ کا دروازہ بھی نہ کھلا تو واپس آگئے، عرفی کا خیال ہے کہ درِ دوست نہ کھلا تو اُسی بند دروازہ کے پاس ٹھہر گئے، مگر دوسرے دروازہ پر نہیں گئے۔ تقریباً ایک خیال دوسرے خیال کی ضد ہے ؎

سُہا :۔ اگر وفا اور خودداری آپس میں ضد و مقابل ہیں تو یقیناً ایک خیال دوسرے کی ضد ہے، مگر آرگس صاحب وفا کی ضد بیوفائی اور خودداری کی ضد بے غیرتی، عرفی اپنے شعر میں ایک شان وفا اور غالب آن خودداری کا مضمون ادا کر رہا ہے ؎

بیخود :۔ اِن اشعار کے متعلق حضرت سہا نے بہت سمجھکر لکھا ہے۔

گلہ ہے شوق کو دل میں بھی تنگیِ جا کا | گہر میں محو ہوا اضطراب دریا کا
دل شوریدۂ ما شور دریا در نظر دارد | گہر وزدیدہ است اینجا نہان موج دریا را

آرگس :۔ تقریباً ایک مضمون ہے جس میں کوئی خاص فرق سوائے زبان کے نہیں ہے ؎

سُہا :۔ فرماتے ہیں کہ تقریباً ایک مضمون ہے جس میں کوئی خاص فرق سوائے زبان کے نہیں چونکہ گہر اور دریا کے استعارے دونوں شعر میں

آ گئے، لہذا مضمون تقریباً ایک ہین۔

غالب شوق یا عشق کی وسعت طلبی بیان کرتا ہے کہ دل کی وسعت اس وسیع جذبہ کیلیے ناکافی ہے۔ اور اس کی مثال مین دوسرا مصرعہ پیش کرتا ہے۔ یعنے جس طرح موتی مین بوجہ عدم وسعت ضطراب دریا کی گنجائش باقی نہین رہتی، اُسی طرح میرے دل (مُحدُ دتنگ) مین داعیاتِ شوق وعشق کی تکمیل نہین ہوسکتی۔

بیدل کہتا ہے کہ میرے دل مین تمام عالم امکان کے ہر وجزو موجو ہین، جس طرح کسی جزو مین اپنے کُل کے تمام خواص پائے جاتے ہین اُسی طرح ہر وجود ممکن مین تمام عالم امکان کے خصوصیات موجود ہین۔

بیخود: میرے خیال مین اسوقت تک دیوان غالب کی جتنی شرحین لکھی گئی ہین۔ یہ شعر کسی مین حل نہین ہوا۔ دل نہین چاہتا کہ ناظرین کرام شارحین علام کی نکتہ نوازیون سے محروم رہین۔ اسلیے مین اپنی شرح کا یہ مقام نقل کیے دیتا ہون

گلہ ہے شوق کو دل مین بھی تنگیٔ جا کا گہر مین محو ہوا اضطراب دریا کا

جناب طباطبائی: "یعنی شوق دل مین سما کر تنگیٔ جا کے سبب سے جوش وخروش نہین دکھا سکتا۔ گویا دریا گہر مین سما گیا کہ اب تلاطم باقی نہین رہا۔"

جناب حسرت موہانی اور جناب شوکت میرٹھی بھی بہ تغیر الفاظ یہی فرماتے ہین۔ ہان جناب واجد دکنی کا ارشاد قابل داد ہے۔ فرماتے ہین۔

"شاعر نے اس شعر مین شوق کو دریا سے اور دل کو گہر سے تشبیہ دی ہے

اور کہتا ہے کہ دریا یعنی شوق، گوہر یعنے دل مین محو ہو گیا، باوجود اسکے شوق تنگی جا کا گلہ مند ہے۔ حالانکہ دل کی وسعت معلوم ہے، کہ قلوب المومنین عرش اللہ تعالے۔ عرش کی وسعت تمام آسمانون سے بڑھ کر ہے مگر پھر بھی گلہ باقی ہے، تو یہ غضب کا شوق ہے، اگرچہ سچا موتی جثہ اور مقدار مین چھوٹی چیز ہے، مگر قیمت مین گران ہوتا ہے، اسی طرح دل اگرچہ لفظاً ایک ذرا سی چیز ہے، مگر کمالات باطنی اور روحانی کے لحاظ سے ایک بہت بڑی اور وسیع چیز سمجھی جاتی ہے، اس شوق کو تمام زمین و آسمان کی گنجائش کافی اور مکتفی نہو گی۔

قائل کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا شوق بے حد وحساب ہے، اس شعر مین اپنے شوق کی وسعت و فراخی کو بیان کرتا ہے مگر مرزا کا یہ طرز بیان اہل فصاحت کے پسند نہین ہو سکتا۔

دوسرے معنے اس طرح ہو سکتے ہین کہ پہلا مصرعہ سالم استفہام انکاری مان لیا جائے یعنے شوق کو دل مین بھی تنگیٔ جا کا گلہ نہین ہے کیونکہ دل بحیثیت جثہ ایک چھوٹی چیز ہے اور گو ہر کر شایہ ہی جسطرح دریا کا اضطراب گوہر مین نہین ہوتا اسیطرح شوق کا گلہ بھی دل مین نہین ہے، کیونکہ وہ تو یعنے شوق دل مین فنا ہو گیا، اضطراب دریا تلاطم امواج سے مراد ہے مگران معنون کو (بھی)، کا لفظ مزاحم ہے یا بھی کو حشو سمجھ لیجئے کہ وزن کے لیے آگیا اور معنا کوئی تعلق نہین رکھتا، مگر اس صورت مین حشو قبیح ہوگا جو عیب ہے۔"

حضرت بیخود دہلوی:۔ "مرزا صاحب تعجب کے لہجہ مین فرماتے ہین۔ شوق کو تنگیٔ جا کا گلہ دل مین بھی ہے یہ بھی کا لفظ بتا رہا ہے کہ دل ایسی وسیع چیز ہے کہ دونون عالم اس مین سما جاتے ہین اور پھر خالی رہتا ہے باوجود اس وسعت کے شوق کو جگہ کی تنگی کا گلہ ہے، معلوم ہوتا ہے کہ شوق کی وسعت بھی دل کی وسعت سے کسی طرح کم نہین ہے۔ اب تنگی جا کا ثبوت ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہین گُہر مین دریا کی روانی محو ہو گئی یعنی کوزہ مین دریا سما گیا، مگر بیچ جانے کے سبب سے موجون کی حرکت بند ہو گئی۔ دل کو گوہر سے اور شوق کو دریا سے تشبیہ دی ہے، جو بالکل نئی تشبیہ ہے۔ سچ ہے کہ اس مطلع مین دریا کو کوزہ مین بند کر دیا ہے اور لطف یہ کہ چُستی بندش، تناسب الفاظ، طریق بیان (طرز ادا) مین فرق نہین۔ دونون مصرعہ ایک ہی سانچے مین ڈھلے ہوئے معلوم ہوتے ہین"۔

حضرت نظامی بدایونی:۔ "شوق کو، اضطراب شوق کو، گُہر مین محو ہوا اضطراب دریا کا۔ دریا گہر مین سما گیا۔ گوہر کو دل سے اور شوق کو اضطراب دریا سے مشابہت دی ہے"۔

خاکسار بیخود موہانی:۔ مجھے اس مطلب سے اتفاق نہین، اور اسکی دو وجہین ہین۔

(۱) موجودہ صورت کو اضطراب عشق کی مذمت کہہ سکتے ہین یعنے بیقراری شوق کچھ ایسی تھی کہ دب کر رہی سمٹ کر رہی، کسی نہ کسی طرح دل مین سما تو گئی اور اپنا سارا جوش و خروش کھو بیٹھی۔

(۲) نہ اُس مین اتنی وسعت تھی کہ دل اُسکا ظرف نہ بن سکتا، اور نہ اتنی قوت ہی تھی کہ ظرف تنگ مین بھر دیئے جانے کے بعد اُسے توڑ کر نکل آنے پر قدرت ہوتی یہ عام قاعدہ ہے کہ جب کوئی شے (خاصکر سیال شے) جو قوی بھی ہو مقدار مین بھی زیادہ ہو. کسی چھوٹے ظرف مین بھری جاتی ہے تو سماتی نہین، اور اگر سما بھی جائے اور ظرف کی مضبوطی سے اُس شے کی قوت زیادہ ہو تو ظرف کے ٹکڑے اُڑ جاتے ہین. شوق کا ظرفِ دل مین پورے طور پر سما جانا اُس کی وسعت کے خلاف اور اُسے توڑ کر نکل نہ آنا اضطراب کے منافی ہے، فافہم.

اور اگر مرزا کو یہی کہنا ہوتا جس مین اتنی خرابیان موجود ہین تو یون فرماتے ؎

گلہ ہے شوق کو بھی دل مین تنگیٔ جا کا　　　گُہر مین محو ہوا اضطراب دریا کا

یعنی جس طرح دریا کو گُہر مین اضطراب کا موقع نہ ملنے سے تنگیٔ جا کی شکایت ہے اسیطرح اضطراب شوق کو دل مین.

مایۂ ناز دہلی حضرت بیخود بالقابہ کا یہ خیال بھی صحیح نہین ہے کہ گہر اور دل کی تشبیہ نئی ہے اس قول کو بیدل کا یہ شعر باطل کئے دیتا ہے ؎

دل آسودۂ ما شور دریا در نظر دارد　　　گُہر دزدیدہ است اینجا زبان موج دریا را

اب مجھے حضرت آسی اور جناب سُہا (شارحین دیوان غالب) سے کچھ عرض کرنا ہے.

حضرت آسی فرماتے ہین.

"میرا شوق اتنا زیادہ ہے کہ اُس کو میری تنگدلی کی شکایت ہے، یہ واقعہ ایسا ہے کہ جیسے ایک موتی مین تمام دریا سما گیا، مگر یہ مضمون مرزا عبدالقادر بیدل عظیم آبادی کے یہان یون بندھا ہوا ہے. صفائی

وغیرہ وہاں بھی نہیں ہے، مگر ہم مضمون ہونے کی وجہ سے شعر لکھتا ہوں

دل آسودۂ ما شور دریا در نظر دارد گہر دزدیدہ است اینجا زبان موج دریا را

یعنی ہمارا دل جس کو تو آسودہ دیکھتا ہے اُس میں ایک عالم کا شور سمایا ہوا

ہے گویا موتی میں دریا بھر کا اضطراب ہے ؎

التماس بیخود موہانی۔ اس فاضل شارح نے کچھ اس طرح دونوں شعروں کا مفہوم بیان کر دیا ہو بیساختہ پیار آتا ہے، اس پر غضب یہ کیا کہ دونوں کو ہم مضمون بھی کہہ دیا۔ اور بیدل کے شعر کا مطلب تو اس طرح سلجھا کر لکھ دیا کہ سخن فہمی بلائیں لے، نکتہ سنجی صدقے ہو۔ حالانکہ بیدل علیہ الرحمہ صاف صاف کہتے ہیں:۔

ہمارا نفس مطمئنہ (دل آسودہ) عالم امکان کے تمام شور و شر نظر میں رکھتا ہے، عجب تماشا ہے کہ موتی نے موج دریا کی زبان چرا لی ہے یعنے جو لوگ ہنگامہ ہستی کے شور و شر میں خود الجھے ہوئے ہیں وہ اُسکے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اے ہم لوگ (صاحب نفس مطمئنہ) خوب سمجھتے ہیں اور چین سے بیان بھی کر سکتے ہیں، اسکے بعد حیرت سے کہتا ہے کہ عجیب بات ہے کہ یہ موتی (دل آسودہ) موج دریا کی زبان بن گیا، یعنے بالعموم سمندر کے تلاطم کا حال موجوں سے معلوم ہوتا ہے، لیکن یہاں موتی (جس میں شوریدگی کے بجائے آرمیدگی ہے) طوفان کی حالت ظاہر کر رہا ہے، اب اہل انصاف نظر فرمائیں کہ ایسے دو شعر جن میں صرف گہر اور دریا مشترک ہے کہاں تک ہم مضمون کہے جانیکے قابل ہیں۔ اور بیدل کے شعر میں صفائی نہیں کہ جدت نہیں، بلندی نہیں کہ لطافت نہیں۔ مختصر یہ کہ کیا نہیں ہے۔

اہل خبر جانتے ہیں کہ "غالب بے نقاب" کی بنیاد اُن الہامات پر رکھی گئی ہو

جن کا جلوہ صحیفہ آسی (شرح دیوان غالب) مین نظر آتا ہے، صرف اتنا فرق ہو گیا ہے، جتنا انسانی آواز اور قرنا کی صدا مین ہوتا ہے، ہان یہ ضرور ہے کہ اب یہ آواز کچھ زیادہ ہیبتناک اور زیادہ سامعہ خراش ہو گئی ہے، ہم جناب آرگس کو جانتے ہین مگر جب اُنھون نے خود آرگس کا روپ بھرا ہے تو پردہ دری کچھ ضرور نہین۔ اور عجب نہین جو یہ پردہ اسی روز بد کے خوف سے اختیار فرمایا گیا ہو۔

مگر کیا کہنا جناب سہا کا۔ حضرت آرگس نے دل آسودہ کو دل شوریدہ سے بدل دیا تھا اِس فارسی مضمار نکتہ نوازی نے اشہب خامہ کو اسی میدان مین گرم جولان کر دیا اور فرما دیا کہ بیدل کہتا ہے کہ:۔

"میرے دل مین تمام عالم امکان کے مدوجزر موجود ہین جس طرح کسی جزو مین اپنے کل کے تمام خواص پائے جاتے ہین اُسی طرح ہر جزو ممکن مین تمام عالم امکان کے خصوصیات موجود ہین"

اِس مین شک نہین کہ یہ مطلب اسقدر سلجھا کر لکھا ہے کہ سرسری نظر مین غلطی کا احتمال بھی نہین ہوتا، مگر اُن کو دیکھنا چاہیے تھا کہ اگرچہ دل شوریدہ اور قلزم طوفانی عالم امکان مین مشابہ ہے لیکن گھر سے اُسکا استعارہ غلط ہے اور کسقدر غلط، اسلیے کہ گھر مین آسودگی ہوتی ہے شوریدگی نہین ہوتی۔

اب مین مرزا کے شعر کا وہ مطلب عرض کرتا ہون، جس کی طرف کسی شارح کی نظر بھی نہین گئی اور جو نہایت صاف ہے اور جس پر کوئی اعتراض نہین ہوتا۔

حل:۔ شاعر حیرت و استعجاب کے لہجہ مین کہتا ہے کہ اضطراب دریا تو گھر مین سما جاتا ہے مگر اضطراب شوق کو دل مین بھی تنگی جا کی شکایت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ شاعر نے نظر ڈالی تو سب سے زیادہ مضطرب، سب سے بڑھکر طوفان خروش چیز دریا (سمندر) کو پایا، اُسکے اضطراب، اُسکے جوش و خروش کا مقابلہ اضطراب شوق (عشق) سے کر کے ایک کو انتہا کا پست دوسرے کو انتہا کا بلند دکھا دیا، ظاہر ہے کہ بجلی کی تڑپ اگرچہ ضرب المثل ہے مگر اُس مین یہ بات کہان ابھی تڑپی ابھی غائب مگر دریا کا اضطراب آٹھ پہر چونسٹھ گھڑی رہتا ہے، اُس کی روانی کبھی رکتی نہین، پھر جوش و خروش کا جو منظر دریا مین نظر آتا ہے وہ بجلی مین کہان۔

مرزا کہتا ہے کہ اضطراب دریا کو اضطرابِ شوق سے کیا نسبت اضطراب دریا کی بساط صرف اتنی ہے کہ ادھر دریا (پانی) نے موتی کی صورت اختیار کی۔ اُدھر اُسکا اضطراب (جو خاصۂ طبعی کی حیثیت رکھتا ہے) کافور ہو گیا، اگرچہ موتی مین گنجائش ہی کتنی ہے، اُسکے مقابلہ مین اضطراب شوق کی وسعت دیکھیے کہ دل ایسے مقام مین بھی تنگی جا کا شاکی ہے، جس کی وسعت کا یہ عالم ہے کہ اِس مین صرف کونین ہی نہین جلوہ ہائے ربانی بھی سما سکتے ہین ؎

ارض و سما کہان تری وسعت کو پا سکے　　میرا ہی دل ہے وہ کہ جہان تو سما سکے

(خواجہ میر درد علیہ الرحمہ)

ہنوز محرمِ حسن کو ترستا ہون　　غالب　　کرے ہے ہر بُنِ مُو کام چشمِ بینا کا

در ہر بُنِ مُو کرمی نہی گوش　　فیضی　　فوارۂ فیض اوست در جوش

آرگس:۔ غالب کا خیال ہے کہ ہر بُنِ مُو چشم بینا بن گیا ہے، مگر مین ابتک محرم نہین ہوا فیضی کہتا ہے کہ ہر بال ایک فوارہ جوشان فیض الٰہی ہے

اور بناے اشتراک خیال بُن مُو پر رکھی گئی ؛

سُہا۔ جناب آرگس بعد شرح اشعار کہتے ہین کہ بناے اشتراک خیال بُن مو پر رکھی گئی ہے یعنے آرگس صاحب کے نزدیک چونکہ ہر دو شعار مین بُن مُو موجود ہے لہذا دونون شعرون کا مفہوم بھی ایک ہوگا، مگر لفظ بن مُو دونون شعرون مین ایک ہی مفہوم پر استعمال نہین کیا گیا ہے فیضی کے یہان واقعی لغوی مفہوم مین آیا ہے، لیکن غالب کے شعر مین محاورہ ہے جس کے معنے ہمہ تن کے ہین مضمون کا فرق یہ ہے کہ غالب کہتا ہے کہ ہمہ تن چشم بینا ہو جانے پر بھی نظارہ حُسن سے کما حقہ محروم ہون۔

فیضی کہتا ہے کہ کائنات کا ایک ایک ذرہ فیوض غیب سے طوفان بکنار ہے ؛

بیخود۔ جناب سُہا نے غالب اور فیضی کے اشعار مین جو فرق بیان کیا وہ صحیح ہے، مین اتنا اضافہ اور کرنا چاہتا ہون کہ غالب کے شعر مین محرم کی لفظ لاجواب ہے محرم وہ ہے جس سے پردہ نہو، یعنی سراپا چشم بینا بن گیا ہون۔ پھر بھی ذات سا کی جو حُسن مجسم میری نظرون سے پنہان ہے

مین اور بزم مے سے یون تشنہ کام آؤن	غالب	گر مین نے کی تھی توبہ ساقی کو کیا ہوا تھا
من اگر توبہ زمے کردہ ام اے سرو سہی	(تنگی۔ دختر امیر علی عطار)	تو خود این توبہ نکردی کہ مرا مے ندہی
چہ شد از توبہ اگر دامن خشکے دارم	شیخ علی حزین	پیش ابر کرم پیر مغان این ہمہ نیست

جناب آرگس : بجنسہ یہ خیال بیگی کے شعر سے ملتا ہے ، ملا علی حزین کا شعر وہ بھی کچھ زیادہ دور نہیں ہے غور کرنے پر اُسی منزل پر جا پہونچتا ہے ؛

بیخود : مین پہلے جناب آرگس کے پیش کردہ اشعار سے بحث کرونگا ، پھر اپنی شرح غالب غیر مطبوعہ کی نقل حاضر خدمت کرونگا ، فیصلہ ارباب نظر فرمائینگے ۔

بیگی

من اگر توبہ زمے کردہ ام لے سرو سہی ۔۔۔ تو خود این توبہ نہ کردی کہ مرا مے ندہی

یعنی تو خود کیون نہین پلا دیتا ۔

اگرچہ لب جو بار بھی تعلقات مے کشی سے ہے جہان سرو کی بازدید تاہوتی ہے یا گنائی جاتی ہے ، مگر یہان ساقی اور معشوق کو سرو سہی کہہ کر شاعر نے کوئی فائدہ نہین اٹھایا اور یہ نکرہ شعر کو مطلع کرنے کے شوق مین رکھا گیا ہے اور برائے بیت ہے ، پھر بھی ایمان کی یہ ہے کہ بیگی کا شعر آب زر سے لکھنے کے قابل ہے ، اس شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس رند کے توبہ کرنے کا علم ساقی کو تھا جب وہ اُسے دور مین چھوڑ کر آگے بڑھا ہے تو اُسنے منع نہ کیا ۔ یہ بالا مضمون ادا کیا ہے ، اس حالت مین ساقی سے نگاہون کے ملنے اور شکوہ کرنے کے انداز نے (جس کا تصور ہونے لگتا ہے) بڑا مزہ پیدا کر دیا ہے

(حزین)

چہ شد از توبہ اگر دامن خشکے دارم ۔۔۔ پیش ابر کرم پیر مغان این ہمہ نیست

اگر توبہ کی وجہ سے میرا دامن خشک ہے تو ہو ، پیر مغان کے ابر کرم کے سامنے یہ کونسی بڑی بات ہے جب لہر آگئی توبہ ٹوٹ جائے گی ، اور پھر مین ہونگا اور

میکشی کے مزے:

نکتہ:۔ جب انسان توبہ کرتا ہے اور زاہدانہ خیالات اُسکے دل مین موجزن ہوتے ہین۔ تو اُسے زمانۂ رندی کی تمام حالتین (مثلاً دامن کا آلودۂ شراب ہونا، بدمستی مین اُٹھ اُٹھ کر گرنا، اور گر گر کے اُٹھنا) نہایت نفرت انگیز معلوم ہوتی ہین۔ مگر جب پیمانۂ صبر لبریز ہوجاتا ہے اور دل مین شکست توبہ کا خیال قیامت برپا کردیتا ہے، تو اُسے زندگی زاہدانہ کی تمام ادائین بےمعلوم ہونے لگتی ہین اور اُس کا دل چاہنے لگتا ہے کہ مین پھر شراب مین نہاتا، پھر میرے دامن پر شراب کے دھبے نظر آتے مین پھر رندون کے جگھٹے مین بیٹھتا وغیرہ وغیرہ حزین کے دل مین یہی آخری کیفیت قیامت برپا کررہی ہے، اب تائب ہوکر پچھتا رہے ہین اور توبہ توڑنا ہی چاہتی ہے

غالب

مین اور بزمِ مے سے یون تشنہ کام آؤن
گر مین نے کی تھی توبہ ساقی کو کیا ہوا تھا

وجوہ بلاغت اس شعر مین کئی ٹکڑے معنے خیز ہین۔

مین اور، اس سے سمجھ مین آتا ہے کہ یہ میکش دھاوت کا پینے والا ہے۔ اسکے فضائل رندانہ سے ساقی اور رندونکا سارا گروہ خوب واقف تھا، یہ وہ تھا جس کی رندی پر لوگ ایمان لا چکے تھے، جس پر ساقی کی خاص نظر عنایت تھی، جسے شراب نہ ملنے سے اتنی تکلیف ہوہی نہین، ہر رند کو نہ ہوتی اور جسے شراب نہ ملنے کی تکلیف کے ساتھ ساتھ رندون مین اپنی بے آبروئی پر خشمگین ہونے کی بھی اذیت ہے وغیرہ وغیرہ۔

یون اسے سننے والے کی نظر مین ایسے رندِ ناکام کی تصویر پھر جاتی ہے جسے

اپنی ناکامی پر انتہا کا ملال۔ حد کا غصہ ہو، اور تکلیف خمار جس کی جان لیے لیتی ہو، جسے جماہی پر جماہی، انگڑائی پر انگڑائی آ رہی ہو، جس کی رگیں ٹوٹ جانے پر تیار، جسکی نبضیں چھوٹ جانے پر آمادہ ہوں، رنج ناکامی و بے آبروئی سے جسکے پاؤں من من بھر کے ہو گئے ہوں۔ جس کا سر تکلیف خمار سے اُٹھتا نہ ہو، اسکے سوا کس میری کی تصویر بھی سامنے آجاتی ہے کہ رند تو رند ساقی نے بھی بات نہ پوچھی جس کی حالت میزبان کی سی ہوتی ہے۔

تشنہ کامؔ، سے حلق و زبان کے کانٹوں کا تصور ہونے لگتا ہے جو شدت تشنگی کے ترجمان ہیں۔

آوؔ تجے سے بزم شراب میں تشنہ کام مگر دل پر اُمید لیے ہوئے جانے اور لب تشنہ اور دل مایوس لیے ہوئے پلٹنے کی حالت آئینہ ہو جاتی ہے۔

بزم شےؔ، اس ٹکڑے نے بھی معنے شعر میں زور پیدا کر دیا ہے۔ اگر تنہائی میں ساقی نے یہی برتاؤ کیا ہوتا تو ناگوار ضرور ہوتا مگر نہ اتنا۔

دوسرے مصرع میں کہتا ہے کہ میں نے تو شراب اسلیے نہ مانگی کہ توبہ کر چکا تھا آخر ساقی نے ضیافت کیوں نہ کی یعنے اس ظالم کی سمجھ میں یہ نہ آیا کہ رندوں کی توبہ ہی کیا، اور اگر اسے پینا نہ ہوتا تو رندوں کے جمگھٹے میں آتا ہی کیوں، ہمارا مقصد یہی تھا کہ توبہ کی لاج رہے اور رند پلا دیں، یہاں رندوں کا ذکر کیا، ساقی کمبخت نے بھی جھوٹوں نہ پوچھا، اور ظالم کی زبان سے اتنا بھی نہ نکلا کہ اجی پیتے بھی جاؤ۔

ساقی کو کیا ہوا تھاؔ، اسکے بہت سے مفہوم ہو سکتے ہیں، صرف لہجہ میں تغیر پیدا کرنے کی ضرورت ہے مثلاً:۔

(۱) کیا اُسنے بھی توبہ کی تھی۔ اِس مفہوم کو بیگی نے یون ادا کیا ہے ع۔

توخود این توبہ نہ کردی کہ مرا مے نہی

(۲) کیا ہوش مین نہ تھا۔

(۳) اتنا اتراتا کیون ہے۔

(۴) حیرت ہے کوئی وجہ سمجھ مین نہین آتی۔

(۵) حریفون کی درازی تو اسکا سبب نہین ہے۔

(۶) سمجھینگے، انتقام لینگے۔

(۷) اُسپر میرا احترام واجب تھا۔

(۸) اللہ ری بیدردی، اللہ ری سنگدلی۔

(۹) رندون کی حالت کا صحیح اندازہ رکھتے ہوے ایسی غلطی

(۱۰) کیا مجھے دیکھا نہین۔

(۱۱) کیا میرے توبہ کرنے پر خفا ہے۔

(۱۲) کیا مجھسے رنجیدہ ہے اور یہ وہ حالت ہے جو رندون یا عاشقون سے دیکھی نہین جاتی۔

(۱۳) کیا کسی خیال مین تھا، وغیرہ وغیرہ۔

اب ہر صاحبِ ذوق فیصلہ کرسکتا ہے کہ بیگی اور حزین کے شعر ملکر بھی مرزا کے شعر کا پاسنگ نہین ٹھہرتے اور یہ سرقہ ہو نہین سکتا، اِسے توارد کہہ نہین سکتے، یہ یون کہ اِن سب نے ایک ہی عنوان (مبحث) پر قلم اُٹھایا ہے اب جسے خدا دے۔

(غالب)

مرنے کی اے دل اور ہی تدبیر کر کہ مین
شایانِ دست و بازوِ قاتل نہیں رہا

(فیضی)

آن شکارم من کہ ہم لائق بکشتن نیستم
شرم می آید مرا ازانکس کہ صیادِ من است

آرگس :- بنائے خیال دونون شعرون مین یہان سے شروع ہوتی ہے
فیضی کہتا ہے مین ایسا شکار ہون کہ مار ڈالنے کے قابل نہین ہون ،
اسوجہ سے مجھے اپنے صیاد سے شرم آتی ہے ، غالب بھی یہی کہتے ہین
کہ مین اس لائق نہین کہ مجکو وہ ہلاک کرے ، لہذا کوئی اور تدبیر کرنی چاہیے
بیخود :- علامہ فیضی کا شعر سادہ سادہ ہے ، فرماتے ہین کہ مین صید زبون ہون جو
اس قابل بھی نہین کہ کوئی اُسے مار ہی ڈالے ، ہم کا لفظ بتاتا ہے کہ شوق سے پالنے
کے قابل ہونا تو درکنار اور صدقے مین اُترنے کے لائق ہونا تو بہت دور ہے مین
اس کا بھی اہل نہین کہ کوئی مجھے ذبح کر ڈالے ۔ مجھے اپنے صیاد سے شرم آتی ہے
یعنی مین اپنے صیاد کا احسانمند ہون کہ گو مین ایسا صید ہون پھر بھی اُسنے مجھے
اپنے کرم سے صید کیا یعنے معشوق کی ذرہ نوازی تھی جو مجھے صید کرنے کے قابل
سمجھا ، انسان کے دل مین ایسی باتین ایسے وقت آتی ہین جب اُس کی قدر ایسی کیجائے
کہ وہ خود کو اُس کا اہل نہ سمجھتا ہو ۔ اُسکے دل مین خود شناسی کا مادہ موجود ہو اور وہ
قدر اُس مین غرور نہ پیدا کر سکے ۔ یہ جذبہ شریفانہ ہے ، ناکس ایسے برتاؤ سے اپنے آپکو

بھول جایا کرتے ہین۔

غالب کے شعر سے یہ بات نہین معلوم ہوتی کہ قاتل نے اُسے قتل کرنیکے قابل نہین سمجھا، بلکہ وہ خود اپنے دل سے کہہ رہا ہے (اسلیے کہ دل انسان کے ہر گناہ ہر ثواب سے اتنا واقف ہے کہ علام الغیوب کے سوا اُس سے زیادہ کوئی واقف ہو نہین سکتا) کہ اب مرنے کی کوئی اور ہی تدبیر کر (جیسے زہر کھاکر مرجانا، ڈوب مرنا وغیرہ) اسلیے کہ اب مین اِس قابل نہین رہا کہ وہ مجھے اپنے ہاتھ سے قتل کرے، اور اِس قابل نرہنے کی کوئی وجہ خود نہین بتاتا، سامع جو چاہے سمجھ لے، کون مانع ہے کہ اِس کا سبب بے حوصلگی و بے دلی نہو، انسان تجربے سے قبل اپنے کو بڑے سے بڑے کام کا اہل سمجھتا ہے، مگر جب اپنی کم جرأتی اور کم حوصلگی کا امتحان کرلیتا ہے تو دل مین پانی پانی ہوتا ہے اور اگلے دعوے بھولجاتے ہین، علاوہ اسکے کوئی ایسا گناہ اُس سے سرزد ہوگیا ہو جو کیش محبت مین نبخشے جانے کے قابل نہو مثلاً ممکن ہے کہ غیر معشوق کا خیال محبت کے ساتھ دل مین آیا ہو، جفائے یار پر ترک محبت کا ارادہ ہوا ہو، معشوق پر جان نثار کرنیکا موقع آیا ہو اور جان عزیز کیگئی ہو، یہ شعر بلندی فطرت کی تصویر ہے کہ کسی خطا یا ترک اولی کی بنا پر وہ اب اپنے کو شایانِ دست و بازو قاتل نہین سمجھتا،

بلندی فطرت کی شان فیضی کے شعر مین بھی نکلتی ہے، مگر بلندی فطرت کے بھی مدارج مین فیضی کا شعر غالب کے شعر کو نہین پہنچتا، اور اِن تمام مطالب پر جس کا ذکر کیا گیا صرف "نہین رہا" کا ٹکڑا دلالت کرتا ہے یعنے اب سے پہلے اس قابل تھا۔

(۲) اور ہی تدبیر کر۔ کچھ کھاکے سو رہ، اور جتنی صورتین خودکشی کی ممکن ہین سب پر یہ ٹکڑا حاوی ہے۔

مولانا آرگس بیخود ناشاد کا یہ شعر پڑھیے، شاید غالبؔ کا شعر سمجھ مین آجائے ؎

ہان یہ تیرے خیال کے قابل نہین رہا ۔ بیخود موہانی ۔ اس دل مین رہ چکی ہے تمنا گناہ کی

ہم کہان کے دانا تھے کس ہنر مین یکتا تھے ۔ غالبؔ ۔ بے سبب ہوا دشمن غالبؔ آسمان اپنا

از من بگیر عبرت و کسب ہنر مکن ۔ عرفیؔ ۔ با بخت خود عداوت ہفت آسمان مخواہ

آرگس :- ہنرمندی پر آسمان کا دشمن ہونا دونون شعرون مین موجود ہے، یہی بنائے اشتراک خیال ہے ۔

بیخود :- آسمان ہنروالون کا دشمن ہے، یہ امر مشہورات و مسلمات سے ہے اور مسلمات کسی کی ملک نہین ہوا کرتے، مولانا یہ وہی چیز ہے جسے اہل فن غرضے از اغراض یا اُسکے حکم مین قرار دیتے ہین، دیکھنا یہ چاہیے کہ ایک مشہور بات سے کس نے کام کیا ۔ عرفی کہتا ہے کہ میری حالت سے سبق لو اور کسب ہنر نہ کرو، ورنہ ساتون آسمان تمہارے دشمن ہوجائینگے ۔ عُرفی نے اپنی حالت کی طرف متوجہ کرکے اس قول مشہور کی صداقت ذہن نشین کرانا چاہی ہے، اور اُس مین کامیاب ہوا ہے، ظاہر ہے کہ ایک اہل ہنر کی پریشان حالی خود جو اثر دیکھنے والون پر کرتی ہے ۔ اتنا اثر محض اُسکا حال بیان کردینے سے نہین پڑ سکتا ۔

اب غالبؔ کے شعر پر نظر فرمایئے، وہ کہتا ہے کہ ہم نہ عقلمند تھے نہ عالم نہ کسی ہنر مین یکتا ۔ آسمان نے ہم سے بے وجہ دشمنی کی ۔ اس شعر مین دو پہلو ہین، اور وہ عرفی سے بالکل الگ جارہا ہے ۔

(۱) اِس قول کی شہرت بے بنیاد ہے، ہماری حالت دیکھ لو ہم سراپا بے ہنری

ہین اور پھر آشفتہ حال ہین، اور یہ قول واقفیت سے دست و گریبان ہے، روزمرہ کے شاہد ہے اِس پر شاہد ہین کہ جس طرح اہل ہنر تباہ رہتے ہین، خدا کے لاکھون بے ہنر بندے در بدر خاک بسر پھرتے ہین، اہل ہنر کی پریشان حالی زیادہ نمایان نظر آتی ہے جس کا سبب یہ ہے کہ اُن کے ہنر اور اُن کے کمال پر دنیا کی نگاہین پڑتی ہین، اسلیے اُن کی آشفتہ حالی کا رونا زیادہ رویا جاتا ہے، علاوہ برین وہ خود اپنی حالت زار کا ماتم کیا کرتے ہین، اور اُن کی آواز جس مین زور کمال ہوتا ہے فضا مین گونجتی ہے، اور زمانہ اُسکو فریاد بے ہنر کی طرح فنا کردینے کی قدرت نہین رکھتا۔

(۲) دوسرا پہلو زیادہ لطیف ہے وہ یہ کہ شاعر کو باوجود کمال اپنے مین کوئی علم کوئی ہنر نظر نہین آتا، اور حقیقت مین یہی دلیل کمال ہے، حکیم سقراط کی حالت جس کی شاہد ہے، شاعر کو حیرت انگیز ہے کہ پھر ایسی حالت مین آسمان میرا دشمن کیون ہے۔

پوچھتے ہین وہ کہ غالبؔ کون ہے　　غالب　　کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائین کیا

زمردم یار می پرسد کہ حالی کیست طالع بین　　حالی　　کہ عمرم در محبت رفت و کار آخر رسید اینجا

آرگس:- اگرچہ پہلا مصرع بالکل ملتا جلتا ہے، مگر مضمون بالکل عام اور پیش پا افتادہ ہے، جو ہر شخص کے ذہن مین آسکتا ہے۔"

بیخود:- جناب آرگس کیخدمت مین گذارش ہے کہ جب مضمون عام ہے تو پھر اِس شعر پر التفات فرمانے کی ضرورت کیا تھی آپ فرمائینگے کہ توارد کی کثرت دکھانے کے لیے تو مین عرض کرونگا کہ بندہ نواز! شعر دو مصرعون کا ہوتا ہے اگر صرف ایک مصرع ملتا جلتا ہے تو اسے توارد کہنا کہان تک روا ہے، علاوہ برین اِس مضمون کو عام کہنا بھی اُس سر

ظلم ہے، اسلیے کہ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ عمر بھر محبت کرنے والے کو معشوق پہچانے تک نہین، مین دونون شعرون کا فرق نہایت واضح طور پر بیان کئے دیتا ہون۔

معشوق لوگون سے پوچھتا ہے کہ یہ عالی کون ہے مین نہین جانتا، عالی (عاشق) اپنے کسی ہمراز سے اس واقعہ کو نقل کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میری بدنصیبی دیکھ کہ ساری عمر محبت کرتے اور جان دیتے گزر گئی، اور انجام یہ ہوا کہ وہ مجھے آج تک پہچانتے بھی نہین۔

اِس شعر مین اپنے ہمدرد سے "طالع بین" کہ عمرم در محبت رفت و کار آخر رسید اینچا" کہتے وقت نگاہون سے ٹپکتی ہوئی مایوسی اور کم طالعی کے رنج سے چہرے کے اُڑے ہوئے رنگ کا نقشہ آنکھون مین پھر جاتا ہے اور بیان واقعہ مین شان واقعہ پیدا ہوجاتی ہے اور اس مین شک نہین کہ شعر کا اثر کہین سے کہین جا پہنچتا ہے، عالی کا شعر معشوق کی بیگانہ وشی و بے اعتنائی اور عاشق کی بے دست و پائی کا مرقع ہے
اب دیکھنا چاہیے کہ غالب کے شعر مین اسکے سوا کچھ اور بھی ہے یا نہین ؎

پوچھتے ہین وہ کہ غالب کون ہے
کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائین کیا

اِس شعر مین "پوچھتے ہین وہ" کو اس ٹکڑے سے ملا کر دیکھئے "کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائین کیا" تو صاف نظر آئیگا کہ یہ بھی اس شعر سے سمجھ مین آتا ہے کہ معشوق نے کسی اور سے یہ سوال کیا، اور یہ بھی سمجھ مین آتا ہے کہ خود عاشق ہی سے براہ راست پوچھا ہے، عالی کے یہان "زمردم بارمی پرسد" یعنی معشوق صرف اور لوگون سے پوچھتا ہے۔ غالب کے یہان معنی مین اتنی زیادتی تو یہین موجود ہے۔

اِس شعر سے معشوق کی بیگانہ خوئی و بے اعتنائی اور عاشق کی شرمندگی و بیدست پائی (یہ باتیں عالی کے شعر میں بھی پائی جاتی ہیں) کے علاوہ محبوب کی ستم ظریفی، بلند مرتبگی اور عاشق کی حالت زار اور اثر طول فراق وگرفتاری فریب محبت و یاس وغضب وغیرہ بھی صاف نظر آتا ہے۔

"کوئی تبلاؤ کہ ہم تبلائیں کیا" سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ بھری محفل میں ہو رہا ہے۔ ایسی حالت میں یہ سوال سُنا ہے تو بجلی سی گری ہے اور گھبرا کر اُس مجمع کی طرف خطاب کرتا ہے کہ للہ بتاؤ دیں کیا جواب دوں، شعر کا شعر بیان واقعہ نہیں واقعہ ہے۔ وہاں "طالع ہیں" سے مایوسی ٹپکتی تھی، تو یہاں "کوئی تبلاؤ" سے حیرانی اور دل میں چھپی ہوئی مایوسی برستی ہے۔

عالی اور غالب دونوں کے اشعار میں یہ مفہوم مشترک ہے ؎

امروز عیاں شد کہ نداری سرِ ما ہیچ ... بیچارہ غلط داشت بسے بر تو گماں ہا

ترجمہ: آج معلوم ہوا کہ تجھے اپنی کا خیال بالکل نہیں اُس غریب کو تیری محبت کے کیا کیا گمان تھے۔

معشوق جان بوجھ کر انجان بن رہا ہے، جو ایک طرح کی چھیڑ بھی ہو سکتی ہے، مگر عالی کے شعر میں اس کی گنجائش نہیں۔ زمانہ فراق نے اسقدر طول کھینچا ہے، اور صورت ایسی بدل گئی ہے کہ وہ پہچانتے ہی نہیں۔

بالالتزام یہ بھی نکلتا ہے کہ جب تک معشوق نے اسکے متعلق پوچھا نہ تھا عاشق کو خبر نہ تھی کہ میری حالت ایسی متغیر ہے۔

ایک خم بصورت پہلو اور بھی ہے۔ یعنی معشوق نے پوچھا ہے تو دل میں آتا ہے کہ

یہ کہہ دون۔ ع آپ کی جان سے دور آپ پہ مرنے والے

پھر یہ کہتے ہوے ڈرتا ہے کہ کہین بنتا ہوا کام بگڑ نجاے، اسی گھبراہٹ مین اُس کے حاشیہ نشینون سے پوچھتا ہے کہ تم لوگ مزاجدان ہو بتاؤ کہ جواب مین کیا کہون۔

اب میرے خیال مین دونون شعرون کا فرق صاف ظاہر ہوگیا ہے، ایسے اشعار کو توارد کی کار فرمائی سمجھنا اور سمجھانا سخت گناہ ہے، بہ اعتبار اختصار بھی مرزا کے شعر کو ترجیح دینی چاہیے۔

نکتہ:۔ یاد رکھنا چاہیے کہ رفتہ رفتہ دلبری و دلربائی معشوق کا شیوہ ہوجاتی ہے اُن کی ہر بات، اُن کی ہر نگاہ ادا ہوجاتی ہے، بے ارادہ لگاوٹ اپنے کرشمے دکھاتی ہے اور گرفتاران دام محبت فریبِ وفا محبت مین گرفتار رہتے ہین، جب اُن کی طرف سے حق محبت کا اظہار ہوتا ہے تو ایسے جواب ملتے ہین کہ بے اختیار زبان سے نکل جاتا ہے ؎

امروز عیان شد کہ نداری سر ما ہی بیچارہ غلط داشت بمہر تو گما نہا

کون ہوتا ہے حریف مے مردافگن عشق غالب ہے مکرر لب ساقی پہ صلا میرے بعد

گرد فنا شد حریفان بزم عشق لا اعلم برخاک ریز جرعۂ مرد آزماے ما

آرگس:۔ مے مردافگن اور جرعۂ مرد آزما شارکت خیال کا سبب ہین اور خیال بھی تقریباً یکسان ہین، مرزا فاخر مکین کا بھی یہی مضمون ہے

زن سیرتان دو رجہان راخبر کنید
ساقی گرفت جرعۂ مرد آزماے ما"

سہا:۔ اسکے (شعر غالب) مقابلہ مین دو دوراز کار اشعار پیش کئے گئے ہین، جن مین محض الفاظ (ترکیب) مرد آزما ہونے کی وجہ سے طبع آزمائی فرمائی گئی ہے، مطلب سے حسب عادت کوئی سروکار نہین ۔

بیخود:۔ پہلے تو کو مین سے بدل لیجئے، جناب آرگس کی تو وہی حالت ہوگئی جسے مُلا جامی نے اپنے لاجواب مطلع مین ظاہر کیا ہے ع

ہر کہ پیدا می شود از دور پندارم توئی

لفظ کی جھلک غلط انداز نگاہ سے دیکھی اور سرقہ یا توارد کی تان لگائی، جناب سُہا کے جواب کا انداز بھی سوال سے کچھ کم دلکش نہین ۔

مطلب سے کچھ سروکار نہین، اتنا کہا اور حق جواب ادا ہوگیا، اب مین نفس مطلب بحث کرتا ہون ۔

"مے مرد آزما" وہ شراب جس سے مردون کا امتحان لیا جاسکے یعنی جسے وہ اُلٹ نہ دے وہ مرد ہے ۔

"مے مرد افگن" مردون کو زیر کرنے والی شراب

"لا اسلم" گرد فنا شدند الخ

مریضان بزم عشق گرد فنا (خاک ہوگئے) ہوگئے ۔ اے ساقی اب اری (عشاق کامل میکشان کامل) مرد آزما شراب زمین پر لنڈھا دے ۔ یعنے اب اس کا کوئی پینے والا نہین رہا ۔

زن سیر تان دور جہان را خبر کنید
ساقی گرفت جرعۂ مرد آزمائے ما (مرزا فاخر)

دور دنیا کے بودون سے کہدے کہ ساقی نے اب ہماری مردآزما شراب اُٹھالی ہے یعنی کہین بھول کر بھی جرات نہ کر بیٹھنا ورنہ خیر نہوگی۔

←── (غالب) ──→

کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگن عشق ۔ ہے مکرر لب ساقی مین صلا میرے بعد

(۱) میرے مرجانیکے بعد ساقی بار بار کہتا ہے کہ ہے کوئی جو عشق کی مرد افگن شراب کا حوصلہ رکھتا ہو، اس مین اتنا ٹکڑا مقدر ہے "اور کوئی نہین بڑھتا"

(۲) ساقی کے صلاے عام پر بھی جب کوئی ہمت نہین کرتا تو وہ افسوس کے لہجے مین زیر لب کہتا ہے "کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگن عشق" الخ اور اس طرح شعر مین یہ خوبصورتی پیدا ہوجاتی ہے کہ پہلی مرتبہ صلاے عام کی آواز، دوسری بار حسرت کے لہجے مین اپنے الفاظ کا اعادہ، یہ تمام باتین آنکھون کے سامنے آجاتی ہین اور ساقی کی تصویر پہلے نظر آتی ہے پھر اُسکے الفاظ کانون مین گونجنے لگتے ہین اور مردہ مضمون مین جان پڑجاتی ہے یہ واقعہ ہے کہ مرزا ناسخ کے شعر مین یوہین سا بانکپن نکلتا ہے، دوسرے شعر مین "گرد فنا شد نم الخ" مین دل کو لہو کردینے والا اثر ہے، اب رہا مرزا غالب کا شعر اُس مین ایسا اثر ہے، جس سے دل کی رگین ٹوٹنے لگتی ہین اسلیے کہ ساقی رندون کی جان ساقی (معشوق) کو صلاے عام کی ضرورت پڑے اور پھر اس دعوت کی اجابت کرنیوالا کوئی نہو جسکی منتین کیتے رہے ہون' آج وہ یوسف کے کاروان ہوجانے۔ اگر معشوق مراد ہو تو یہ مفہوم ہوگا کہ حسن و ادا سب بیکار ہوگئے، رندون کے رنج اور ساقی کے رنج مین فرق ہے، بیخود ناشاد کا یہ شعر پڑھیے تو مرزا کے شعر کا پورا لطف آسکے ؏

بیخود: اُمنگ کا یہ رنگ ہے ہجوم درنج دیاس مین
کہ جس طرح کوئی حسین ہو ماتمی لباس مین

چھوڑونگا مین نہ اُس بتِ کافر کا پوجنا — غالبؔ — چھوڑے نہ خلق گو مجھے کافر کہے بغیر
خلق می گوید کہ خسرو بت پرستی میکند — خسروؔ — آرے آرے می کنم با خلق و عالم کار نیست

آرگس: "خیال عام اور معمولی ہین، مگر اتنے قریب ہین کہ جدائی مشکل ہے۔"

بیخود: جب خیال عام ہین اور معمولی تو پھر بیان پیش کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ "چھوڑونگا مین نہ" اور "چھوڑے نہ خلق گو" ان ٹکڑون سے غالب کے شعر کا حُسن بڑھ گیا ہے۔

گرنی تھی ہمپہ برقِ تجلی نہ طور پر — غالبؔ — دیتے ہین بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھکر
نہ کوتہی ز عطا بود عشق می داند — عرفیؔ — کہ بر کرشمہ تنگ بود خلعت طور

آرگس: "عرفی نے کہا تھا کہ ہمپر جو برق تجلائے طور نہین گری تو یہ عطا کی کوتاہی نہین تھی، عشق کو یہ راز معلوم ہے کہ ہمارے جسم پر خلعت طور تنگ تھی (تھا) یعنی وہ ہمارے قابل نہ تھا، غالب کے یہان خیال اس سے گھٹا ہوا ہے، وہ صرف اتنا کہتے ہین کہ طور پر برق تجلی کیون گری ہمپر کیون نہ گری؟"

یگانہ: آپ نے خلعت طور کا ترجمہ برق تجلے غلط کیا ہے خلعت علیحدہ

سے مراد خلعت نبوت موسوی یا خلعت پیغمبری یا کلیمی ہے۔

چنانچہ عُرفی کہتا ہے کہ مجھے اگر نبوت نہ ملی تو اس سے عطا کا نقص نہیں پایا جاتا، کیونکہ خلعت نبوت میرے لیے کوتاہ تھی (تھا) گویا مجھے اِس سے بہتر خلعت دیا گیا۔ یعنی خلعت عشق، چنانچہ عشق می داند کا قرینہ اِسی مطلب کی توضیح ہے۔

اور غالب کہتا ہے کہ خود وہ برق تجلائے طور (جسکو عرفی عطا کے لفظ سے ظاہر کرتا ہے) جو طور کو سوختہ کر سکتی ہے اور خلعت نبوت و عشق عطا کرتی ہے ہمپر گرنی چاہیے تھی کیونکہ ہمارا ہی ظرف ایسا ہے کہ ہم اُس کو دل میں رکھ لیتے اور کسی کو خبر نہوتی، ہم طور کی طرح سوختہ نہوتے، اور موسیٰ کی طرح ہوش و حواس نہ کھو بیٹھتے۔"

بیخود:- عرفی کے یہاں یہ شعر ؎

نہ کوتہی ز عطا بود عشق می داند	کہ بر کرشمۂ ما تنگ بود خلعت طور

اِن اشعار کے بعد ہے ؎

طلب بیار و مترس از متاع منع کلیم	بساط عذر میار اگر نیستی معذور
اگر بچشمۂ مقصود ست عشوۂ ما	شکست ساغر اُمید او بسنگ فتور
نہ کوتہی ز عطا بود عشق میداند	کہ بر کرشمۂ ما تنگ بود خلعت طور

متاع منع کلیم۔ لن ترانی۔ تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا۔

مین اِن اشعار کا مختصر مطلب عرض کیے دیتا ہون

عشق اور سچی آرزو پیدا کر اور مین نے جو کلیم سے لنترانی کہدیا ہے اُسے بہانہ نہ بنا

اور یہ نہ کہہ کہ اُدھر سے صاف جواب مل چکا ہے اب کس توقع پر دیدار کی تمنا کرین، اگر ہمارے عشوہ کے ہاتھون کلیم کی اُمید کا ساغر چشمہ مقصود پر سنگ فتور سے چور چور ہوگیا (یعنی اُسکی یہ تمنا پوری نہ کی گئی) تو عشق خوب جانتا ہے کہ اِسکا سبب کوتاہی کرم نہ تھی، بلکہ ہمارے کرشمہ کیلیے خلعت طور تنگ یا ننگ تھا، یعنی طور مین اتنا تحمل نہ تھا کہ ہمارے جلوہ کا متحمل ہوتا، اگر موسٰے نے دل کی آنکھ اور عشق کی نگاہ سے دیکھنا چاہا ہوتا تو اُن کی یہ آرزو ضرور پوری کیجاتی۔

اب اہل نظر انصاف فرمایئن کہ عُرفی کہین بھی پیمبری کو اپنے قابل نہ سمجھنے کا نام لیتا ہے یا یہ کہتا ہے کہ مجکو خلعت عشق دیا گیا ہے جو خلعت نبوت سے بہتر ہے۔

غالب کہتا ہے کہ ہم بار امانت کے حامل ہین برق تجلے کا تحمل ہم کو ہوسکتا ہے، طور پر تجلی کی ضرورت کیا تھی، یہ وہی ہے جسنے ایک بار امانت کے تحمل سے انکار کیا تھا، مختصر یہ کہ تیری ایک تجلی رائگان گئی۔

یا رب وہ نہ سمجھے ہین نہ سمجھینگے مری بات	غالب	دے اور دل انکو جو نہ دے مجکو زبان اور
زبان شوخ من ترکی و من ترکی نمیدانم	خسرو	چہ خوش بودے اگر بودے زبانش در دہان من

آرگس:- دونون مصرعون مین ایک قسم کا فرق ہے، خسرو کا مصرع نہایت چست ہے، اگرچہ غالب کا فلسفیانہ انداز کا نہایت کامیاب مصرع ہے:

بیخود:- میرے نزدیک دونون شعر بالکل الگ ہین: خسرو کہتا ہے کہ میرے چنچل معشوق کی زبان ترکی ہے اور ترکی نہ مجھے آتی نہین، کیا اچھا ہوتا، اگر اُسکی زبان

میرے ذہن مین ہوتی کہ اپنی کہتا اور اُسکی سُنتا۔ ہان اس ٹکڑے مین کہ "بودے زبانش در دہانِ من" مین مزے کا ایہام پیدا ہوگیا ہے۔

غالب کہتا ہے، اے میرے پروردگار وہ (معشوق) ابتک میرا مدعا نہین سمجھے اور نہ سمجھینگے اگر تو مجکو ایسی زبان نہین دیتا جس کا اثر اُن کے دل پر پڑے، تو اُن کے دل کو بدل دے۔

(۱) اسکا ایک پہلو یہ ہے کہ وہ ایسا کمسن ایسا بے پروا اور ایسا بھولا ہے یا اُسنے ایسی تربیت مین پرورش پائی ہے کہ دل عشاق کی تمنا سے بیخبر ہے اور نہ آج میری سمجھتا ہے نہ آئندہ سمجھنے کے آثار پائے جاتے ہین (نہ سمجھینگے بیتابیٔ شوق نے کہلوادیا ہے) اور عشق کو تابِ انتظار نہین، اگر تو میری زبان مین اثر نہین دیتا تو اُسکے دل مین ویسے ہی شوق کے جذبات پیدا کرے جو میری جان لیے لیتے ہین۔

اس صورت مین یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ جب معشوق ایسا کمسن یا سادہ دل ہے تو پھر اس دُعا کے کیا معنی، اسکا جواب یہ ہے کہ اس دعا سے عاشق کی بیتابیٔ شوق اور تکلیف انتظار کا اندازہ ہوتا ہے۔

(۲) کلام غالب مشکل تھا، اسپر صرف گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل ہی نہین سارا دیوان اور شرحون کی آشفتہ بیانی دال ہے، لوگون کے نہ سمجھنے سے تنگ آکر یہ یہ دعا کرتے ہین۔

نکتہ:۔ مرزا نے یہ نہین کہا کہ جو اُن کا دل نہین بدلتا تو میری زبان بدل دے بلکہ اُسکے برعکس یعنی اگر مجھے اور زبان نہین دیتا تو اُن کو اور دل دے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ اہل زمانہ کی نافہمی سے اتنا دل دُکھا ہے کہ اب یہ دعا نہین کیجاتی کہ

اُن کا دل بدل دے بلکہ یہ کہتے ہین کہ مین ایسی زبان سے درگزرا جس کے سمجھنے والے نہین ملتے۔

پہلے مطلب مین "جو نہ دے مجکو زبان اور" سے یہ منشا ہوگا کہ اُسکا دل تو یہی چاہتا ہے کہ خود اُسکی زبان مین اثر ہوتا اور معشوق اُس سے متاثر ہوکر رام ہوتا تو اسکا کیا کہنا تھا، یہ نہین کرتا تو بلا سے اُس کا دل بدل دے، بیتابیٔ شوق میری جان لیے لیتی ہے۔

یہ بھی کہہ سکتے ہین کہ "جو نہ دے مجکو زبان اور" سے کوئی خاص زور پیدا کرنا مقصود نہین ہے بلکہ مساوات کے معنے پیدا کرنا مقصود ہین یعنی یہ نہ کر تو وہ کر۔

صفائے حیرت آئینہ ہے سامان زنگ آخر — غالب — تغیر آب برجا ماندہ کا پاتا ہے رنگ آخر

درطینت فسردہ صفا ہا کدورت است — بیدل — آئینہ می کند ہمہ زنگار آب را

آرگس :۔ شعر دونون الجھے ہوے ہین سلجھایئے تو ما حصل ایک نکلیگا"

نُہا :۔ "شعر دونون سلجھے ہوے ہین، غالب جمود کے معائب بیان کرتا ہے اور بیدل افسردگی کے، اور یہی فرق دونون اشعار مین ہے"

بیخود :۔ افسردہ طینت ' پست ہمت، پانی اور برسات کی ہواسے آئینہ فولادی مین زنگ دوڑ جاتا ہے۔

مرزا بیدل فرماتے ہین کہ پست فطرتون اور کم ہمتون کے لیے سامان خوبی (تعلیم و دولت وغیرہ) تباہی کا باعث ہوجایا کرتا ہے دیکھو آئینہ فولاد پانی کو سراپا زنگار بنادیتا ہے یعنی پانی ہر جگہ شادابی پیدا کرتا ہے مگر آئینہ فولادی کی پست فطرتی نے پانی ہی

طاہر و مطہر شے کو سراپا زنگار بنا کے چھوڑا۔

مرزا غالب فرماتے ہیں حیرت آئینہ کی صفائی آخر میں زنگ کا سامان ہو جایا کرتی ہے، دیکھو بندھے پانی میں کائی جم جاتی ہے اور پانی کا اصلی رنگ دریا برد ہو جاتا ہے یعنی اہل صفا پر جہان عالم حیرت ایک زمانہ تک طاری رہا وہ تباہ ہو کر رہتے ہیں اور کسی نقطہ پر اہل کمال کی ترقی کا رک جانا تمہید زوال ہوتا ہے۔

دونوں شعروں کا فرق یہ ہے کہ بیدل پست ہمتوں کیلیے سامان خوبی (تعلیم و دولت وغیرہ) کو مضر بتاتا ہے اور غالب اہل کمال کیلیے عالم حیرت کے طاری رہنے کو۔

نہ کی سامانِ عیش و جاہ نے تدبیر وحشت کی — غالب — ہوا داغ زمرد بھی مجھے داغ پلنگ آخر

منزل عیش تو وحشتکدہ امکان نیست — بیدل — چمن از سایۂ گل پشت پلنگ است اینجا

در وحشت این بزم بعشرت نتوان زیست — " — ہر چند چراغانش گل پشت پلنگ است

آرگس:۔ غالب کہتے ہیں کہ عیش و جاہ سے وحشت کا سد باب نہوگا زمرد کا داغ بھی میرے لئے داغ پلنگ یعنی سرمایۂ وحشت بن گیا بیدل کہتا ہے کہ وحشت کدۂ عالم میں یہ صلاحیت نہیں کہ منزل عیش بن سکے چمن سایۂ گل سے پشت پلنگ بن گیا۔

سہا۔ غالب نفس عیش و جاہ کو بیدل دونوں شعروں میں اس دنیا کو سرمایۂ وحشت قرار دیتے ہیں، غالب کا موضوع زیادہ نازک ہے مضامین اور مشبہ میں فرق ہے اگرچہ مشبہ بہ مشترک ہے۔

بیخود :- حضرت آرگس نے غالب کے شعر میں جام زمرد کی جگہ داغ زمرد لکھا اور جناب سُہا نے اُسے صحیح قرار دیا ، میں حضرت آرگس کے لیے سرقہ کی ایک اور مثال پیش کردوں ؎

نہر گلزار ہمہ کام نہنگ است اینجا
پر طاؤس چمن پشت پلنگ است اینجا

بیخود موہانی ؎

بیدل دنیا کو وحشت کدہ قرار دیتا ہے اور ایسا وحشت کدہ کہ سامان آرائش سے اور زیادہ وحشتناک ہوجاتا ہے ۔

غالب کہتے ہیں سامان عیش وجاہ علاج وحشت نہیں ہوسکتا ۔ رفتہ رفتہ جام زمرد (سامان عیش وجاہ) بھی میرے لیے پشت پلنگ بنگیا ۔

بیدل نے اپنے اشعار میں دنیا کو چراغان اور چمن کو سایۂ گل سے پشت پلنگ بنایا ۔ مرزا نے جام زمرد کو داغ پلنگ بتایا ، ہر ایک نے جدا تشبیہ نکالی ۔

فلک سے ہمکو عیش رفتہ کا کیا کیا تقاضا ہے
متاع بردہ کو سمجھے ہوئے ہیں قرض رہزن پر

نقدے کہ دوران بردہ است از کیسۂ عمرم برون
جا دیدہ مستغنی نیم از صد دہ گر نیم را

آرگس :- بنائے خیال رہزن سے متاع بردہ کی واپسی پر مبنی ہے جو دونوں شعروں میں موجود ہے ۔

سُہا :- اس شعر میں غالب نے کہیں بھی واپسی متاع پر شعر کی بنیاد نہیں رکھی وہ تو واپسی کے خیال کو حماقت ظاہر کرتا ہے جیسے کوئی شخص رہزن کو اپنا مقروض سمجھے ۔

نہ نظیری نے واپسی پر بنائے خیال رکھی ہے بلکہ یہ کہتا ہے کہ زمانہ نے مجھے اسقدر لوٹا ہے کہ اگر اُسکا ہزاروان حصہ بھی مجھے ملجائے تو میرے عیش جاوید کیلیے کافی ہو یعنی غالب عیش رفتہ کی باز طلبی کو حماقت کہتا ہے اور نظیری اپنی فراوانیٔ بربادی ظاہر کر رہا ہے۔

بیخود:۔ جناب سُہا نے یہ توصیح لکھا ہے کہ غالب عیش رفتہ کی باز طلبی کو حماقت کہتا ہے مگر نظیری کا شعر سلجھانے کی کوشش نہین کی۔ نظیری کے یہان نقد سے مراد عمر دنیا زور۔ شباب وغیرہ ہے۔ کہتا ہے کہ اگر میری گزری ہوئی عمر کا چھوٹے سے چھوٹا حصہ مجھے ملجائے تلافیٔ مافات کرکے باز پرس محشر سے نیاز ہو جاؤن۔

لگ‌ئے خانہ آئینہ مین روئے نگار آتش	غالب	نہ لیوے گر خس جوہر طراوت سبزۂ خط سے
رخش در شامِ خطِ ماہِ سحاب آلودہ را مانَد	حزین	کتانِ طاقتم را پردہ داری سکیند حسنش

آرگس:۔ غالب کا خیال ہے کہ آئینہ کے خس جوہر کو اُسکے سبزۂ خط سے طراوت پہونچتی رہتی ہے ورنہ میرے معشوق کا چہرہ خانہ آئینہ مین آگ لگادے۔ شیخ علی حزین کا خیال تھا کہ میرے کتان صبر کی پردہ داری اُس کا حُسن کرتا ہے، خط جو اُسکے رخسارہ کو ڈھانک رہا ہے وہ ایک سحاب ہے جس کی وجہ سے میری کتانِ صبر پر اس چاند کا اثر پورا نہین پڑ سکتا۔ ایسا نہو تو کتان صبر پارہ پارہ ہو جائے، اس شعر مین پرداز خیال یکسان ہے مضمون مین کچھ نہ کچھ فرق ہے۔

سُہا:۔ آپ نے یہ بھی ملاحظہ کیا کہ حزین کے شعر کی بندش کسقدر سست

اور غیر مربوط ہے۔

دوسرے یہ کہ جب حسن ہی پردہ دار طاقت ہے تو طاقت کو پارہ کرنیوالی

کون سی چیز باقی رہجاتی ہے؟

بیخود۔ جناب آرگس کا خیال صحیح ہے، دونون شعرون مین پرواز خیال کا ایک رنگ ہے۔ انداز بیان بھی ایک ہی ہے۔ مگر دونون کا خیال الگ ہے۔ مضمون مین بہت بڑا فرق ہے۔

جناب سُہا کو شاید یہ نہین معلوم کہ معشوق کی صورت ہو یا عبارت، اشارت ہو یا ادا سب کے سب ملکر بھی حسن ہین اور الگ الگ بھی حسن ہین، حزین کہتا ہے کہ حسن یار (یا خود یار جو سراپا حسن ہے) خود میری طاقت کی پردہ داری کر رہا ہے۔ خط کی شام مین اُسکے چہرے کی مثال ماہ سحاب آلودہ کی سی ہے یعنی اگر خط کا سواد نہوتا اور ماہ رُخ اپنی پوری روشنی سے چمکتا تو کتان صبر پارہ پارہ ہوئے بغیر نہ رہ سکتی، حسن عارض کے اثر کو جسنے کم کر دیا وہ حسن خط ہے۔ حزین کے شعر کی بندش بھی سست نہین خط بھی حسن ہوتا ہے اسکی صرف ایک مثال کافی ہوگی۔

غنی کشمیری ؎

حسن سبز بخط سبز مرا کرد اسیر

دام ہمرنگ زمین بود گرفتار شدم

اک نازک فرق یہ بھی ہے کہ حزین نے حسن یار کا اثر ذی روح پر دکھایا ہے اور غالب نے غیر ذی روح (آئینہ) پر۔

پرتو خور سے ہے شبنم کو فنا کی تعلیم — غالب — ہم بھی ہین ایک عنایت کی نظر ہونے تک

گرانجان تر ز شبنم نیست جسم ناتوان من — حزین — اگر می بود با من رنے گرمی آفتابش را

آرگس :۔ غالب کا خیال ظاہر ہے۔ شیخ کا خیال ہے کہ میرا جسم ناتوان شبنم سے زیادہ گرانجان تو نہین ہے کہ وہ مجھپر نظر عنایت کرے اور فنا ہو جائے۔ صائب کہتا ہے ؎

بہ اندک رُوئے گرمی پشت بر گل می کند شبنم
چرا در آشنائی اینقدر کس بے وفا باشد

آفتاب کی تھوڑی سی توجہ مین شبنم پھول پر لات مار دیتی ہے، بڑا افسوس ہے آشنائی اور پھر یہ بیوفائی۔

سُہا:۔ شبنم کی بے ثباتی کی تمثیل عام طور پر زبان مین رائج ہے لیکن مسلّم تشبیہات و تمثیلات کے تنوع استعمال سے اشعار ہم مضمون نہین ہو جایا کرتے۔

بیخود:۔ جناب سُہا کا یہ ارشاد صحیح ہے کہ مسلّم تشبیہات و تمثیلات کے تنوع استعمال سے اشعار ہم مضمون نہین ہو جاتے، میرے نزدیک ان شعار مین تمثیل اور خیال دونون ایک ہین۔ مگر حزین کے شعر مین بہ تقاضائے بشریت کچھ فروگزاشتین ہو گئی تھین۔ مرزا نے اُن کو نکال دیا۔

(۱) انسان کا جسم وہ کیسا ہی ناتوان کیون نہو شبنم سے زیادہ اسکا سخت جان ہونا ظاہر ہے، پھر اسی ٹکڑے کے بل پر حزین دوسرے مصرعے مین فرماتے ہین ع

اگر می بود با من روئے گرمی آفتابش را

(۲) جسم انسانی کا شعاع مہر کے پڑتے ہی فنا ہو جانا سمجھ مین آنے کی بات نہین۔ مرزا نے یون کہدیا کہ جس طرح شبنم آفتاب کے ذرا سے التفات مین درجۂ فنا حاصل کرلیتی ہے اُسی طرح ہمارے لیے بھی معشوق کی ایک نگاہ التفات کافی ہے۔

کب سے ہون کیا بتاؤن جہان خراب مین
شبہاے ہجر کو بھی رکھون گر حساب مین

زہے عمر دراز عاشقان گر
شب ہجران حساب عمر گیرند

آرگس :۔ دونون شعر ایک ہی مضمون کے ہین کیا فرق کیا جائے۔ البتہ مندرجۂ ذیل خیال کچھ علحدہ ہے ؎

زخضر عمر فزونست عشقبازان را بہری اگر ز عمر شمارند شام ہجران را

نخود :۔ یہ مصرع یون ہوگا ع شب ہجر از حساب عمر گیرید۔ بہری نے صرف اتنا ٹکڑا اس مین بڑھا دیا ہے "زخضر عمر فزونست" ورنہ اُن کے یہان عشقبازان ہے خسرو کے یہان عاشقان ہے، ہان درازئی عمر عشاق کے اندازہ کے لیے اُسنے عمر خضر کا ذکر کردیا ہے اور اس مین شک نہین کہ اس سے شعر مین تازگی پیدا ہوگئی ہے ورنہ مضمون بالکل ایک ہے، غالب نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ اُنھون نے جہان خراب کا ٹکڑا بڑھایا ہے جس سے ہجران نصیبون کی زندگی کا زحمت و بلا ہونا اور زیادہ روشن ہوگیا ہے، مگر میرے نزدیک "عمر خضر" یا "جہان خراب" کے اضافہ سے کوئی بزرگ زیادہ داد کے مستحق نہین۔

قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھوں   غالب   مین جانتا ہون جو وہ لکھینگے جواب مین

انکا جواب نامۂ عاشق تغافل است   بیدل   بیہودہ انتظار جوابی کشیم ما

آرگس:- مضمون دونون ایک ہین۔ ممکن ہے کہ بغیر پہلا شعر دیکھے دوسرا شعر کہا گیا ہو۔

سہا:- کسقدر عامۃ الورود مضمون ہے اس لیے بیدل کے شعر مین کوئی خاص بات پیدا نہوئی، مگر غالب کی فکر عالی یہان بھی ندرت پیدا کرگئی یعنی کہتا ہے کہ جواب نامہ تو آئے گا مگر جو کچھ وہ لکھینگے مجھے معلوم ہے یعنی عشق کس کو کہتے ہین، ہوتا بھی ہوگا۔ تو یہ کیسے یقین ہو کہ تمہین بھی عشق ہے اور تم کون ہو جی ہم پر مرنے والے اور بلا سے مرتے ہو مرجاؤ ہم کیا کرین، غرضکہ اس قسم جواب کیلیے غالب ایک اور خط لکھ کر رکھ لینا چاہتے ہین اور یہی حصہ شعر جدت طرازی پر مبنی ہے۔

بیخود:- یہ توارد نہین، کیونکہ دونون کی شاہراہین بالکل علٰحدہ ہین۔

جناب سہا سے التماس ہے کہ بندہ پرور یہ کونسا استدلال ہے کہ مضمون عامۃ الورود تھا اسلیے بیدل کے شعر مین کوئی خاص بات پیدا نہوئی آپ بیدل کی جلالت قدر سے واقف نہین، یہ وہی شخص تھا جس کی ہر ادا پر غالب ایک عمر تک مٹے رہے۔ اِسکے شعر مین مایوسیون کا ایسا سمندر پنہان ہے جس مین طوفان آنیکے کچھ دیر پہلے سکون نظر آتا ہو۔ جب تاب انتظار نے دم توڑ دیا۔ تو عاشق اپنے دل مین یا باآواز بلند کہہ اٹھا ہے کہ وہان عاشقون کے خط کا جواب تغافل اور خاموشی ہے مین بیکار جواب کا منتظر ہون، اس سے بالالتزام معشوق کی بے نیازی بلندی تک

استادمزاج اور خدا جانے کیا کیا ظاہر ہوتا ہے پھر الجھ الجھ کر یہ کہنا کہ مین ناحق انتظار کرتا ہون کیا یہ کوئی سرسری بات ہے جو منہ سے نکلی اور ختم ہوگئی ایسی حالت مین دل کا جو عالم ہوتا ہے اُسے ذہن مین رکھئے تو بیدل کے شعر مین آپ کو ہر بات خاص ہی نظر آنے لگے۔

" انجا جواب نامۂ عاشق تغافل است" سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عاشق اس بات سے خوب واقف تھا کہ معشوق عاشقون کے خط کا جواب نہین دیتا پھر خط لکھا کیون اسلیے کہ اپنی محبت پر حد کا اعتماد تھا، اُدھر سے بے ارادہ (بربنائے مشق وعادت جو طبیعت ثانیہ بن گئی) لگاوٹ ہوتی ہوگی، عاشق فریب وفا مین گرفتار ہوگا، اپنے کو معشوق کے عام برتاؤ سے مستثنیٰ سمجھتا ہوگا کوئی اُستاد کہتا ہے ؎

بچو می بینم کسے از کوئے او دلشاد می آید
فریبے کز وے اوّل خوردہ بودم یاد می آید

مگر جس طرح بیدل نے "بیہودہ انتظار خبر می کشیم ما" کہکر کیفیات اور جذبات کا ایک عالم پیدا کر دیا ہے، غالب نے "خط اک اور لکھ رکھون" خیالات کی ایک دنیا پیدا کردی اس شعر مین کم سے کم اتنے پہلو ہین۔

(۱) جب تک قاصد پلٹے پلٹے ایک خط اور لکھ کر رکھ دون مین جانتا ہون کہ وہ کچھ جواب نہ دینگے مگر دل نہین مانتا ؎

یہ جانتا ہون کہ تو اور پاسخ مکتوب	مگر ستم زدہ ہون ذوق خامہ فرسا کا
خط لکھینگے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو	ہم تو عاشق ہین تمہارے نام کے

اور یہی مفہوم ہے جو بیدل کے شعر کی بنیاد ہے مگر ذوق خامہ فرسائی کا مضمون غالب کے

یہان زیادہ ہے

(۲) مین اُسکے رنگ مزاج سے واقف ہون مین سمجھتا ہون کہ وہ میرے خط کا جواب کیا لکھے گا، اسلیے اُسکا جواب پہلے سے لکھ رکھنا چاہیے اِس مفہوم کا ایک پہلو وہی ہے جسے جناب سُہانے اپنی اردو کے معلّے مین لکھا ہے۔

(۳) یہ پہلو کسی قدر نازک ہے، عاشق کو مشق تصور سے اب یہ بات حاصل ہوگئی ہے کہ جو خیال معشوق کے دل مین آتا ہے اُسے خبر ہو جاتی ہے اسلیے جو معشوق وہان لکھ رہا ہے اُسکا جواب پہلے سے لکھ رکھنا چاہتے ہین تاکہ قاصد کو جواب کے لیے ٹھہرنا نہ پڑے۔ ان اشعار سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ بیدلؔ پر اِس خیال سے کتنا حوصلہ فرسا اثر پڑا ہے اور غالبؔ پر کتنا حوصلہ افزا۔

اہلِ بینش کو ہے طوفانِ حوادث مکتب — غالب — لطمۂ موج کم از سیلیٔ اُستاد نہین

من و بلائے تو نطع ادیم و تاب گسیل — خاقانی — من بجفائے تو شاگرد و سیلیٔ اوستاد

صد معلّم عشق را کے بلہوس دارد قبول — نظیری فاریابی — کے شناسد طفل قدرِ سیلیٔ اُستاد را

آرگس: غالبؔ کے یہان بصورت عمومیت، خاقانی کے یہان بصورت خصوصیت نظیری کے یہان بصورت نفی ایک ہی مضمون کو باندھا گیا ہے بنائے اشتراک خیال سیلیٔ اُستاد کے سوا کچھ نہین:

سُہا: غالب مصائب روزگار یا حوادث ارضی وسماوی کی تمثیل اہل عقل کیلیے سیلیٔ اُستاد سے کرتا ہے اور اِس طرح استقلال اور بلند ہمتی کی روح پھونکتا ہے اور خاقانی جفائے محبوب کی اور نظیری فاریابی عشق و ہوس کی

امتیازی خصوصیت کو سیلیِ اُستاد سے مثال دیتے ہین۔

تینون اشعار جُدا جُدا مضمونون کے حامل ہین، بلکہ آخر الذکر دونون شعر تو آپس مین کوئی جز مشترک رکھتے ہین لیکن غالب کا شعر یکقلم علیحدہ ہے۔"

بیخود:- مین سب اشعار کا مفہوم بیان کئے دیتا ہون اور فیصلہ حضرت آرگس پر چھوڑتا ہون۔

میرے نزدیک غالب کا مضمون نہایت وسیع ہے علاوہ اسکے اُسنے طوفانِ حوادث کو مکتب قرار دیا ہے، مکتب کا ہنگامہ خواہ لڑکون کے پڑھنے سے پیدا ہو یا سیلیِ اُستاد کا نتیجہ ہو، اُس سے طوفان کے جوش وخروش کا عالم نظرون مین پھرنے لگتا ہے، دوسری لطافت یہ ہے کہ (لطمۂ) موج کے تھپیڑے اور اُستاد کے طمانچے مین کیسی زبردست مشابہت ہے، یہ لفظ اپنے معنون کی تصویر ہے۔ پھر شعر کا ایک ہی تلازمۂ بحر مین ختم ہو جانا بھی اثر شعر کا کفیل ہے، غالب کہتا ہے کہ اہلِ بنیش کے لیے کوئی حادثہ ہو سبق آموز ہے۔

خاقانی کے شعر کا سجاؤ اہلِ خبر کیلیے مایۂ ناز ہے ادھر "من وبلائے تو" اُدھر جواب مین "من وجفائے تو" پھر "نطع ادیم" وتاب سہیل اور شاگرد وسیلیِ اُستاد کا تقابل شعر کے حُسن کو دوبالا کئے دیتا ہے۔ نطع ادیم، وتاب سہیل کی تمثیل جدت طرازی کی بین مثال ہے، خاقانی معشوق کی ڈالی ہوئی ہر بلا کو ویسا ہی مفید بتاتا ہے جیسے نطع ادیم کیلیے تاب سہیل اور شاگرد کیلیے سیلیِ اُستاد۔

نطع ادیم۔ ادیم مین جب سہیل مینی طالع ہوتا ہے تو اُسکی روشنی مین چمڑا رکھدیا

جاتا ہے جس میں نہایت خوشگوار خوشبو پیدا ہو جاتی ہے اُسکے دسترخوان بنائے جاتے ہیں

ظہیر نے بلہوس (ہوس پرست) کو باعتبار نادانی طفل کہا ہے اور صدمۂ عشق کو سیلیِ اُستاد سے تعبیر کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ صدمہ کی لفظ قریب قریب اُسی شان کی رکھدی ہے جیسی غالب کے شعر میں لطمۂ موج ہے۔

صدمہ کے معنی لغت میں ٹکرانے کے ہیں۔ یہ لفظ بھی بیان واقعہ کو واقعہ بنا رہا ہے، جب یوں ہے تو کوئی شعر ندرت سے خالی نہیں۔

خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پنہاں ہو گئیں	غالب	سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
آن روئہا کہ در تہ گرد فنا شدند	خسرو	اے گل چو آدمی ز زمین گو چگونہ اند
گویا ز لب فرشتہ خوئے رستہ است	عمر خیام	ہر سبزہ کہ بر کنار جوئے رستہ است
کان سبزہ ز خاک ماہروے رستہ است		پا بر سر سبزہ تا بخواری ننہی

آرگس: "اگرچہ خسرو کے یہاں کچھ تفاوت کے ساتھ کہا گیا ہے مگر دراصل یہ مضمون عمر خیام کا حصہ ہے جو ادنیٰ ادنیٰ تغیر کے ساتھ متعدد مرتبہ کہا گیا ہے۔"

نُہا: غالب لالہ و گل میں حسینان زیر خاک کے حسن کو دیکھتا اور اُس پر متعجب ہوتا ہے، خسرو پھول سے مرنے والوں کا حال پوچھتا ہے کیونکہ یہاں پھول کی تخلیق خاک حسن سے نہیں مانی گئی۔ اور خیام ایک درس عبرت دیتا ہے لیکن اس عبرت آموزی سے غالب کی حیرت زیادہ مؤثر ہے کیونکہ وہ حکمت سے یہ کیفیت ہے۔

بیخود :- خسرو نے گل کو دیکھا تو فوراً پیوند خاک ہوجانے والے گلرخون کا خیال آگیا، تخیل شاعرانہ کو جنبش ہوئی اور اُن خاک مین ملجانے والون کی تصویر نظر مین پھر گئی، بیتاب ہو کر پوچھتا ہے کہ تو اور وہ ایک ہی بزم کے بیٹھنے والے ہین خدا کیلیے اُن کا حال بتاتا جا۔

خیام کہتا ہے کہ نہر کے کنارے اُگنے والا سبزہ معشوقون کے سبزہ پشت لب (سبزۂ خط) سے پیدا ہے اور یہ معمولی سبزہ لالہ رویون کی خاک سے اُگا ہے دیکھ اسے سمجھ کر پامال کرنا یہ سبزہ لالہ رویون کی خاک سے اُگا ہے، غالب یہان حیرت کا اظہار نہین کرتا، بلکہ حسرت کا۔

غالب کی نظر لالہ وگل کے چمن پر پڑتی ہے اور ذہن ادھر منتقل ہوتا ہے کہ یہ لالہ وگل نہین بلکہ خاک مین دفن ہوجانے والے معشوقون کی خاک ہے جو ان کے پردہ مین جلوہ دکھا رہی ہے، پھر افسوس کرتا ہے کہ لالہ وگل مین اتنی بہار اتنی رعنائی ہے جن کی خاک سے ان کا وجود ہوا ہے وہ کیسے حسین ہونگے، یعنی صرف لالہ وگل کے دیکھنے سے نہ مرجانے والے حسینون کی تعداد کا اندازہ کوئی کرسکتا ہے نہ حُسن کا اور اس مطلب پر "کیا صورتین ہونگی" کا ٹکڑا دلالت کرتا ہے۔

سب شعر جُدا جُدا ہین اور اچھے ہین مگر کوئی شعر غالب کے شعر کو نہین پہونچتا اسلیے کہ تخیل کی جدت اس مین اُبھر ابھر کر ظاہر ہو رہی ہے

مین چمن مین کیا گیا گویا دبستان کھل گیا	غالب	بلبلین سُنکر مرے نالے غزلخوان ہوگئین
آب و رنگ گلستان عشق اکنون از منست	حالی	عندلیبان ہرچہ میگویند مضمون از منست

آرگس :۔ "دونون مضمون تقریباً یکسان ہین، عالی کے یہان دو بستان نہین ہے مگر اُسکے ہونے سے کچھ فرق نہین پیدا ہوتا "

بیخود :۔ یہ پہلا مقام ہے جہان مجھے جناب آرگس کی راے سے بہت تھوڑے اختلاف کے ساتھ اتفاق ہے یعنی تقریباً نہین مضمون بالکل ایک ہین اسے ترجمہ کیجئے یا توارد آپ کو اختیار ہے۔ مگر مین اِسے ترجمہ نہین کہہ سکتا اسلیے کہ اسکے مفہوم مین کوئی ایسی خاص بات یا دلکشی نہین کہ غالب سا معنی یاب اُسکے ترجمہ کیطرف مائل ہو۔

مرے بتخانہ مین تو کعبہ مین گاڑو برہمن کو — غالب — وفاداری بشرط استواری اصل ایمان ہے

کہ در عبادت بت مُرد بر زمین حرم — عرفی — بکیش برہمنان آنکس از شہیدانست

آرگس :۔ دونون کے بناے خیال وفاداری پر مبنی ہے مضمون قریب قریب ایک ہے۔

بیخود :۔ اس مین شک نہین کہ وفاداری اصل ایمان ہے، مگر یہ مسلمات واغراض کی شان رکھتا ہے یعنی ایک مستقل مبحث ہے جسپر ہر شخص قلم اٹھا سکتا ہے، دیکھنا چاہیے کہ کسنے زیادہ خوبی کیساتھ اِسے بیان کیا۔

عرفی کہتا ہے کہ اہل دیر کے مشرب مین وہ شخص شہید سمجھا جاتا ہے جو بت کے سجدے مین دم توڑ دے، اسکی واقعیت مین شک نہین صاف لفظون مین یہ مفہوم ہوا کہ انسان کسی مذہب کا ہو اگر اپنے مذہب سے وفا رکھتا ہے تو اُس کی موت اس کے مذہب و اون کے نزدیک شہیدون کی موت ہے۔

غالب کہتا ہے کہ اصل ایمان نام ہے، غیر متزلزل وفاداری کا۔ اسلیے میری رائے یہ ہے کہ اگر کوئی برہمن حالت وفاداری مین مرجائے تو وہ اس قابل ہے کہ کعبہ مین دفن کیا جائے۔

عرفی کے شعر مین یہ وسعت مشرب نہین وہ صرف یہ کہتا ہے کہ ہر مذہب والا اپنے مذہب کے پابند کا بڑا درجہ سمجھتا ہے۔ غالب کہتا ہے کہ حقیقت یون ہے کہ وفاداری اصل ایمان ہے، دیر مین مرنے والے برہمن کو کعبہ مین دفن کرنا چاہیے یہان دیدۂ تحقیق کی حد نگاہ اور ہے وہان اور، میرے نزدیک عرفی کا شعر اچھا ہے مگر اتنا اچھا نہین کہ غالب کے شعر کا جواب سمجھا جاسکے۔ مرزا کا شعر دنیا پر چھایا ہوا ہے پھر تبکدے مین مرنے والے کو کعبہ مین دفن کرنا، تبکدہ اور کعبہ کے تضاد کیوجہ سے اور زیادہ خوبصورت ہوگیا ہے۔

وہ شخص دن نہ کہے رات کو تو کیونکر ہو — غالب — جسے نصیب ہو روز سیاہ میرا سا

چو دو زلف تست یکسان شب و روزم از سیہ بختی — عرفی — ز فروغ آفتابم نبود خبر کہ بے تو

آرگس :۔ دونون شعرون کی بنا اس مضمون پر ہے کہ بدنصیبی کی وجہ سے ہمارے یہان دن رات یکسان ہے ۔

بیخود: حضرت آرگس خدا سے ڈریئے۔ اظہار بدنصیبی ایک مبحث ہے جسپر دونون اُستادون نے قلم اٹھایا ہے۔ عرفی کہتا ہے کہ بدنصیبی کے چلتے میرا دن بھی ویسا ہی تاریک ہے جیسی میری رات، مجھے خبر بھی نہین ہوتی کہ آفتاب کب نکلا۔ زلف یار کی تشبیہ کا مقصد یہ ہے کہ دن رات کے یکسان تاریک ہونیکا

خیال سامع کو ممکن نظر آنے لگے اور یہی سبب ہے کہ زلف کے ساتھ دو کا لفظ حشو (زائد) نہین ہے بلکہ نہایت برمحل صرف ہوا ہے۔

نکتہ :۔ لیکن یہ امر اہل نظر سے پوشیدہ نہین کہ زلف کی تشبیہ سے یہان اگرچہ شاعر کا دعوی صاف طور پر ثابت ہوگیا ہے کہ میرے دن رات دونون یکسان تاریک ہین مگر شعر کے دلگداز اثر مین کمی ضرور ہوگئی اسلیے کہ زلفین اگرچہ سیاہ رنگ ہین مگر عشاق کیلیے دلولہ خیز ہین، یہان کسی ایسے لفظ کی ضرورت تھی جس مین وحشت وہیبت کا پہلو قوی ہوتا۔

غالب کہتا ہے جس شخص کا دن ایسا تاریک ہو جیسا کہ میرا، وہ اگر رات کو دن نہ سمجھے تو کیونکر بنے یعنی میرا دن ایسا تاریک ہے کہ اُسکے مقابلہ مین رات ایسی روشن ہے جیسے دن یعنی میرا دن رات سے ہزار درجہ تاریک ہے، اب آپ انصاف فرمائین کہ ان دونون شعرون کے مضمون کا ایک جزو کیا معنی، ان مین کوئی نسبت بھی ہے، اسلیے کہ عرفی کے رات دن یکسان تاریک ہین، غالب کا دن اتنا تاریک ہے کہ اُسکے مقابلہ مین رات کی تاریکی دن کی روشنی معلوم ہوتی ہے۔

یہان شاید یہ اعتراض کیا جائے کہ مصیبت زدون کے لیے رات دن سے زیادہ سخت ہوتی ہے تو مین کہونگا کہ عام طور پر تو ایسا ہی ہے مگر مصیبت کیلیے کسی وقت کی قید نہین، دن مین زیادہ مصیبت پڑ جائے تو رات سے کہین زیادہ تکلیف ہو اور ایک دن تو ایسا سخت گزرا ہے، جیسا سخت کوئی دن نہ گزرا ہے نہ گزریگا اور نہ دنیا کی کوئی رات ایسی سخت ہوئی ہے نہ ہوسکتی ہے اور یہ دن وہی دن تھا جب آفتاب امامت کمال پر پہونچنے سے پہلے غروب ہوگیا۔(روز عاشور)

بساطِ عجز میں تھا ایک دل یک قطرۂ خوں وہ بھی　　غالب　　سو رہتا ہے بہ اندازِ چکیدن سرنگوں وہ بھی

دریاب کہ ماندہ است ز دل قطرۂ خونے　　فیضی　　آن قطرہ ہم از دست تو لبریز چکیدن

آرگس :۔ "مضمون دونوں کا تقریباً ایک ہی ہے، کوئی خاص بات قابلِ تفریق نہیں"

بیخود :۔ مرزا نے بساطِ عجز کہا تھا، جناب آرگس نے بساطِ بحر بنا لیا۔ میرے خیال میں دونوں شعروں میں بہت زیادہ فرق ہے۔

غالب کہتا ہے کہ میں ہمہ تن عجز و مجبوری ہوں میرے پاس لے دے کے ایک دل تھا، جو خون کا ایک قطرہ تھا، اب اُسکی یہ حالت ہو رہی ہے کہ ٹپکنے کے انداز سے سرنگوں رہا کرتا ہے یعنی یہ حالت ہو گئی ہے کہ یہ قطرہ بھی ٹپکا ہی چاہتا ہے۔

فیضی معشوق سے کہتا ہے کہ دل میں اب ایک قطرۂ خون کے سوا کچھ رہا نہیں، (یعنی پہلے بہت کچھ تھا) وہ قطرہ بھی تیرے ہاتھوں لبریز چکیدن ہے یعنی فنا ہوا چاہتا ہے اگر تجھے خبر لینا ہے تو دیر نکر۔ اب بھی وقت باقی ہے، پھر کچھ نہو سکے گا۔

فیضی کا مطلب یہ ہے کہ تو نے جلا جلا کر یہ حال کر دیا ہے مگر ابھی رحم کی گنجائش باقی ہے، غالب انسان کی مجبوری و بیدست و پائی کی داستان سناتا ہے، فیضی اپنی حالتِ زار دکھا کر معشوق کو مہربان کرنا چاہتا ہے۔

رہا دل کا قطرۂ خون کہنا مشہور بات ہے اور اغراض و مسلمات کے حکم میں ہے اسے بنائے اشتراک خیال کہنا شرمناک غلطی ہے۔

غالب کے شعر میں بہ اندازِ چکیدن سرنگوں اور فیضی کے شعر میں لبریز چکیدن کے ٹکڑے داد کے قابل ہیں پہلا اپنے معنی کی تصویر ہے دوسرا مناسبات کا مرقع۔

لیے بیٹھا ہے اک دو چار جام واژگون وہ بھی — غالب — مے عشرت کی خواہش ساقی گردون سے کیا کیجے

جُستن مے از تہی ساغر نشان ابلہی است — ملا جامی — آسمان جام تہی دان کز مے عشرت تہی است

آرگس :۔ ایک مضمون ہے چند الفاظ کی کمی بیشی پر ایک کو دوسرے سے
علیحدہ نہین کیا جا سکتا۔

بیخود :۔ جسے جناب آرگس مضمون کہتے ہین اگر اُسے بحث کہدین تو کوئی اشکال باقی نہ رہے۔

جامی نے یون کہا ہے کہ آسمان کو ایک جام تہی سمجھ لے جو مے عشرت سے خالی ہے اور خالی جام مین شراب ڈھونڈھنا حماقت ہے، معلوم ہوتا ہے کہ ایک واعظ ہے جو خطابیات سے کام لے رہا ہے، اس مین ابلہی کا لفظ بھی واعظانہ ہے شاعرانہ نہین۔

مرزا کہتا ہے اور اس طرح کہتا ہے جیسے کسی کے دل مین اپنی بیسروسامانی پر کڑھتے کڑھتے یہ خیال گزرا ہے کہ شاید آسمان ہمارا جام بھر سکے، پھر کہتا ہے کہ آسمان کے ساقی سے ایسی آرزو کیا کرین وہ خود کچھ خالی جام لیے بیٹھا ہے، یعنی کہین سے ملنے والی ہوتی تو وہ خود ہی اپنے جام بھر لیتا، دونون اشعار مین واقعہ اور بیان واقعہ کا فرق ہے ایک پیکر بے جان ہے ایک پیکر ذی روح۔

غالب کے شعر مین اک دو چار ملکے سبعہ سیارہ کے (سات) ساغر ہوئے جاتے ہین۔ پھر ساغر تہی اور جام واژگون مین بڑا فرق ہے۔ ہر خالی پیالہ ساغر تہی ہے مگر جام واژگون مین یہ مطلب بھی پنہان ہے کہ ان جامون مین کبھی مے عشرت تھی اب نہین رہی۔ یہ عام قاعدہ ہے کہ شراب پی چکنے کے بعد جام اُلٹ دیے جاتے ہین

جو دور کے ختم ہونے کی علامت ہے، یعنی ہم اُسوقت پہونچے جب دور ختم ہوگیا تھا، یہ دوسری حد فاصل ہے۔

یہ بھی نہ بھولنا چاہیے کہ مُلا جامی نے خود آسمان کو ساغر تہی کہدیا جس سے دیسکنے اور نہ دے سکنے کا اختیار سلب ہوگیا ہے گویا ایک جام ہے، اگر بھرا ہوتا ہم لے لیتے خالی ہے مجبور ہیں لیکن مرزا نے آسمان کو ساقی کہہ کر اپنی بے اختیاری اور ساقی کا بے دست وپا ہونا ظاہر کیا ہے، پھر جس برجستگی سے ادا ہوئے مطلب کیا ہے؟ وہ جامی کے شعر میں نہیں ہے۔

مشکین لباس کعبہ علی کے قدم سے جان	ناف زمین ہو نہ کہ ناف غزال ہے
از کرمش ناف زمین ناف غزال ست	مشکین نہ چہ شد ورنہ لباس حرم آیا
ناف زمین کعبہ مگر ناف مشک شد	کاندر سموم کرد از مشک از فرش
نافہ آہو شدہ است ناف زمین از رضا	عقدہ دو پیکر است پیکر باغ از ہوا

آرگس۔ خیال کی جان اتنی سی بات ہے کہ کعبہ ناف زمین ہے اور وہ ناف غزال ہوگیا ہے۔ یہی غالب کے یہان ہے اور یہی خاقانی کے یہان "

بیخود۔ مین اسے توارد سمجھتا ہون اسلیے کہ خیال پیش پا افتادہ ہے اور غالب کے شعر سے اشعار خاقانی بہتر ہین۔

یہ سوئے ظن ہے ساقی کوثر کے باب مین غالب کل کے لیے کر آج نہ خست شراب مین

ایام قفل بر در فردا بر فگند آر گس خاقانی امروز کم خورانده فردا چه دانی آنکه

:- خیال صرف اتنا مشترک ہے کہ آج کل کا غم نہ کرنا چاہیئے

مگر اس مین خاقانی کا خیال بہت ارفع و اعلیٰ ہے ؛

بیخود :- ان اشعار مین مبحث مشترک ہے جیسے وفا پر ہزار لکھنے والے قلم اُٹھائین اُسکے ماورا خاقانی کا انداز بیان معمولی ہے، غالب نے اِس مبحث پہ یون لکھا ہے کہ جدت سجدے کرتی ہے۔

خاقانی کہتے ہین کہ کل کا غم (فکر) آج نہ کر۔ تجھے یہ کیونکر معلوم ہوگیا کہ زمانہ کل کے دروازہ کو مقفل کردے گا یعنی کل تجھے کچھ نہ ملے گا۔

غالب کہتے ہین کہ کل کے لیے شراب مین خست نہ کر، اسلیے کہ تیرا ایسا کرنا ساقی کوثر (علی ابن ابی طالب علیہ السلام ساقی حوض کوثر) کے بارے مین سوءظن ہے۔

مسلمانون کے اکثر فرقون کا اعتقاد یہ ہے کہ قیامت کے دن جناب امیر علیہ السلام پیاسون کو سیراب کرینگے۔ اور یہ تو سب مسلمانون کا اعتقاد ہے کہ شرابی مے کوثر سے محروم رہیگا، انھین دونون اعتقادون کے علم پر شعر کی بنا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ آج تو اس خیال سے شراب مین کمی کرتا ہے کہ روز قیامت مے کوثر سے محروم رہیگا، سوچ تو یہ خیال کیسا ہے، بھلا کہین ایسا ہوسکتا ہے کہ علی ساقی ہو اور کمی کرے، دوسرے مصرع کی شان کا کیا پوچھنا۔ ان دونون شعرون کو مقابل مین رکھنا اپنے کو پیرایۂ سخن سنجی سے عاری ثابت کرنا ہے۔

دل سے مٹنا تری انگشت حنائی کا خیال — ہو گیا گوشت سے ناخن کا جُدا ہو جانا

وصل تو بے ہجر توان دیدنی — گوشت جُدا کے شود از استخوان

آرگس ۔ خاقانی کا پہلا مصرع اس مفہوم کا ہے کہ تیرا وصل بغیر ہجر نا ممکن ہے دوسرا مصرع تمثیلی بالکل ایک ہے"

سُہا :۔ ظاہر ہے کہ غالب انگشت حنائی کے تصور یا خیال سے دل کی جدائی ناممکن قرار دیتا ہے، نیز انگشت حنائی نے شعر کی شعریت اور رعایت لفظی مین کسقدر پر لطف شان پیدا کر دی، برخلاف اسکے خاقانی ہجر و وصل کا پیش پا افتادہ مضمون ضرب المثل کے ساتھ نظم کر گیا ہے پھر دونون شعرون مین ناخن اور استخوان کا فرق بھی موجود ہے۔ جناب تمثیل ایک ہے تو صدمے کی کیا بات ہے"

بیخود :۔ مجھے جناب سُہا سے اتفاق ہے، مین صرف اتنا اور کہنا چاہتا ہون کہ مولانا اس شعر مین شعریت پیدا کرنے والے صرف دو ٹکڑے ہین۔

(۱) ہو گیا۔ (۲) جُدا ہو جانا

اس مین روح انھین نے پھونکی ہے، کہنے کے انداز سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عاشق ابتدا ابتدا مین سمجھا تھا کہ ترک خیال یار کچھ مشکل نہین، مگر آگے بڑھکر جب دل سے کسی وقت اسکا خیال جُدا ہی نہین ہوتا تو کہتا ہے کہ انگشت حنائی کا خیال دل سے نکلنا ایسا ہی ناممکن ہو گیا جیسا گوشت کا ناخن سے جُدا ہونا۔

خاقانی نے فارسی کی ایک ضرب المثل نظم کی ہے اور غالب نے ایک اور فارسی مثل کا ترجمہ کیا ہے۔ خاقانی کا شعر سیدھا سادہ ہے اور کچھ خشکی لیے ہوئے، غالب کے شعر مین

عاشق کے ابتدائے عشق اور انتہائے عشق کی کیفیت نظر آتی ہے اور وہ خود تعجب کے ساتھ اُسے محسوس کرتا نظر آتا ہے۔

کھلتا کسی پہ کیون مرے دل کا معاملہ ۔ غالب ۔ شعرون کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

راز درینۂ رخ پردہ برانداخت دریغ ۔ نظیری ۔ حال من شہرہ باشاد غزل کرد دریغ

آرگس:۔ تقریباً دونون مضمون ایک ہین کوئی خاص فرق نہین ہے۔

سہا:۔ ان ہر دو اشعار مین فرق یہ ہے کہ غالب تو انتخاب اشعار کو وجہ رسوائی بیان کرتا ہے اور نظیری کہتا ہے کہ میری صورت سے راز درینہ ظاہر ہونے لگا اور اسلیے میری حالت کو لوگون نے نظم و نثر مین بیان کرنا شروع کر دیا، چنانچہ نظیری کا یہ فقرہ "رُخ پردہ برانداخت" کیسا صریح ہے مگر آرگس صاحب تو اس فقرہ اور لفظ انتخاب کو مترادف ملنتے ہونگے۔

بیخود:۔ جناب آرگس نے نظیری کے مطلع کو شعر بنا دیا تھا، جناب سہا نے گرد کو ساخت سے بدل کر پھر مطلع کر دیا۔

جناب سہا غالب اور نظیری کے اشعار کا فرق بیان فرماتے ہین کہ غالب تو اشعار کو وجہ رسوائی بیان کرتا ہے اور نظیری کہتا ہے کہ میری صورت سے راز درینہ ظاہر ہونے لگا اور اسلیے میری حالت کو لوگون نے نظم و نثر مین بیان کرنا شروع کر دیا، چنانچہ نظیری کا یہ فقرہ "رُخ پردہ برانداخت" کیسا صریح ہے الخ۔

مین پہلے دونون شعرون کا فرق بیان کر دون تو جناب سہا کے متعلق کچھ عرض کرون

"از رخ پردہ برانداختن" ـ بے نقاب ہو جانا ـ سامنے آجانا

نظیری کہتا ہے اور دل آویز انداز سے کہتا ہے کہ میرے دیرینہ رازداں نے اپنے چہرے سے نقاب اُلٹ دی یعنی ظاہر ہو گیا اور اسی نے میری حالتِ دل کو میری نظم و نثر کے لباس میں الم نشرح کر دیا، یعنی رازِ عشق جسے میں نے مدت تک دل میں چھپائے رکھا اُسے اپنے ظاہر کرنے کی صورت یہ نکالی کہ میری انشا اور غزل پر چھا گیا، اور تاڑنے والے تاڑ گئے کہ نظیری کا دل کہیں آیا ہوا ہے۔ اس شعر میں اپنی مجبوری و استیلائے رازِ عشق کا مرقع کھینچا گیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ شعر اچھا ہے۔

غالب کہتا ہے کہ میری دل کی حالت ظاہر نہ ہوتی مگر مجھے انتخابِ شعر نے رسوا کر دیا۔ ہر شخص وہی اشعار پسند کرتا ہے جو اُس کی دلی حالت سے لگاؤ رکھتے ہیں مثلاً آجکل ایک کہن سال محقق، عالم، ادیب، شاعر جس کی فضیلت پر اُسکے لاجواب کارنامے اور اہل نظر گواہ ہیں ایسے شعر پڑھتا ہے اور سر دھنتا ہے ؎

جلسے میں غیر کیا کیا وہ مری خلوت سے جب نکلے
پریشاں باندھ کر جوڑا دوپٹہ اوڑھ کر اُلٹا

غالب کہتا ہے کہ ہر طرح میں نے رازِ عشق کو چھپایا۔ مگر خدا مجھے انتخابِ اشعار سے جس کی وجہ سے سوائی سی رسوائی ہوئی۔

غالب

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو
یک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیئے

رباعی عمر خیام

مے خوردن من نہ از برائے طرب است — نے بہر فساد دین و ترک ادب است
خواہم کہ زبیخودی برآرم نفسے — مے خوردن و مست بودنم زین سبب است

آرگس:۔ یہ کہنا بیکاری بات ہے کہ دونوں مضمون ایک ہیں، مگر یہ کہونگا کہ یہ مضمون عمر خیام کا خاص مضمون ہے جو اکثر ان کی رباعیوں سے ظاہر ہوتا ہے۔

بیخود:۔ میں عمر خیام کے کمال شاعری کا کم سے کم ویسا ہی معترف ہوں جیسے جناب آرگس۔ لیکن جناب موصوف نے غالب پر سرقہ کا الزام لگایا ہے اسلیے میرا فرض ہے کہ اُن کی پیش کردہ رباعی اور مرزا کے شعر کا مقابلہ کرکے دکھادوں کہ کس کی حالت کیا ہے۔ مگر پہلے یہ عرض کردوں کہ یہ بحث جس پر ان بزرگوں نے قلم اُٹھایا ہے وہ ایران و ہندوستان کے شعرا میں خواہ وہ میکش ہوں یا نہوں۔ عام الورود ہے، پھر غالب اور عمر خیام میں تو بادہ کشی بھی مشترک تھی

خیام نے رُباعی کے چار مصرعے پُر کرنے کے لیے تفصیل سے کام لیا ہے اور کہا ہے "میں نہ عیش و طرب کی نظر سے شراب پیتا ہوں، نہ مذہب کے قیود سے آزادی کی تمنا میں، نہ اصول ادب کے توڑ دینے کی آرزو میں، بلکہ میں اسلیے پیتا ہوں کہ بیخودی کی لذت اُٹھاؤں۔ چوتھے مصرعہ میں مے خوردن کے بعد مست بودنم کو عوام حشو و زوائد سے تعبیر کرینگے مگر نہیں حقیقت اسکے خلاف ہے۔ اور اس ٹکڑے نے بیان واقعہ کو واقعہ کر دکھایا۔ اور اب ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہ واقعہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے۔ اسیلیے خیام کی رباعی کا یہ ٹکڑا کلام کو زیادہ مؤثر

بنا دیا ہے، اور داد کے قابل ہے۔

مختصر یہ ہے کہ خیام صرف بیخودی کی لذت اٹھانے کی غرض سے شراب پیتا ہے

اب دیکھنا چاہیے کہ مرزا کیا کہتا ہے۔

میرا خیال یہ ہے کہ خیام جتنا چار مصرعون مین نہ کہہ سکا اُس سے کہین زیادہ غالب نے دو مصرعون مین کہہ دیا ہے، اور خیام کی تفصیل سے غالب کا اجمال کہین زیادہ وقیع ہے۔

میری نظر مین اس طرح کے کئی شعر ہین، مین مرزا کے شعر سے سب کا موازنہ کئے دیتا ہون۔

—— (یزید ملعون) ——

انا المسموم ما عندی بتریاق ولا راق ادرکاساً وناولہا الا یا ایہا الساقی

یعنے میرے جسم مین زہر چھپک رہا ہے اور نہ تریاق میرے پاس ہے، نہ جھاڑنے والا میسر ہے۔ اے ساقی شراب کا دور چلے مختصر یہ کہ زہر میری جان لیکر رہیگا اسلیے جو وقت رہ گیا ہے اُس مین دور جام ہو۔ تاکہ جو گھڑیان باقی رہ گئی ہین وہ موت کے خوف سے بے لطف نہ گزرین۔ عجب نہین جو یہ شعر بعد شہادت مولائے کونین کہا گیا ہو

—— (خواجہ حافظ) ——

الا یا ایہا الساقی ادر کاساً وناولہا کہ عشق آسان نمود اول ولے افتاد مشکلہا

یعنے پہلے عشق آسان نظر آتا تھا، اب مشکلون کا سامنا ہے، اے ساقی دور شراب ہو تاکہ نشہ مین عشق کی تکلیف تکلیف نہ معلوم ہو، مشکلہا کا ٹکڑا نہایت معنے خیز ہے اور تمام مشکلات عشق پر حاوی ہے، وہ تکلیف انتظار ہو یا درد فراق وغیرہ وغیرہ۔

اب مرزا کا شعر ملاحظہ ہو:-

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو　　　ایک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیے

مرزا صرف نشاط کا استثنا کرتا ہے یعنے مین شراب عیش و نشاط کی نظر سے نہین پیتا۔ ایک طرح کی بیخودی مجھے ہر وقت چاہئے۔

یہ شعر اتنا وسیع المعنی ہے کہ اسکی شرح آسان نہین، نشاط کے سوا جتنی ضرورتین شراب پینے کی ہوسکتی ہین سبھی تو اس مین موجود ہین اسلیے کہ اُن کے سمجھنے کا بار مصنف نے ذہن سامع پر ڈال دیا ہے، بہت سے مختلف پہلو اس شعر مین دکھائے جا سکتے ہین۔

(۱) اب مین حصولِ نشاط کی غرض سے شراب نہین پیتا، بلکہ عادت پڑگئی ہے، نہ پیون تو انگڑائیان آئین، بدن ٹوٹے جان پر بن جائے۔

(۲) گناہون کی ندامت میری جان لیے لیتی ہے، نہ بیخودی مین وہ یاد آئینگے نہ تڑپ تڑپ کر رہونگا۔

(۳) دنیا والون سے اِس حد کی نفرت ہوگئی ہے کہ حواس مین رہونگا، تو زندگی دوبھر ہو جائے گی۔

(۴) غم بھولا رہیگا۔

(۵) کسی کو مجھ سے آزار نہ پہنچے گا۔

(۶) مجھ کو کسی سے آزار نہ پہنچے گا۔

(۷) بہت سی برائیون سے محفوظ رہونگا، صرف میکشی کا گناہ میرے سر رہے گا (یاد رہے کہ یہ قول ایک رند کا ہے)۔

(۸) قید خود سے آزاد رہونگا۔

قید ادب سے چھوٹ جاؤنگا۔

(۱۰) مجھے جو درد ہے لاعلاج ہے۔ اسلیے بیخودی کی ضرورت ہے

(۱۱) غم فراق، جو ہر وقت رہتا ہے اس سے نجات رہے گی۔

دیکھنے مین یہ شعر بہت صاف ہے، مگر قریب قریب اس کا ہر لفظ معنے کثیرہ پر حاوی ہے مثلاً:۔

(۱) روسیاہ۔ ظاہر کرتا ہے کہ اگر مین نے نشاط کی غرض سے شراب پی ہو تو گنہگار، کون کا فراس شغل سے پیتا ہے۔

(۲) یک گونہ۔ کا مطلب یہ ٹھہرتا ہے کہ مجھے ایک طرح کی بیخودی کی ضرورت ہے یعنی کچھ شراب ہی پر منحصر نہین بیخودی کا حصول مقصود ہے، وہ کسی طرح حاصل ہو جائے، اور کوئی نشہ نہ کھایا شراب ہی پی لی۔

(۳) دن رات کا لفظ قیامت کا ہے یعنے دن بھر تنہا کے تکلیف پہونچانیوالے خیالات ہیکر دل مین رہتے ہین، اور رات کو سوتا ہون تو ہولناک خواب نظر آتے ہین، مختصر یہ کہ سوتے جاگتے مجھے چین نہین ملتا۔ اسلیے شراب پیتا ہون۔

(۴) چاہیئے۔ نے شعر کے معنے مین انتہا کا زور پیدا ہو گیا ہے یعنے مجھے بیخودی کا شوق نہین بلکہ یہ میرے لیے لازمی ہو گئی ہے، بلکہ یون کہئے کہ میری دوا ہے۔

مین نے ایک آئینہ رکھدیا ہے جس مین ہر شعر کے خط و خال صاف نظر آتے ہین، اور الحمد للہ کہ ہندوستان ابھی اندھون کی محفل نہین۔

حضرت آگستن مجھے بھی معلوم ہے کہ یہ مضمون عمر خیام کا خاص مضمون ہے مگر برا نہ مانیئے تو کہون کہ یہ رباعی تو شعر غالب کے سامنے کچھ۔ دھکی پھیکی سی معلوم ہوتی ہے۔

آپ کو داد دینا چاہیئے تھی کہ غالب نے خیام کے خاص مضمون پر قلم اُٹھایا تو ایسی تصویر کھینچکر رکھدی کہ خیام کے مرقع (البم) مین مشکل سے ملیگی۔
یہ شعر قلیل الالفاظ کثیر المعنے کی بہترین مثال ہے۔

(نجود موہانی)

———·⁘·✕·⁘·———

مائیہ تحقیق

شرح قصائد خلاق المعانی حضرت خاقانی
نوشتۂ علامۂ شادمان لکھنوی پر ایک نظر
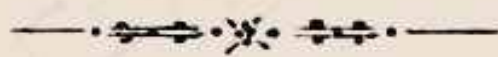
رسید نہائے منقار ہما بر استخوان غالب
پس از عمرے بیادم داد رہ و رسم پیکان را

ہندوستان کی دنیا بدل چکی اب فارسی کا خواب تو یہان کبھی کبھی نظر آ بھی جاتا ہے
مگر جلوہ ہوشربا نظر نہین آتا انوری و خاقانی کے شیدائی فردوسی و نظیری کے فدائی،
اپنی اپنی خوابگاہون مین آرام کر رہے ہین اور اس طرح کہ دیکھنے والا بے اختیار
کہہ اٹھتا ہے ؎

اللہ ری بے نیازی آسودگان خاک (جوش وخروش) اس قرب پر کسی سے کوئی بولتا نہین

ہندوستان کے لیے آج وہ زمانہ ہے جس مین اس امر کا امتیاز مشکل ہے کہ یہان
فارسی زبان زندہ ہے یا مردہ اور سچ یہ ہے کہ جب یہ عالم ہو ؎

وہان اب سانس لینے کی صدا آتی ہے مشکل سے
جو زندان گونجتا رہتا تھا آواز سلاسل سے (جگر مرادآبادی)

تو پھر فارسی مین اُن لوگون کے انہماک اور شیفتگی پر کیون پیار نہ آئے جو آج بھی اُسے کلیجے سے لگائے پھرتے ہین اور یہی وجہ ہے کہ جب کبھی آتش کدہ ایران کی بجھتی ہوئی آگ کی چنگاری رقص کرتی ہوئی نظر آتی ہے تو شکر یزدانی کا زمزمہ لب شوق کے بوسے لینے لگتا ہے کوئی اُستاد کہتا ہے ؂

جنس کساد شکر را نرخ ازان بلند شد کز طرف دیار غم قافلہ نمی رسد

اِس قحط الرجال مین جو لوگ فارسی کی حلاوت سے لذت آشنا رہ گئے ہین اُن مین قدر افزائے بجو دنا شاد علامہ سید محمد نقی صاحب شادمان لکھنوی پروفیسر اورینٹل کالج ریاست عالیہ رامپور بھی ہین، آپنے قصائد خاقانی کی شرح لکھی ہے۔ مین علامہ موصوف کی شرح سے پھر بحث کرونگا، پہلے ایک حقیقت کو بے نقاب کرنا چاہتا ہون اور وہ یہ کہ اب ہندوستان مین فارسی کا چراغ گل ہو چکا اگلے خاک نشینون کی یادگارون کے سوا اور دن کیلیے اس امر کا احساس بھی قریب قریب محال ہے کہ قصائد خاقانی کی شرح کرنا کام ہے اور بہت بڑا کام، خاقانی وہی شخص ہے جسے دنیا کے نکتہ رس، نکتہ شناس خلاق المعانی کہتے آئے اور آج بھی کوئی اہل دل جسے فارسی سے ذوق ہو جس سے الفاظ محو تکلم ہون، معانی سرگرم ایما و اشارت ہون، اُسکی خلاق مضامین ہونے سے انکار کی جرارت نہین رکھتا تلمیحات کا زور، ابداع و اختراع الفاظ و تراکیب بدیع کا شور، مضامین کا ہجوم، تو فرد تنوع اسالیب کی دھوم، طبیعت کی روانی، سوز سخن کی آتش فشانی اُسکا کلمہ پڑھنے والی، ہزار ہا لفظ اُسکے آفریدہ، ہزار ہا مضمون اُسکے درم ناخریدہ، اصطلاحات و مسائل علوم تشنہ پر قلم برداشتہ لکھ جانا، اور یون کہ سخن سنجانہ اداجانے نہ پائے، یہ خاقانی کی ایک معمولی خصوصیت ہے، یہ وہی کتاب ہے جسکے پڑھانے مین ملک الشعرار

پائے تخت جہانگیری ابوطالب کلیم ہمدانی سا اُستادِ یگانہ عہدہ برآ نہ ہو سکا، حق یہ ہے کہ اس کتاب کی شرح جیسی چاہیے فی زماننا قریب محال ہے، اور اگر کسی مین یہ قدرت ہو بھی تو اِس بیتون کو کاٹ کر جوئے شیر کس اُمید پر لائے، اِس حالت مین مکرمی علامہ شادمان نے جو کچھ کیا ہے مستحق صد ہزار آفرین ہے، علامہ موصوف نے مجھے اپنی شرح کے تین جزو بھیجے ہین جن مین (۵۳) اشعار کی شرح فرمائی ہے، مین اُنکا منت گزار ہون کہ اُنھون نے اِس امر پر زور دیا کہ تنقید مقصود ہے، تقریظ مطلوب نہین، اب تصویر کے دونون رُخ اہلِ نظر کے سامنے آسکینگے، اِن اجزا مین قصیدۂ ذیل کی شرح کی گئی ہے۔ مطلع ؎

ہر صبح سر ز گلشن سودا برآورم وز صدر آہ بر فلک آوا برآورم

اس قصیدے کے چار شارح ہین جناب مُحشی جنکی شرح قصائد خاقانی مطبوعہ کے حاشیہ پر ہے، جناب مولانا محمد علی صاحب نامی پروفیسر الٰہ آباد یونیورسٹی، جناب مولانا سید اولاد حسین صاحب شادان بلگرامی، اور جناب مولانا سید محمد نقی صاحب شادمان لکھنوی

جناب شادمان نے شرح متذکرۂ صدر کے مطالب نقل فرما کر اُن کے صحت وسقم سے بحث کی ہے کہین تخطیہ کیا ہے، کہین تائید فرمائی ہے اور ایسا ہی کرنا بھی چاہیے تھا۔ اسلیے کہ اب ناظرین کرام معقول فیصلہ فرما سکینگے، مگر کہین کہین علامہ موصوف علامہ شادان و علامہ نامی سے اختلاف کرنے مین ایسے محو ہوئے ہین کہ لہجہ ایسا درشت یا ظریفانہ ہو گیا ہے کہ متانت اُنکا منہ دیکھ کر رہ گئی ہے خصوصیت کے ساتھ جو داب تکلم جناب علامہ شادان کے ساتھ اختیار فرمایا ہے اُسپر ہر واقفِ حال کو تعجب آتا ہے۔ قریب قریب علامہ بلگرامی اور علامہ لکھنوی کی عمر ایک جگہ گزری ہے۔ الفاظ شادان و شادمان کی یکرنگی نے

بھی علامہ لکھنوی کے دامن پر ہاتھ ڈالکر اس شیوۂ گفتار سے باز نہ رکھا حیرت سی حیرت ہے ۔ نقد و تخطیہ عیب نہیں، مگر لہجہ کی متانت میں وہ دلربائی ہے کہ بیان شرح سے بے نیاز ہے، علامہ موصوف نے علامہ بلگرامی کو کہیں علامہ الہ آبادی کا پورا پورا شاگرد، کہیں پورا پورا مترجم کہا، ان کی شرح کو گراموفون کا نغمہ قرار دیا ۔ خیر یہ تو جو کچھ لکھا گیا اُسے شرح کے انداز تحریر سے تعلق ہے ۔ اب میں اپنی ناچیز رائے شرح علامہ لکھنوی کے متعلق پیش کرتا ہوں ۔ میرا اجمالی فیصلہ یہ ہے کہ علامہ لکھنوی (حضرت شادمان) نے شرح بہت اچھی لکھی ہے اور باقی شرحوں سے آپ کی شرح بہت زیادہ وقیع ہے اور آپ نے بہت سے مقامات حل کر دیئے ہیں۔

مطلع

ہر صبح سر ز گلشن سودا بر آورم
وز صور آہ بر فلک آوا بر آورم

علامہ نامی و شادمان نے مطلع ہی سے وہ راہ اختیار فرمائی ہے جو کعبہ نہیں ترکستان کو جاتی ہے ۔ خاقانی نے کہا ہے " سر ز گلشن سودا بر آورم " ان بزرگوں نے اسکا مفہوم یہ قرار دیا کہ خاقانی ہر صبح گلشن سودا یعنی مراقبہ سے مجبور ہو جاتا ہے اسلیے فریاد کرتا ہے ۔ یہ حل دل کو نہیں لگتا ۔ اسکے خلاف علامہ شادمان کا ۔ شاد کہ خاقانی کے گریہ و زاری کا سبب شوق معرفت الٰہی ہے صحت سے دست و گریبان ہے مگر اسکے ساتھ ہی مجھے یہ بھی عرض کرنا ہے کہ میری ناچیز رائے یہ ہے کہ انھوں نے اس شعر کے حل میں ایک زیادتی اور ایک کمی کی ہے خلاصہ ارشاد علامہ لکھ کر کچھ عرض کرونگا۔

شادمان " یعنی میں عشق حقیقی اختیار کرونگا اور مثل بلبل کے معشوق ازلی کی یاد میں فریاد کرونگا جس کی آواز آسمان تک پہونچے گی ۔ یہ میری آواز

کیا ہوگی صور ہوگی جس سے زمین توزمین آسمان پر قیامت قائم ہوجائیگی"

زیادتی تو یہ ہے کہ شارح علام نے "زمین توزمین" کا ٹکڑا ایسا رکھہ یا جس سے مُراد قائل کو ذرا بھی تعلق نہیں یعنی زمین پر قیامت قائم ہو ہی جائے گی آسمان کا بھی یہی حشر ہوگا۔

اور کمی یہ ہے کہ بر فلک آو ابر آورم" کے ٹکڑے کا مطلب دلنشین کرنے کی کوشش نہیں فرمائی اور میرے خیال ناقص میں جبتک اس کی شرح نہ کی جائے حق شرح ادا نہیں ہوتا۔ "آسمان پر قیامت قائم ہوجائے گی" کا بھی وہ مطلب نہیں جو علامہ موصوف کے الفاظ اور انداز تحریر سے ظاہر ہوتا ہے۔

مجھے اس شعر میں دو پہلو نظر آتے ہیں، جن کی طرف صور قیامت کے دو اثر اشارہ کرتے ہیں (سب کا مرجانا، سب کا زندہ ہوجانا)

(۱) خاقانی یہ کہتا ہے کہ میں ہر صبح گلشن سودا (عشق ومراقبہ) میں پہونچونگا اور ایسے سوز وگداز سے آہ کرونگا کہ عالم ملکوت کے تسبیح وتہلیل کرنے والے پہلے تو اُسے سُنتے ہی دم بخود ہوجائینگے پھر نہایت ذوق وشوق سے زمزمۂ یادِ الٰہی میں مصروف ہوجائینگے، مختصر یہ کہ میری آہ اُنپر پہلے استعجاب کا اثر ڈالے گی پھر اُن میں عاشقانہ اور عارفانہ ذوق عبادت پیدا کردے گی اور اُن کو معلوم ہوگا کہ دل والے خدا کو اس طرح یاد کرتے ہیں یہ دو شعر میرے مدعا کو واضح کردینگے۔

کدام مرغ اسیر از قفس صفیر کشید — لا ادری — کہ بلبلان ہمہ منقار از نوا بستند

میں چمن میں کیا گیا گویا دبستان کھل گیا — غالب — بلبلیں سنکر مرے نالے غزل خوان ہوگئیں

خاقانی کا یہ خیال اس تحقیق واعتقاد پر مبنی ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور بار امانت (عشق خدا) کا حامل، فرشتے اور انسان میں بڑا فرق ہے، فرشتے نفس امارہ

نہین رکھتے اسلیے وہ عبادت نہ کرینگے تو اور کیا کرینگے۔ ان کی عبادت کا محرک حکمِ الٰہی ہے انکی عشق الٰہی نہین۔

(۲) ایسی آہ کرون کہ فرشتے عبادت چھوڑکر بالاے آسمان یون جمع ہوجاین جسطرح اہل محشر میدان حشر مین جمع ہونگے۔ یعنی میری آہ کا اہل آسمان پر وہ اثر ہو جو صور قیامت کا اہل زمین پر ہوگا۔

بر کوہ چون لعاب گوزن اوفتد بصبح
بوئی گوزن دار بصحرا برآورد رم

اس شعر کا مطلب مہجوری لذت مراقبہ والے ٹکڑے سے قطع نظر کرکے سب نے صحیح لکھا ہے۔ میرے نزدیک لعاب گوزن سے آفتاب کی شعاعین نہین سپیدۂ صبح مراد لینا چاہیے اسلیے کہ لعاب گوزن مین خاص طرح کی سفیدی ہوتی ہے تابندگی نہین ہوتی، علاوہ برین ہانگ گوزن کو بو سے تعبیر کرکے اسکے لیے ایک نیا اسم صوت پیدا کردیا گیا ہے اور حالت وحشت مین بارہ سنگھے کے رم کا ذکر کرکے عاشق شوریدہ سری رمید کی کا نقشہ کھینچدیا گیا ہے۔

از اشک خون پیادہ واز دم کنم سوار
غوغا بہفت قلعۂ مینا برآورم

علامۂ لکھنوی فرماتے ہین کہ فاضل بلگرامی نے خون کی جگہ چون بھی پڑھا ہے اور جب کا ترجمہ کیا ہے میرے نزدیک اچھا نہین، میرے نزدیک خون سے چون نہین

بہتر ہے، اس طرح ایک جھول بھی مٹ جاتا ہے، یعنی جب اشک خون یا خونین کہا تو دم عنبرین
یا معنبر چاہیے ورنہ لفظون کا توازن باقی نہ رہے گا، خاقانی کا عام انداز یہی ہے مثلاً ؎

بس اشک شکرین کہ فرو بارم از نیاز — بس آہ عنبرین کہ بعمدا برآورم

شادمان: تم اس موقع پر تعجب کروگے کہ خاقانی تو یاد آہی مین رو رہا تھا
یہ جنگی طیاری کیسی؟ اسکی وجہ قابل نامی یہ قرار دیتے ہین "نیرنگ سازیش
مرا از لذت مراقبہ جدا کردہ" مگر فاضل بلگرامی نے کچھ سمجھکر محض شعر کے معنی
پر اکتفا کی حملہ کی کوئی وجہ نہین قرار دی۔ تحریر کرتے ہین "جب آنسوؤن
کے پیادے اور آہون کے سوار بنا رن تو ہفت قلعہ آسمانی مین غوغا
مچادون"

بیخود: خاقانی ابھی یہ ارادہ کر رہا ہے نہ وہ عالم عشق مین در آیا ہے نہ نالہ و فریاد
کر رہا ہے۔

علامہ لکھنوی نے آنسو کو پیدل اور آہ کو سوار کہنے کا سبب آنسوؤن کے اپنے پاؤن
سے چلنے اور آہ کے دوش صبا پر سیر کرنے کو قرار دیا ہے اس کی صحت مین کلام نہین۔

خود بے نیازم از حشر اشک و فوج آہ
کان آتشہ کہ یک تنہ غوغا برآورم

اس شعر کا مطلب سب نے صحیح لکھا ہے مین صرف چند لفظون کی معنویت کیطرف اشارہ
کرنا ضروری سمجھتا ہون۔

جب گریہ اور آہ کا ساتھ ہوتا ہے تو آہون کی تعداد آنسوؤن سے کم ہوتی ہے اسی طرح

پیدل زیادہ اور سوار کم ہوتے ہیں یہی سبب ہے کہ خاقانی نے اشک کیلیے حشر (بھیڑ۔ تڑی دل) اور آہ کیلیے فوج کا لفظ اختیار کیا۔ اسکے بعد کان آتشم" کا ٹکڑا آتا ہے علامہ لکھنوی نے خود آتشم کہنے کی وجہ یہ بتائی ہے کہ عشق نار آیا ہے۔ یہاں آتش کا ترجمہ آگ ہی کرنا چاہیے! اس سے "یک تنہ غوغا برآوردم" خوب سمجھ میں آتا ہے، کیونکہ آگ کی چنگاری شہر کا شہر پھونک سکتی ہے۔ علامہ لکھنوی فرماتے ہیں۔ فاضل بلگرامی نے " زان آتشم " بھی پڑھا ہے مگر یہ اچھا نہیں"۔ مجھے اس رائے سے اتفاق ہے۔

اسفندیار این وزرو یم منم بشرط
ہر ہفتہ ہفتخوانش بہ تنہا برآوردم

اس شعر کے لغات حل کرنیکے بعد علامہ لکھنوی رقمطراز ہیں :۔

شادمان۔ " یہ تینوں شعر ترک تعلقات دنیا و مافیہا میں ہیں۔ نہ وہ وجہ جو فاضل نامی نے اختیار کی ہے یعنی ترک مراقبہ، خاقانی نے باغ خوشی میں قدم رکھا، عشقی تکالیف سے رو یا پیٹا چلایا۔ اشکوں کا دریا بہایا۔ اسی مدنے میں وہ خیال قائم کرتا ہے کہ گو میں ترک دنیا کر چکا ہوں مگر پھر بھی قوائے شہوانی پر اطمینان نہیں، کہیں ایسا نہو کہ پھر انکا میلان لذات کی طرف ہو جائے اسلیے ان آسمانوں پر حملہ کرکے ان کو تباہ کر ڈالوں آسمان پر حملہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اسی کی گردش سے تمام مادی چیزوں کا تکون ہوتا ہے، جسپر انسان کی روح خدا سے غافل ہو کر مائل ہو جاتی ہے اور قوائے شہوانی کی مطیع اور بندہ ، اسلیے اصل ہی پر حملہ کردن یہ آسمان

ہونگے نہ مادی چیزون کا نکون ہوگا اور اسی بنا پر عاشقان آلہی اُن کو دشمن قرار دیتے ہین چنانچہ خاقانی خود کہتا ہے ؎

آبا ے علونید مرا خصم چون خلیل
بانگ ایاز نسبت آبا برآورم "

یہ وجہ سمجھ لینے کے بعد شعر کا مطلب سمجھنا چاہیے

"حکیم کہتا ہے کہ مین تو شرطیہ اس اژدہات کے قلعہ کا اسفندیار ہون، مین تو ہر ہفتہ اسکے مفتوحان کو اکیلا فتح کرونگا اور اپنی عقل و روح کو جو گرفتار عالم فانی ہین چھڑا کرے آؤنگا جس طرح اسفندیار اپنی بہنون کو چھڑا کرلے آیا تھا، مجھے اس پلٹن اور رسالہ کی کوئی ضرورت نہین "

اتنا لکھ چکنے کے بعد علامہ لکھنوی نے علامہ بلگرامی والہ آبادی کا حل نقل فرما کر بہت کچھ ارشاد فرمایا ہے مین اُسے نقل کر کے کچھ عرض کرون گا۔

نامی :- "من روزانہ بزور ریاضت و مراقبہ ہفت افلاک راطے کردہ روح خود را ہمچنانکہ اسفندیار خواہران خود را از قید رہا کردہ بود از قید نفس رہا سیکنم شادمان :- شعر نمبر (۴) مین تجاہل شارح نے جو حملہ کی وجہ قرار دی ہے کہ آسمان کی نیرنگی مجھے عشق و مراقبہ سے علیحدہ کر دیا اسوجہ سے اسپر حملہ کر کے اُسے پارہ پارہ کردونگا "

اب یہان روح قید نفس امارہ سے چھڑائی جاتی ہے، معلوم ہوا کہ اوپر والی وجہ حملہ کی نہ تھی، پھر دن کو تو مراقبہ سے علیحدہ ہی کر دیا جاتا ہے۔ روزانہ بزور ریاضت و مراقبہ کیا۔ یا یہ کہ آپ کی عبارت کی تاویل کیجائے اور روزانہ سے شبانہ مراد لیجائے، مگر مشکل ہے

کہ وہ حملہ دن ہی کو کر رہا ہے، علاوہ برین شارح کی اِس عبارت کا سمجھنا کم از کم میرے لیے بہت دشوار ہے "کہ سات آسمانون کو طے کر کے اپنی روح کو قید نفس امارہ سے چھڑا دونگا" یہ نفس کیا سات آسمانون کے اوپر ہے کہ جن کو طے کر کے روح چھڑائی جائیگی۔

فاضل بلگرامی کا مطلب اور اُسکا سُقم فاضل بلگرامی باوجود پورے مترجم ہونے کے اسمقام پر آپ کی تھوڑی سی عبارت سے کچھ سوچکر علحدہ ہوگئے فرماتے ہین "مین روزانہ اپنی قوت ریاضت و مراقبہ سے قید تعلقات عالم سے اپنی روح کو چھڑاتا ہون اور آسمان کے اُس پار پہونچا دیتا ہون اور حضوری خدا حاصل کرتا ہون۔

فاضل بلگرامی کو جناب ناؔمی کی آخری عبارت مین سقم نظر آیا اسلیے آپ نے روح کو اُس پار لیجا کر خدا سے ملا دیا مگر یہ بھی غلط وہ بھی غلط نہ خاقانی یہ کہتا ہے نہ وہ۔

بیخود - نہایت افسوس ہے کہ مجھے جتنا اختلاف علامہ موصوف کی راے سے اسمقام پر ہے شاید کہین اور ہو۔ یہ وجہ بھی ویسی ہی سقیم ہے جیسی علامہ الہ آبادی کی بتائی ہوئی وجہ، جہانتک مین سمجھتا ہون اِس شعر کا جو مطلب علامہ بلگرامی نے بیان کیا ہے وہ تھوڑے سے تغیر کے بعد صحیح ٹھہرتا ہے اسلیے کہ وہ فرماتے ہین:-

شادان :- مین روزانہ اپنی قوت ریاضت و مراقبہ سے قید تعلقات عالم سے اپنی روح کو چھڑاتا ہون اور آسمان کے اُس پار پہونچا دیتا ہون اور حضوری خدا حاصل کرتا ہون"

پہلی غلطی تو اِس مطلب مین "روزانہ" کی ہے دوسری غلطی "زمانہ" کی ہے۔ یعنی چھڑاتا ہون پہونچاتا ہون۔ صحیح نہین، یہان چھڑاؤنگا وغیرہ کہنا چاہیے، اسلیے کہ خاقانی ابھی ترک دنیا کا ارادہ کر رہا ہے۔

تیسرے شعر تک خاقانی کے رونے کی وجہ علامۂ الہ آبادی و بلگرامی نے محرومی لذت مراقبہ بتائی ہے مگر اسکے متعلق علامۂ لکھنوی کی رائے صحیح معلوم ہوتی ہے۔

علامۂ لکھنوی نے علامہ الہ آبادی سے یہ سوال کیا ہے۔

"یہ نفس کیا سات آسمانون کے اوپر ہے کہ جن کو طے کرکے روح چھڑائی جائیگی"۔

مگر مجھے تعجب ہے خود علامہ لکھنوی یہ ارشاد فرماتے ہین کہ مین اپنی عقل و روح کو جو گرفتار عالم فانی ہین چھڑا کرکے آؤنگا۔

اُن کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم فانی نے روح و عقل کو گرفتار کرکے افلاک کے مستحکم قلعہ مین بند کرا دیا ہے اسلیے خاقانی حملہ کرکے اُسے چھڑالائیگا۔

اس غلطی کا سبب یہ ہے کہ شارحین کرام اسفندیار کے ہفتخوان والے کل قصہ سے مطابقت دینا چاہتے ہین۔ اس شعر مین صرف ہفتخوان طے ہوجانا، یعنی موانع کا سد راہ نہ ہونا قدر مشترک ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح سات سخت منزلین (ہفتخوان) اسفندیار کے لیے منزل مقصود تک پہونچنے مین مانع نہو سکیں، یہ افلاک میرے لیے مانع نہو سکیں گے یہ تو کوئی ایسا بڑا کام نہین اس کے لیے نہ حشر اشک کی ضرورت ہو نہ فوج آہ کی، اُسے تو مین تن تنہا یکسوئی قلب سے صرف ایک ہفتہ مین کر سکتا ہوں۔

علامۂ لکھنوی کی بتائی ہوئی وجہ کے یہ ٹکڑے حیرت انگیز ہین:۔

(۱) آسمان پر حملہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اسی کی گردش سے تمام مادی چیزون کا تکوّن ہوتا ہے، جنپر انسان کی روح خدا سے غافل ہوکر مائل ہوجاتی ہے، اسلیے اصل ہی پر حملہ کرو نہ یہ آسمان ہونگے نہ مادی چیزون کا تکون ہوگا۔

(۲) مین تو ہر ہفتہ اُسکے ہفتخوان کو اکیلا فتح کرونگا اور اپنی عقل و روح کو جو گرفتار عالم فانی مین چھڑا کر لے آونگا جس طرح اسفندیار اپنی بہنونکو چھڑا کر لے آیا تھا:

میرے نزدیک یہ وجہ وجیہ نہین اور یہ سارا بوگ ہر کی وجہ سے پڑتا ہے اسلیے کہ جب آسمان ایک بار تباہ و برباد کر ڈالے گئے اور روح خواہران اسفندیار کی طرح ایکبار چھڑالی گئی تو پھر ہر ہفتہ مین کون تباہ کیا جائے گا اور کون قید سے چھڑایا جائیگا۔ کیا آسمان شجانیکے بعد جادو کے تپلون کی طرح پھر جیسے تھے ویسی ہی ہو جائینگے۔

میرے خیال مین یہ شعر یون ہوگا ؎

اسفندیار این دو تن روئین منم بشرط در ہفتہ ہفتخوانش تنہا برآورم

حملہ کا ارادہ اسلئے ہے کہ افلاک روح اور لامکان و مبدء روح کے درمیان حاجب ہین اگر بفرض محال تسلیم کر لیا جائے کہ خلاق المعانی نے ہر ہفتہ ہی فرمایا ہے تو صاد کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔

قصائد خاقانی پر نظر کرنے سے میرا یہ اعتقاد ہو گیا ہے کہ اُس سے زیادہ کیا اُسکے برابر بھی کسی ایرانی شاعر نے لفظی و معنوی ربط و مناسبت و تعلقات ادبیہ مرعی نہین رکھے یہان ہفتخوان رستم کو چھوڑ کر ہفتخوان اسفندیار کو صرف اسلیے اختیار کیا ہے کہ اسفندیار روئین تن تھا اور یہان وہ افلاک کو قلعہا سے روئین کہنا چاہتا تھا جب ہفتخوان کا ذکر آچکا تو تھوڑی سی مدت کا مفہوم ادا کرنے کے لیے در ہفتہ کہدیا۔

بس اشک شکرین کہ فرو بارم از نیاز
بس آہ عنبرین کہ بعمد ابر آورم

شادمان:- یہ جو میری آنکھون سے آنسو جاری ہین، اِن کو تم گریۂ غم نہ سمجھنا میرے دل مین عشق الٰہی ہے اور مجھے اسکی بے انتہا خوشی ہے اسلیے کہ کہان مین ناچیز کہان حسن ازلی کا عشق ؎ "عزیز الخ"

ہیچمدان:- ابھی زمانہ حال کے استعمال کا وقت نہین آیا، اسپر یہ اشعار شاہد ہین

تمکے بر غم کعبہ نشینان عروس وار — چون کعبہ سر زشقہٗ دیبا بر آورم

اولی ترآنکہ چون حجر الاسود از پلاس — خود را لباس عنبر سارا بر آورم

یہ اشعار دلیل قاطع ہین کہ ابھی تک "خاقانی" عشق و معرفت کے مراحل طے نہین کر چکا بلکہ صرف ارادہ کر رہا ہے۔

خاقانی اس شعر مین یہ بھی نہین کہتا کہ میرے گریہ کو تم گریۂ غم نہ سمجھنا بلکہ وہ پچھلے شعر مین کہہ چکا ہے کہ اِن آسمانی قلعون کے فتح کرنے مین فوج اشک و آہ سے کام نہ لونگا اب کہتا ہے کہ مین رؤونگا، مگر یہ گریہ ذوق اور یہ آہ آہِ شوق ہوگی

لب را حنوط ز آہ معنبر کنم چنانکہ

رخ را وضو باشک مصفا بر آورم

ناؔمی پر شادمان کا صحیح اعتراض اس شعر کا مطلب حضرت شادان اور حضرت شادمان نے صحیح لکھا ہے۔ حضرت ناؔمی نے ہونٹون کو مردہ سمجھکر آہ معنبر سے حنوط کرنا ضروری سمجھا۔ علامہ شادمان نے اُنکا تخطیہ پُرزور اور مدلل الفاظ مین کیا اور اُسکے سامنے تسلیم خم کرنے کے سوا چارہ نہین۔

قندیل دیر چرخ فرو میرد آن زمان
کان سرد باد ز آتش سودا بر آورم
دلہاے گرم تپ زدہ را شربتی کنم
زان خوشدے کہ صبحدم آسا بر آورم

ناقی :۔ (۱) مین جب وقت ٹھنڈا سانس عشق کی بھڑکتی آگ سے نکالتا ہے۔ اُسوقت اس تبخانۂ فلک کی قندیل گل ہوجاتی ہے۔

(۲) اینکہ آہ من چنان تاثیری دارد کہ آفتاب راہم جتاب میکند و در تب تاب می اندازد۔

بیخود :۔ خبر نہین کہ فرو مُردن قندیل کے معنے یا مفہوم در تب و تاب انداختن بتانا کس تحقیق پر مبنی ہے۔

شاداں نے وہی پرانا دُکھڑا محرومی لذت مراقبہ کا رویا ہے ، باد سرد کے معنی آہ بے تاثیر لکھے ہین ۔ علامہ لکھنوی نے اسپر اعتراض کیا ہے جو اُٹھائے نہین اُٹھ سکتا ، قرینہ کلام سے ایسی بے ادائی اللہ اللہ۔

علامہ لکھنوی :۔ دیر چرخ مین اضافت تشبیہی ہے ۔ چرخ کو دیر اسوجہ سے کہا ہے کہ اس مین اشکال جنوبی و شمالی اور ستارے سیارے موجود ہین جو بمنزلہ بت ہین ۔

قندیل دیر چرخ آفتاب ہے ۔

مطلب :۔ حکیم کہتا ہے کہ مین باغ عشق مین تو آ ہی گیا اور میرے اندر عشق کی آگ تو بھڑک ہی رہی ہے اگر مین اس بھڑکی آگ سے

ٹھنڈی سانسیں نکالوں تو یقین جانو کہ دنیا کے بتخانوں کی قندیلوں کا تو کیا ذکر، اتنے بڑے دیر چرخ کی اتنی بڑی قندیل اُسیوقت بجھ جائیگی خاقانی اس قصیدے بھر میں نہ بطریقِ اشارہ نہ بطریقِ تصریح کہتا ہے کہ میں صبح کے وقت عشق و مراقبہ سے علیحدہ ہو گیا۔"

نیخود:- میں یہاں قندیل دیر چرخ سے آفتاب مراد لیتے ہوئے گھبراتا ہوں اسلیے کہ قندیل ساز و سامان بتخانہ اور بتان دلربا کے حسن کو جگمگا دینے کے لیے روشن کیجاتی ہے نہ کہ نظر سے اوجھل کر دینے کے لیے، یہ اچھی قندیل ہے کہ روشن کیجائے تو بت اور آرائش بتکدہ سب کے سب غائب ہو جائیں۔ یہاں قندیل دیر چرخ سے ماہتاب مراد ہے اور بتوں سے تارے سیارے۔

مطلب۔ جب میں جوشِ عشق میں آہ سرد کھینچونگا تو ماہتاب کی قندیل گل ہو جائیگی اور بتخانہ آسمانی کے بت یعنی تارے سیارے یوں چھپ جائینگے جس طرح چراغ گل ہوتے ہی ہر شے پر ظلمت کا پردہ پڑ جاتا ہے۔

اس شعر میں حسن تعلیل ہے آفتاب نکلنے سے تارے بے نور ہو جاتے ہیں مگر خاقانی اس کی شاعرانہ وجہ یہ بیان کرتا ہے کہ مہتاب اور ستاروں کے غروب ہونے کا سبب طلوع صبح نہوگا بلکہ میری آہ سحری سے قندیل ماہ گل ہو جائے گی اور جب قندیل گل ہو جائے گی تو یہ بت نظروں سے پنہاں ہو جائیں گے، اور جب شاعر آہ سرد کو نسیم سحری کا ہم اثر کہہ چکا تو کہتا ہے کہ یہی آہ سرد جو ماہتاب کی قندیل گل کر دیگی تب فراق معشوق حقیقی (محرومان تجلیات ربانی) میں تڑپ تڑپ کر بسر کرنے والوں کے دل میں ٹھنڈک ڈالدیگی یعنی میری آہوں کے صدقے میں باب تجلیات و مشاہدات

اُن عشاق الٰہی پر بھی کھل جائے گا جن کا سوز ابھی ناتمام ہے۔

قندیل دیر چرخ سے آفتاب مراد لین تو ساری دنیا بتخانہ ٹھہرے، جسکا فرش زمین چھت آسمان اور تمامی موجودات عالم بت اور سازو سامان تبکدہ ہین قندیل سقف سے آویزان کیجاتی ہے یا محراب سے، اور آسمان مین سقف اور محراب دونون کی شان نکلتی ہے۔ اگر یہان بھی آفتاب مراد ہو تو بتون سے تارے پیارے مراد نہین ہو سکتے اور مطلب یہ ہوگا کہ جب مین صبح کو آہ سرد کھینچون گا تو قندیل آفتاب بے نور ہو جائے گی اور تمام موجودات پر رات کا سا تاریک پردہ پڑجائے گا یعنی مراقبہ کی محویت مین ساری دنیا میری نظرون سے اوجھل ہو جائے گی یہان تک کہ آفتاب سی عالمتاب شے بھی موجود نہ معلوم ہوگی صرف جلوۂ یار پیش نظر ہوگا۔

داملے گرم تب دہ را شربتی کنم   زان خوشدمے کہ صبح دم آسا برآورم

اس شعر مین یہ لطف بھی ہے کہ معنی صبر ورت پیدا ہو گئے ہین، یعنی وہی آہ سرد جو ہوا تھی رقیق ہو کر شربت بن گئی۔

ہردم مرا بعیسٔی تازہ است حاملہ
زان مردمے چو مریم عذرا برآورم

علامۂ بلگرامی و لکھنوی نے اس شعر کا مطلب لفظون کے اُلٹ پھیر سے ایک ہی لکھا ہے جس کی صحت مین کلام نہین، علامۂ ناجی نے ہردمے کو مردُمے دال کے پیش سے پڑھا ہے اور اس مین یائے تعظیم تجویز فرمائی ہے اور فرماتے ہین کہ اس بڑے آدمی سے حضرت عیسیٰ مراد ہین، میرے نزدیک یہ کوہ کندن و کاہ برآوردن

ہے اور بہر حال بے ضرورت اور بے لطف مُردے وال کے زبر سے معنی دیتا ہی
مگر ہر دے کو ترجیح ہے اور اسی کو علامہ لکھنوی نے اختیار فرمایا ہے۔

زین روے چون کرامت مریم بباغ عمر
از نخل خشک خوشہ خرما بر آورم

شادمان " نخل خشک سے ہر شارح نے قلم مراد لی ہے مین اسکو غلط نہین کہتا۔ مگر میرے نزدیک خود خاقانی کا قد مبارک مراد ہے جو عشق کی تکالیف سے خشک ہوگیا۔
خوشہ خرما مضامین عشقیہ نہ کلام شیرین جسکو قابل نامی و فاضل بلگرامی نے اختیار کیا ہے "

بیخود:۔ مجھے اس رائے سے اتفاق ہے، لیکن اگر نخل خشک سے قلب صنوبری مراد ہو تو بھی کوئی قباحت لازم نہین آتی۔

تر دامنان کہ سر گریبان فرو برند
سحر آورند من ید بیضا بر آورم

شادمان " تر دامن۔ گنہگار۔ یہان اُن متصوفین سے مراد ہے جو عشق آلہی کے جھوٹے دعوے کرتے ہین اور اُن مین فی نفسہ عشق نہین ہوتا۔ جناب محشی و نامی و بلگرامی ہمعصر شعرا مراد لیتے ہین "

بیخود:۔ میرے نزدیک علامہ لکھنوی حق پر ہین۔ مطلب بھی انھون نے

صحیح بیان فرمایا ہے یعنی میرا کلام سچے عشق کیوجہ سے ید بیضا یعنی معجزہ اور مدعیان معرفت (ریاکار صوفی) کے اقوال سحر یعنی باطل۔

نامی: اینکہ من موسی طور کلامم وحریفان من (گنہگار شعرا) ہمچو گروہ فرعون مردودانہ وکلام شان پیش کلامم چون سحر باطل میشود فروغ نمی یابد۔

بیخود: گنہگار سے حریف شعرا مراد لینے مین جناب نامی نے سہو فرمایا، باقی حق یہ ہے کہ گروہ فرعون کی طرف اُنکا خیال بیجا نہین گیا۔

خاقانی پردہ پردہ مین حضرت موسیٰ اور ساحران دربار فرعون کے مقابلہ اور ید بیضا کے نظر خیرہ کردینے والے معجزہ کی چھوٹ ڈال رہا ہے اور لفظون مین واقعہ کی تصویر بھی ہے اور تصویر بھی ایسی دلکش جیسے باریک چلمن کے اُدھر سے بجلی کا جھمکڑا ہو۔

دل در مغاک ظلمت خاکی فسردہ شد
رخشش تتاب خانۂ بالا برآورم
رستی خورم ز خوانچۂ زرین آسمان
وآوازۂ صلابہ مسیحا برآورم

شادمان: نامی نے اِس شعر کے مرادی معنی بیان فرمائے کہ مین اپنے دل کو تعلقات اہل دنیا سے علٰحدہ کرکے عالم بالا پر لیجاؤنگا۔

بیان صرف عالم بالا کہنا کافی نہین بلکہ شعر مین افسردگی اور

نابخانہ کا ذکر ہے، چاہیے تھا کہ اس تنوری روشنی سے فائدہ اُٹھانیکا خیال ظاہر کیا جاتا۔"

شادان:- "مین اپنے دل افسردہ کو چرخ چہارم پر فیض آفتاب معرفت سے جوش پیدا کرنے کے لیے لیجاؤنگا۔"

اسپر شادمان کا ایراد یہ ہے کہ بھلا چرخ چہارم سے آفتاب معرفت کو کیا خصوصیت ہے۔ اور حق یہ ہے کہ انکا یہ ارشاد بجا ہے۔

خود علامۂ لکھنوی دل کو چرخ چہارم پر لیجانیکی وجہ یہ بتاتے ہین کہ آفتاب کی خوب سرخ سرخ بکی ہوئی تنوری روشنی سے گرمی پہونچاؤنگا۔ مین اتنا اضافہ اور ضروری سمجھتا ہون کہ تنور والا مکان گرم ہوگا، اُس سے بھی گرمی پہونچے گی۔

اِس شعر کی شرح سے پہلے اگر یہ کہدیا جاتا تو بہتر ہوتا کہ خاک کا مزاج سرد و خشک ہے، زمین کی تعبیر مغاک ظلمت خاکی سے نہایت لطیف ہے۔ (مغاک۔ گڑھا غار) ظاہر ہے کہ گڑھے اور کنوئین مین سطح خاک سے زیادہ سردی ہوتی ہے اور آسمان پر نظر کرتے ہوئے زمین کا مغاک ہونا تشریح کا محتاج نہین۔ ظلمت مستلزم ہے عدم نور کو، بلکہ ظلمت نام ہے عدم نور کا، جہان روشنی نہ آئے گی وہان سردی کا ہونا لازمی ہے۔

مُرستی خورم ز خوانچۂ زرین آسمان | آوازۂ صلا بمسیحا بر آورم

بیخود:- شادمان نے خوانچۂ زرین مین اضافت تشبیہی بتائی اور یہی صحیح ہے نامی نے خوانچۂ زرین سے آفتاب مراد لیا، اور بلگرامی نے فلک البروج سے کنایہ لیا، علامۂ عدم آبادی (محشی) فرماتے ہین:-

سخن آنجائی گویم۔ اما ہیچ نگویم کہ عیسیٰ کہ فصیح گو است ازین استفادہ بُرد۔

لے این ہر دو بیت، اقتضائے تمامی ہم است:

علامۂ لکھنوی اس حل کو سخت مضحکہ انگیز فرماتے ہیں اور یہ بھی ایسا ہی تقاضائے تمامی والے جملہ کا مطلب میں بیان کردوں یعنی اسے قطعہ نہ قرار دیں تو بھی ہر شعر اپنے معنی دیتا ہے، نامی خوانچہ زرین سے آفتاب مراد لیتے ہیں۔ رُتی سے غذائے روحانی وکلام الٰہی سمجھتے ہیں اور مطلب یہ نکالتے ہیں۔

- اینکہ من ترک دنیا کردہ ام از عالم بالا چنان فیض یابم کہ حضرت عیسےٰ را کہ در مہد گویا شدہ بود جہت حصول لذت و استماع کلام خود می طلبم:

علامۂ بلگرامی فرماتے ہیں:۔

- فلک چہارم یا ہشتم پر نان فیض روحانی کھاؤنگا الخ

اسپر علامۂ لکھنوی کا ایراد ہے کہ اگر یوہین ہے تو پھر خاقانی یہ کیا کہتا ہے ع

زین نان دہان بآب تبرا برآورم

یہ استدلال نہایت قوی بلکہ لاجواب ہے۔ حقیقتاً جب فیض روحانی مراد ہو تو اس سے تبرا کرنا کیا معنے۔

علامہ لکھنوی سے اختلاف — علامۂ لکھنوی نے مسیحا کی دعوت کرنیکا سبب یہ بیان کیا کہ چونکہ وہ بہت بڑی روٹی ہے۔ اسلئے بطور ایثار حضرت عیسیٰ کو بھی بلاؤنگا کہ تم بھی کھالو۔ میرے نزدیک حضرت عیسیٰ کو دعوت دینا بر سبیل تعریض وطنز ہے۔ یعنی دیکھو تم کو اتنا زمانہ گزرا کہ اس نعمت سے کامیاب ہو تمہارے منہ سے کبھی نہ نکلا کہ آؤ تم بھی شریک ہو جاؤ۔

دوسری صورت خاقانی ہمیشہ اس نعمت سے محروم رہا تھا، اب جو اُسے عالم خیال مین یہ دن نصیب ہوا تو اترانے لگا، اگر نہ اترا تا تصنع ہوتا

چون در تنور شرق پزد نان گرم چرخ

آواز روزہ بر ہمہ اعضا بر آورم

نے نے من از خراس فلک دے گزشتہ ام

سرزان سوفلک بہ تماشا بر آورم

جناب شادمان جناب نامی "نان گرم چرخ سے آفتاب مراد لیتے ہین

سے اتفاق حضرت شادمان فرماتے ہین کہ چرخ پزد کا فاعل ہے

لا ریب یہ قول غلط نہین۔

اب رہا شعر کا مطلب اُسکے بارے مین یہ کہنا کہ علامۂ الہ آبادی علامۂ بلگرامی نے مقام کی مناسبت سے بحث نہین رکھی روزہ کی فضیلت بیان کردی شرعی حیثیت سے اِس مین کلام کی گنجائش نہین، مگر خاقانی کو اس محل پہ اس بات سے کوئی سروکار نہین، وہ تو بقول علامۂ لکھنوی یہ کہہ رہا ہے کہ مین اب لامکان کی سیر کرونگا مجھے آسمان کی بڑی چکی یا آفتاب کی روٹی سے کیا تعلق۔

آبستنم کہ چون رسدم بوے نان گرم

از سینہ باد سرد تمنا بر آورم

نامی۔ آفتاب نکلنے پر اگرچہ مجھے دنیوی ضرورتین پیش آتی ہین

لیکن چونکہ مین فیض الٰہی روح القدس انوار و اسرار معرفت سے حاملہ ہون اسلیے خواہشات دنیوی کیطرف رخ نہین کرتا اسلیے کہ حاملہ کا حمل گرم روٹی کے کھانے سے ساقط ہوجاتا ہے۔"

بلگرامی "آفتاب کو اعظم آیات الٰہی سمجھکر اُسکے حصول کی خواہش کرتا ہون۔"

علامۂ لکھنوی نے اس شعر کے دو مطلب تحریر فرماتے ہین:۔

(۱) "گو مین اس سفید روٹی کو استعمال نہین کرونگا بلکہ مین نے تو یہانتک انتظام کرلیا ہے کہ میرے اعضا بھی استعمال نہ کرین اور روزہ رکھین مگر پھر بھی اس مادی عالم کی رغبت کچھ ایسی ہے کہ جس وقت اس گرم گرم روٹی کی خوشبو میرے مشام مین پہونچتی ہے تو اُسکی خواہش مین میرے سینے سے ٹھنڈی ٹھنڈی سانسین نکلتی ہین کیونکہ مین ابھی دنیوی خیالات سے حاملہ ہون۔

(۲) مین تو عالم لامکان مین آگیا اور خیالات عشقیہ سے حاملہ ہوگیا اب اگر میرے مشام مین اس گرم گرم روٹی کی خوشبو پہونچے گی اور مجھے اس کی تمنا ہوگی تو مین تمنا سے اس باد سرد تمنا ہی کو سینہ سے باہر نکال پھینکونگا۔"

(بیخود)

سب سے اختلاف اس شعر کا پہلا مصرع استفہام انکاری ہے۔ خاقانی کہتا ہے کیا مین حاملہ ہون کہ بوے نان گرم میرے مشام مین پہونچے تو مین اُسکی حسرت

مین آہ سرد کھینچنے لگون۔

آب سپید نان سفید فلک بہ است
زین نان دہان بآب تبرا بر آورم

محشی:۔ نان دہان اسم فاعل ترکیبی قضا و قدر۔ وہ فرشتے جو دانے پانی کے موکل ہین۔

آب طوفان عشق نان سفید فلک سے بہتر ہے، اندرین صورت مین ان روٹی دینے والون (قضا۔ قدر) یا فرشتون پر لعنت......

کرتا ہون:

حضرت نامی بھی بہ تغیر قلیل یہی فرماتے ہین۔

شادمان:۔ "ان بزرگون کے اقوال حد کفر تک پہونچتے ہین"

بیخود۔ اگر نان دہان اسم فاعل ترکیبی ہے تو پھر آب تبرا بر آورم کے معنی کیا ہین۔ "دہان بہ آب بر آوردن" منہ کو غوطہ کرنا یعنی مین اس روٹی (آفتاب) پر لعنت بھیج دونگا۔

آبائے علوئید مرا خصم چون خلیل
بانگ ابا ز نسبت آبا بر آورم
از خاصگان مراست دم سر مہر عشق
ہر جا کہ محرمیست دم آنجا بر آورم

در کوئے حیرتے کہ ہمہ عین آگہی است
نادان نمایم و دم دانا برآورم

الحمد للہ کہ ان اشعار مین سب صراط مستقیم کے سالک رہے۔

چون نائے اگر گرفتہ دہان دارم جہان
این دم زراہ چشم ہمانا برآورم

الہ آبادی:۔ جب تک آنکھون مین دم رہے گا، راز معرفت بیان کرنا نہین چھوڑونگا۔

لکھنوی:۔ "رو رو کر اظہار عشق کرونگا۔"

بلگرامی:۔ آنکھون کے اشارے سے ادا کرونگا۔

جناب محشی:۔ آنکھون کے اشارے سے ادا کرونگا۔

نیخود:۔ علامۂ لکھنوی نے گرفتہ دہان کی معنویت درصورت ظاہری پر نظر نہین فرمائی۔ جب کوئی کچھ کہنے لگتا ہے اور دوسرا شخص اُسکے منہ پر ہاتھ رکھدیتا ہے تو وہ شخص روتا نہین بلکہ اگر کہنا ضروری ہے تو اشارون مین کہتا ہے میرے خیال مین جناب محشی نے خوب سمجھکر لکھا ہے جس سے یہ مراد ہوسکتی ہے کہ رمز وکنایہ مین ادا کرونگا۔

اب رہی شعر کی لفظی ومعنوی لطافت۔ یہ خاقانی کا عام انداز ہے کہ ایسے الفاظ وتشبیہات واستعارات مین ادائے مطلب کرتا ہے کہ بیانِ واقعہ واقعہ بنجاتا ہے، کہنا صرف یہ تھا کہ زبان سے کہنے نہ دینگے تو اشارون مین کہہ جاؤنگا

اسکے لیے نے کی تشبیہ سے کام لیا۔ نے بجاتے وقت انگلیاں سوراخہاے نے پر رہتی ہین اور وہان نے نواز لب شہنا پر گریا منہ بند کردیا گیا۔ اور آواز نکلتی ہو سوراخون سے، شعر پڑہتے وقت خدا جانے کیا کیا نظر آنے لگتا ہے اور الفاظ شعر مفہوم کے لیے آئینہ جلوہ نما بنجاتے ہین

درساق من چو چنگ بہ بند بدہ رسن

ہم بساق عرش معلّٰی برآورم

علامۂ لکھنوی والہ آبادی ——— علامۂ لکھنوی دہ رسن سے دس دس زنجیرین دونون سے اتفاق (جن سے کثرت مراد ہے) سمجھتے ہین اور علامۂ الہ آبادی حواس عشرہ مراد لیتے ہین دونون قول صحیح ہین، اگر کچھ فرق ہے تو اتنا کہ علامۂ لکھنوی کے قول سے کلام کا زور بڑہ جاتا ہے، علامہ الہ آبادی کے ارشاد سے لطافت اس مین کچھ شک نہین کہ یہی حواس عشرہ روح کو مادیات مین اُلجھاے رہتے ہین

باروزگار ساختہ رنگم بوے آنکہ

امروز کار دولت فردا برآورم

اس شعر کا مطلب اس خاکسار کی راے مین سب نے صحیح لکھا ہے۔ یعنے زمانہ کی ہمرنگی اسلیے اختیار کی ہے کہ اپنی عاقبت بناؤن۔

جام بلور در خمِ دیّن بدستم است
دست از دہان خمِ بدارا بر آورم

شادماں:۔ جام بلور۔ آفتاب

مطلب۔ بیشک یہ جام بلورین (آفتاب) کہ جو خمِ روئین مین ہے، میرے قبضۂ تصرف مین ہے اُسکو ترک کرونگا مگر بر فق و نرمی؛

علامہ لکھنوی علامۂ بلگرامی والہ آبادی نے جام بلور کی تعبیر دل یا دجود سے

سے اختلاف کی ہے یہی ٹھیک ہے، جناب محشی اور جناب نامی نے دوسرا مطلب یہ بیان فرمایا ہے۔

نامی:۔ این است کہ من بتاثیر آفتاب اگرچہ سخنور کامل ہستم لیکن حصول کلام انسان بدارات می کنم یعنی کلام آسمانی را بہ لغو گوئی صرف نمی کنم بلکہ جز شریعت شریف و مضامین تصوف چیزے نمی گویم۔"

بیخود:۔ یہ مطلب نہین خواب پریشان ہے، ایک اور مطلب حضرت نامی ومحشی و بلگرامی نے لکھا ہے

"یعنی اینکہ دل صاف مرا با سنگدل آسمان یا اہل زمانہ کار افتادہ، پس با ایشان با مدارا بسر می برم و بہ نرمی عرض مدعا میکنم تا دل را از ایشان خوف ضرر نماند چنانکہ جام بلور را از خم روئین۔"

یہ ارشاد بجا ہے ہاں "بہ نرمی عرض مدعا می کنم" کا ٹکڑا کاواک واقع ہوا ہے شاعر کا مقصود یہ ہے کہ اگر زمانہ سے اَن بن ہو گئی تو عاقبت کا بنانا محال ہو جائے گا۔

تا چند بہر صیقلی زنگ چہرہ ہا
خود را بزنگ آئینہ عنا برآورم

علامۂ شادمان سے اختلاف ارشاد علامۂ لکھنوی - چہرہ ہا میں یہ (ہا)
علامۂ نامی و بلگرامی سے اتفاق زائد ہے، نہ جمع کا - میں کہیں اور بھی کہہ
آیا ہوں کہ خاقانی اکثر زائد لایا ہے۔"

بیخود :- اس شعر میں (ہا) جمع کا ہے زائد نہیں، چہرہ منہ اور گال دونوں
معنوں پر اہل زبان کے کلام میں آیا ہے جس طرح دو رخ دو گالوں کے معنوں
پر، مجھے دو چہرے کی مثال اس وقت یاد نہیں آتی مگر اس کی صحت میں شک نہیں
دو رخ کی مثال حاضر ہے - خدائے سخن فردوسی داستان رستم و سہراب میں
سہراب کے زخمی ہونے پر اس کی زبانی کہتا ہے ؎

چو بر خاست آواز کوس از درم بیامد پر از خون دو رخ مادرم

اس شعر میں چہرہا سے اہل دنیا کے چہرے حضرت نامی و شادان نے مراد لیے
ہیں اور بیخود خاکسار اسی کو صحیح سمجھتا ہے اسلیے کہ اسکے کچھ معنی نہیں ہوتے کہ
میں کبتک اپنے چہرے کا زنگ مٹانے کے لیے آپنے آپ کو آئینہ کی طرح خوبصورت
(مصفا) یا دو رنگ (باعتبار رو و پشت آئینہ) بنائے رکھوں - اسلیے کہ خود
ہی آئینہ ہیں اور خود ہی منہ دیکھنے والے اور خود ہی منہ کے داغ اور دھبے
چھڑانے والے" جناب نامی فرماتے ہیں :-

"کہ میں کبتک ریاکاری سے دنیا والوں کا ہادی بنا رہوں ورانحالیکہ
خود میرا ظاہر اچھا اور باطن برا ہے"

اشعار شمارہ ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱ کا حل علامہ لکھنوی نے نہین لکھا، اور نہ کسی سے اختلاف فرمایا ہے۔

خارا چو مار برکشم وپس بیک عصا
دہ چشمہ چون کلیم زخارا برآورم

شادمان:۔ اِس ریشمی لباس کو سانپ کی کینچلی کی طرح اُتار کر پھینکدونگا اور صاحب کرامت ہوجاؤنگا، پھر مین اگر حضرت موسٰی کی طرح پتھر پر عصا مارونگا تو ایک چھوڑ دس دس چشمے جاری ہوجائینگے یعنی مجھے ایسے افعال سرزد ہونگے جو مفید خلق اللہ ہونگے"

نامی:۔ دہ چشمہ مراد دہ لطیفہ، یا دہ حواس خود را از آلودگیٔ نفس پاک کنم"

بیخود:۔ میرے خیال مین علامۂ لکھنوی کے ارشاد کا یہ جزو "یعنی مجھے ایسے افعال سرزد ہونگے جو مفید خلق اللہ ہونگے" اور علامۂ نامی کے ارشاد کا یہ ٹکڑا کہ حواس عشرہ کو آلودگیٔ نفس سے پاک کرونگا" بے محل ہے ممان دہ لطیفہ والا ٹکڑا لطیف ہے اور تصوف سے اُسی کو زیادہ تعلق ہے

دو زرد و سُرخ شام وسحر بودہ ام کنون
تن را بعودی شب یلدا برآورم

شادمان:۔ مین اسوقت تک رات دن کی رنگ رلیون مین

تا چند بہر صیقلی زنگ چہرہ ہا
خود را بزنگ آئینہ عنا بر آورم

علامۂ شاد مان سے اختلاف
علامۂ نامی و بلگرامی سے اتفاق

ارشاد علامۂ لکھنوی "چہرہ ہا میں یہ (ہا) زائد ہے، نہ جمع کا۔ میں کہیں اور بھی کہہ آیا ہوں کہ خاقانی اکثر زائد لایا ہے۔"

بیخود۔ اِس شعر میں (ہا) جمع کا ہے زائد نہیں، چہرہ منہ اور گال دونوں معنوں پر اہل زبان کے کلام میں آیا ہے جس طرح دو رُخ دو گالوں کے معنوں پر۔ مجھے دو چہر کی مثال اس وقت یاد نہیں آتی مگر اس کی صحت میں شک نہیں دو رُخ کی مثال حاضر ہے۔ خدائے سخن فردوسی داستان رُستم و سہراب میں سُہراب کے زخمی ہونے پر اُس کی زبانی کہتا ہے ؎

چو بر خاست آواز کوس از درم بیامد پُر از خون دو رخ مادرم

اِس شعر میں چہرہا سے اہل دنیا کے چہرے حضرت نامی و شادان نے مراد لیے ہیں اور بیخود خاکسار اِسی کو صحیح سمجھتا ہے اسلیے کہ اسکے کچھ معنی نہیں ہوتے کہ میں کب تک اپنے چہرے کا زنگ مٹانے کے لیے آپنے آپ کو آئینہ کی طرح خوبصورت (مُصفا) یا دو رنگ (باعتبار رو و پشت آئینہ) بنائے رکھوں۔ اسلیے کہ خود ہی آئینہ میں اور خود ہی منہ دیکھنے والے اور خود ہی منہ کے داغ اور دھبے چھڑانے والے۔" جناب نامی فرماتے ہیں :۔

"کہ میں کب تک ریاکاری سے دنیا والوں کا ہادی بنا رہوں درانحالیکہ خود میرا ظاہر اچھا اور باطن بُرا ہے۔"

اشعار شمارهٔ ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱ کا حل علامہ لکھنوی نے نہین لکھا، اور نہ کسی سے اختلاف فرمایا ہے۔

خارا چو ماربر کشم ولیس ہبایک عصا
دہ چشمہ چون کلیتم زخارا برآورم

شادمان:۔ "اِس ریشمی لباس کو سانپ کی کیچلی کی طرح اُتار کر پھینکدونگا اور صاحب کرامت ہوجاؤنگا، پھر مین اگر حضرت موسیٰ کی طرح پتھر پر عصا مارونگا تو ایک چھوڑ دس دس چشمے جاری ہوجائینگے یعنی مجھے ایسے افعال سرزد ہونگے جو مفید خلق اللہ ہونگے"

نامی:۔ "دہ چشمہ مراد دہ لطیفہ، یا دہ حواس خود را از آلودگی نفس پاک کنم"

بیخود:۔ میرے خیال مین علامۂ لکھنوی کے ارشاد کا یہ جزو "یعنی مجھے ایسے افعال سرزد ہونگے جو مفید خلق اللہ ہونگے" اور علامۂ نامی کے ارشاد کا یہ ٹکڑا کہ حواس عشرہ کو آلودگیٔ نفس سے پاک کرونگا، بے محل ہے ہان دہ لطیفہ والا ٹکڑا لطیف ہے اور تصوف سے اُسی کو زیادہ تعلق ہے

دہ زرد و سُرخ شام و سحر بودہ ام کنون
تن را بو دی شب یلدا برآورم

شادمان:۔ "مین اسوقت تک رات دن کی رنگ ریون مین

پڑا رہا، مگر اب درویشوں کا یہ جبہ پہنونگا۔

خلاصہ :۔ بہ لباس نقر شب بیداری کردن میخواہم ۔

بیخود :۔ میرے خیال میں علامۂ لکھنوی نے یہاں داد سخن فہمی دی ہے اور علامۂ الہ آبادی شرح شعر سے عہدہ برآ نہو سکے، بیشک تن را بجودی شب یلدا بر آوردم کو شب بیداری کرنیسے کوئی رابطہ نہیں۔

داؤد شادی آبادی :۔ ترجمہ: اب پہلے میں صبح و شام کو جب شفق پھولتی تھی مراقبہ کرتا تھا اب شب بیداری کیا کرونگا ۔

یہ اُسی مطلب کا ایک جزو ہے جو حضرت نامی نے لکھا ہے اسکا سقیم ہونا ظاہر ہے اسلیے کہ اشعار ما سبق و ما بعد کا مفہوم یہ ہے کہ اب تک میں آلودۂ دنیا تھا اب تارک الدنیا ہو جاؤنگا ۔

چون شب مرا ز صادق و کاذب گریز نیست
تا آفتابے از دل و ردا بر آوردم

علامۂ الہ آبادی و بلگرامی نے صادق و کاذب سے تجلیات و مغالطات مراد لیے ہیں ان کی صحت و لطافت میں محل کا خیال کرتے ہوئے کلام ہے۔

علامۂ لکھنوی نے صادق سے عالم عشق و محبت اور کاذب سے مادی دنیا مراد لی ہے اور آپ اس شعر کو شعر ۲۵ یعنی ؎

بار وزگار ساختہ رنگم بوے آنکہ امروز کار دولت فردا بر آوردم

سے مربوط قرار دیتے ہیں اور یہی قول قرین صواب ہے۔

جناب محشی نے آفتاب سے سخن متعلق سمجھا اور یہ ایسا سمجھنا ہے جسے خود ہی سمجھے
علامۂ لکھنوی نے بھی اسے رد کیا ہے اور یہ ہے بھی رد کرنیکے قابل۔

بر سوگ آفتاب وفا زین پس ار بوار
پوشم سیاہ و بانگ عزا بر آورم

علامۂ لکھنوی:۔ آفتاب وفا سے خود وفا مراد ہے۔"
علامۂ بلگرامی:۔ وفا سے مراد میثاق روز الست ہے:

علامۂ لکھنوی فرماتے ہین:۔

"یہ جو مین نے کہا کہ مجھے دنیا اور اہل دنیا سے کچھ نہ کچھ علاقہ ضرور رکھنا پڑیگا مگر افسوس ان دونون مین وفا نہین بلکہ وفا تو بالکل مردہ ہو گئی اندرین صورت مین اس مردہ وفا کے سوگ مین لباس تعزیت پہنونگا اور ماتم پرسی مین آواز نکالونگا۔"

علامۂ بلگرامی نے وفا سے میثاق روز الست مرادلی ہے اور یہی صحیح ہے ظاہر ہے کہ جو شخص ترک دنیا کریگا وہ اتنے زمانہ تک پیمان الست کے فراموش کر دینے پر افسوس کیے بغیر نہ رہے گا۔

چند از نعیم سبعۂ الوان چو کافران
کار جحیم سبعہ ز امعا بر آورم

علامۂ لکھنوی والہ آبادی نے "کار جحیم سبعہ ز امعا پڑھا اسکی صحت مین کلام نہین

لیکن علامۂ بلگرامی نے جحیم سبعہ امعا پڑھا اور واو کو حذف فرمادیا جس سے مفہوم شعر میں ایک نازک فرق پیدا ہو گیا۔ اول الذکر حضرات نے فرمایا کہ "انتڑیوں سے دوزخ کے سات طبقوں کا کام لیتا رہونگا" آخر الذکر بزرگ نے خود امعائے سبعہ کو ہفت دوزخ کہدیا اور ظاہر ہے کہ اس سے معنی کا زور کتنا بڑھ گیا۔ میرے خیال میں اسی کو ترجیح ہے۔ اول تو اس سے شعر کا ترنم بڑھ جاتا ہے، پہلے مصرع میں نعیم سبعہ الوان کہا تھا دوسرے میں جحیم سبعۂ امعا فرمایا۔ سبعۂ الوان کے استعمال سے اپنے کو دوزخ کے عذاب کا سزاوار بنانا اور ہے اور پیٹ کے دوزخ کا بھرنا اور۔

شویم دہان حرص بہفتاد آب و خاک
وآتش زباد خانۂ احشا برآورم

علامۂ لکھنوی:۔ "میں دہن حرص کو ستر آب و خاک سے پاک کر کے اسکی انتہائی طہارت کرونگا، اور بالکل بھوکا رہ کر اپنے معدہ اور آنتوں کے باد خانہ سے آگ نکالونگا۔"

بیخودؔ:۔ حل لغات کے سلسلہ میں بتایا ہے بھوک میں معدہ کی حرارت بڑھ جاتی ہے۔ اس کلیہ سے اختلاف نہیں مگر علامہ موصوف کا صرف یہ کہدینا کافی نہیں کہ آگ نکالونگا۔ علامۂ الہ آبادی فرماتے ہیں:۔

"میں آنتوں کے باد خانوں سے حرص کی آگ نکال دوں۔"

یہ شرح سقیم ہے اور عقیم، وجہ یہ ہے کہ جب شاعر نے حرص کو ذی روح تصور کر کے اسکے لیے دہن تجویز کردیا تو پھر اس قول کے کچھ معنی نہیں رہتے کہ میں حرص کا منہ

دہو کر اسکے پیٹ سے حرص کی آگ نکالونگا۔

علامۂ بلگرامی فرماتے ہین۔ "کہ باد خانۂ احشا سے آگ نکالونگا یعنی انکو جلاکر خاک کردونگا۔ مطلب یہ ہے کہ مین حرص کو ترک کرونگا"

• اُن کو جلاکر خاک کردونگا، یہ تعبیر معنی بھی حسن و صحت سے بیگانہ ہے میرا خیال یہ ہے کہ خاقانی اِس شعر مین معنی صیرورت پیدا کر رہا ہے، اور کہتا ہے کہ باد خانہ احشا کی ہوا تحلیل ہوکر آگ بن جائے گی اور آگ سے مراد آتش عشق و معرفت ہے۔
بلبل شیراز کہتا ہے ؎

اندرون از طعام خالی دار　　تا درو نور معرفت بینی

قرص جوین و خوش نمکے از سرشک غم

بہ زانکہ دم زمیدہ دونا برآورم

نہ نجود اِس شعر مین مجھے صرف اتنا ہی کہنا ہی کہ نمک اور آنسو کی تشبیہ نہایت بدیع واقع ہوئی ہے، آنسوؤن کا رنگ نمک کی طرح سفید اور مزہ نمکین ہوتا ہے اسلیے اُسے شور آبہ شور با کہنا نہایت پُرلطف ہے، اگر اِس شعر مین خوش نمک سے مزہ دار نمک ہی مرادلین تو بہتر ہے اسلیے کہ جو کی روٹی کا نمک سے کھانا انتہائے زہد ہے نمک اور جو کی روٹی سے انتہائے قناعت اور مائدہ دارا سے انتہائے نعمت کا اظہار ہوتا ہے اور دونون کا تقابل بھی پرلطف ہے۔

ہم شور ہائے اشک نہ سکباے چہرہا
کین شوربا بہ قیمت سکبا بر آورم

علامۂ الہ آبادی نے سکباے چہرہ سے اُمرائی ترشروئی مراد لی ہے یہ صحیح ہے مگر علامۂ لکھنوی اس سے اپنی بے چینی مراد لیتے ہین اور ایمان کی یہ ہے کہ یہ نہایت لطیف ہے یعنی خوشی خوشی کھاؤنگا اور میرے چہرے پر ناگواری کے آثار تک نہونگے۔

مولو شال دم چو بر آرد بلال صبح
من نیز سر ز چو خہ خارا بر آورم

علامۂ لکھنوی فرماتے ہین کہ یہ شعر یہان بے ربط ہے اور اسے اِس شعر کے بعد ہونا چاہیے ؎

خارا چو ابر کشم آنگہ از عصا ۔۔۔ دہ چشمہ چون کلیمؑ ز خارا بر آورم

اور حقیقت بھی یہی ہے۔ میرے خیال مین یہان خارا کے معنی سنگ سخت لینا چاہیے یعنی راہبون کی طرح ترک لباس کرونگا اور پتھر کے غار سے بقصد عبادت نکلونگا گویا جبتک غار کوہ مین تھا لباس خارا پہنے تھا۔

چون عیش تلخ من بقناعت نمود خوش
زان حنظل شکر شدہ حلوا بر آورم

علامۂ لکھنوی کا خیال ہے کہ خاقانی کے الفاظ کچھ اور ہونگے اور اگر یہی ہین تو وہ جناب نامی کے حل پر اکتفا فرماتے ہین اور حضرت نامی کا ارشاد یہ ہے۔

اینکہ زندگی من ہمچو حنظل، تلخ شدہ مگر قناعت دران مثل شکر بیا میخت کہ باعث آن مرا لذت حلوا بیا مد یعنی اکنون مرا قناعت بسیار لذت بخش و مسرت انگیز معلوم میشود۔"

جناب بلگرامی نے عیش تلخ کو حنظل سے تعبیر کیا ہے اور یہ مطلب بیان فرمایا ہے جبکہ میری زندگی تلخ قناعت محض پر راضی نہ تھی تو مین نے اُس مین قناعت کی شیرینی ملاکر اُسے حلوائے لذیذ بنا دیا یعنی باوجود عیش تلخ قانع ہون۔

بیخود:۔ مجھے علامہ لکھنوی کی اس رائے سے اتفاق ہے کہ اس شعر مین تصرف کاتب ہے، انھون نے حضرت نامی کے حل پر قناعت فرمائی مگر مجھسے نہین ہوسکتی اسلیے کہ نہ جناب فرماتے ہین چونکہ میری زندگی قناعت پر خوش نہ تھی اسلیے مین اس شکر ملے ہوئے حنظل سے حلوا تیار کرتا ہون۔ مطلب اینکہ، زندگی من ہمچو حنظل تلخ شدہ مگر قناعت دران مثل شکر بیا میخت کہ باعث آن مرا لذت حلوا بیا مد، جب زندگی قناعت پر خوش نہ تھی تو قناعت اُس مین شکر کیطرح ملی کیونکر اور یہ حلوا تیار کیونکر ہوا۔ اسلیے کہ خاقانی حنظل ہی کا شکر بنجانا بیان کرتا ہے علامہ بلگرامی کی عبارت اس سے زیادہ اُلجھی ہوئی ہے، وہ فرماتے ہین :۔

"جبکہ میری زندگی تلخ قناعت محض پر راضی نہ تھی تو اُس مین مین نے قناعت کی شیرینی ملاکر حلوائے لذیذ بنا دیا۔"

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جبکہ زندگی قناعت محض پر راضی نہ تھی تو اُس مین قناعت کی شکر ملائی کیونکر گئی مین تو اس معجزہ کی شان رکھنے والی عبارت کے سمجھنے کی قابلیت نہین رکھتا۔ اور یہی حال علامہ ثانی کی عبارت کا ہے، میرے نزدیک عیش تلخ

مصائب و آلام، شکر، قناعت، اور نبود کی جگہ نمود ہے اور نحایہ کے معنی دیتا ہے، اگر کوئی کہے کہ یہ کیونکر تو مین کہہ دونگا کہ اُسی طرح جس طرح شارحین کرام نے برآورم کے معنی برآوردم کے لیے اسلیے کہ سب یہی کہتے ہین کہ حلوائے لذیذ بنا دیا، حلوا تیار کر دیا۔

مطلب۔ جب میرے مصائب و آلام (جو تلخی مین خنظل تھے) اور قناعت مین پَٹنے لگے اور خنظل مصائب شکر بنجائے تو مین اسی سے حلوائے لذیذ تیار کرون یعنی جب مصائب و آلام پر قانع ہوجاؤنگا، تو پہلے جو تکلیف اُن سے ہوتی تھی اب نہوگی، صاف لفظون مین یون کہہ سکتے ہین کہ جب انسان مصیبتون پر قانع ہوجاتا ہے تو اُسے اُن مین تکلیف کی جگہ مزہ ملنے لگتا ہے۔

شعر شمارہ ۴۱ و ۴۲ و ۴۳ کا مطلب سب نے بہ تغیر الفاظ ایک ہی بیان کیا ہے اور مجھے کوئی اختلاف نہین۔

چون آئینہ نفاق نیارم کہ ہر نفس
از سینہ زنگ کینہ بہ سیما برآورم

علامہ لکھنوی۔ حضرت شادمان فرماتے ہین کہ مین ہرگز آئینہ کی طرح منافق نہین ہونا چاہتا کہ اندر کچھ اور باہر کچھ یعنی مین ایسا نہین کرنا چاہتا کہ نفاق ظاہر کرون اور اپنے صاف سینے سے کینہ کا زنگ نکال نکالکر چہرہ پر لاؤن، مین تو اپنے دل کو حسد و بغض و کینہ و ریا سے بالکل پاک صاف رکھنا چاہتا ہون اور باہر یکسان۔

علامہ الہ آبادی۔ "این کہ من ہمچو آئینہ صاحب نفاق نیم کہ بظاہر

صاف و شفاف معلوم شود و چون کسے با او ہم نفس شود. و دم ہمے زند دروم مکدر شود بلکہ من ظاہر و باطن خود را از نفاق بالکل پاک و صاف می دارم "

علامۂ لکھنوی اِس پر ارشاد فرماتے ہین:۔

" آئینہ پر سانس مارنے سے آئینہ میلا ہوتا ہے۔ آپ کسیقدر مطلب سے ہٹ گئے ہین پھونک مارنے کا یہان کوئی ذکر نہین "

بیخود:۔ میرے نزدیک علامۂ شادمان کا ارشاد صحیح نہین۔ خاصکر اُسکا یہ ٹکڑا " اپنے صاف سینے سے کینہ کا زنگ نکال نکال کر چہرہ پر لاؤن " تو بالکل اُن کے ارشاد کے خلاف پڑتا ہے اسلیے کہ جب سینہ صاف ہے تو اُس مین زنگ کینہ آئیگا کہان سے؟ نکلیگا کیا جناب شادمان نے اِس مصرع پر " از سینہ زنگ کینہ بسیما بر آوردم " پر نظر نہ فرمائی اور نہ آئینہ کی تشبیہ پر زیادہ غور فرمایا۔ یہ مطلب اُسے نہ جناب نامی نے بلھا کر بیان فرمایا نہ علامۂ لکھنوی نے۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان کیسا ہی عیار کیون نہو، لیکن یہ ممکن نہین کہ دل کے خیالات کے مطابق اُسکے چہرے کا رنگ نہ بدلے۔ خاقانی یہی کہتا ہے کہ مین آئینہ کی طرح منافق نہین کہ ظاہر کچھ باطن کچھ جب کسی سے ہمکلامی ہوئی تو مین نے زبان سے کچھ کہا اور چہرے کی حالت نے کچھ اور کہا، اور اہل نظر تاڑ گئے کہ ہے کچھ اور اور ظاہر کیا جا رہا ہے کچھ اور۔ آئینہ پر پھونک مارنے کی ضرورت نہین جب آئینہ کے سامنے کوئی سانس لیگا۔ آئینہ دھندلا ہو جائے گا۔

آن رہ روم کہ گوشۂ وحدت طلب کنم
زال زرم کہ نام بہ عنقا بر آورم

اس شعر میں گوشہ وحدت کی جگہ توشہ وحدت تھا۔ مگر علامہ لکھنوی نے توشہ کو گوشہ سے بدل لیا ہے اور حق یہ ہے کہ جو کچھ اُنھوں نے سمجھا ہے وہی صحیح اور بہتر ہے۔ اس لیے کہ عنقا اور زال زر کا نام گوشہ گیری سے مشہور ہوا ہے۔

شہبازم ارچہ بستہ دہانم بگاہ صید
گرد از ہزار بلبل گویا بر آورم

علامۂ بلگرامی نے ارشاد فرمایا ہے:۔

"میں شہباز فضائے معرفت ہوں اگرچہ وقت شکار منہ بند ہوں (موانع مجھے لاحق ہیں) مگر پھر بھی وقت شکار ہزاروں بلبل گویا کو گرد برد کر سکتا ہوں"

علامہ الٰہ آبادی:۔ "اگرچہ اہل دنیا مرا مجبور و مقید میدارند لاکن من شہباز ہوائے عشق ہستم پس بوسیلہ این چنین مضامین اسرار معرفت شعرائے نوگو را پامال می کنم"

علامۂ لکھنوی نے علامہ بلگرامی کے اس ٹکڑے پر "اگرچہ وقت شکار منہ بند ہوں" اعتراض کیا اور فرمایا کہ شکار کے وقت باز کی ٹوپی اُتار دی جاتی ہے اور یہ ارشاد بالکل بجا ہے، علامۂ بلگرامی آگے بڑھ کر فرماتے ہیں "مگر پھر بھی وقت شکار ہزاروں بلبل گویا کو گرد برد کر سکتا ہوں" اس سے مجھے ایسا گمان ہوتا ہے کہ یہ تصرف کاتب ہے۔

علامۂ الہ آبادی سے صرف تنا اختلاف ہے کہ بلبل گویاے شعرائے لغوگو مراد نہین ہوسکتے، متصوفین ریاکار مطلوب ہین، طامات جنکا شیوہ، خرافات جنکا شعار ہے اور یہان بھی سخن فہمی کا سہرا علامۂ لکھنوی کے سر ہے۔

سر زان فرو برم کہ بر آرم دمار نفس
نفس اژدہاست ہیچ مگو تا بر آورم

علامہ الہ آبادی نے دمار کے معنی مغز لکھے ہین اور علامۂ لکھنوی نے ہلاک، حق علامۂ لکھنوی کیطرف ہے، علامۂ بلگرامی نے ہیچ مگو بناکر مطلب لکھا کہ اے مخاطب مجھے مشورہ دے کر اسے نکال ڈالون علامۂ نامی فرماتے ہین کہ نفس اژدہا ہے اُسکا محبوس و مقید رہنا اچھا ہے۔ علامۂ لکھنوی انکا تخطیہ فرماتے ہین کہ بر آورم کا تعلق دمار سے ہو نفس سے نہین اور یہی قول درست ہے۔

صہبا کشادہ آب و رزبستہ آتش است
من آب و آتش از رز و صہبا بر آورم

علامۂ الہ آبادی آب و آتش سے جوش و روانی طبیعت اور علامۂ بلگرامی شراب معرفت سمجھے، علامۂ لکھنوی "آب آتش از چیزے بر آوردن" کا مفہوم اسکا تباہ و برباد کردینا سمجھے میری راے مین حضرت نامی و بلگرامی جادۂ مستقیم سے دور جا پڑے، اور علامۂ لکھنوی صراط مستقیم کے سالک ہین، معلوم ہوتا ہے کہ اشعار شمارہ ۵۰، ۵۱، ۵۲ کا مطلب سب نے صحیح سمجھا ہے

با این نفس چنان ہمہ ہشیار نیستم
مستم نہان و عربدہ پیدا بر آورم

علامۂ بلگرامی نے مصرع اول کو یون پڑھا ہے ع "با این چنین نفس ہمہ ہشیار مستیم" علامۂ لکھنوی نے اِسے پسند فرمایا ہے مجھے بھی اس رائے سے اتفاق ہے مگر علامۂ لکھنوی نے یہ لکھا ہے کہ باوجود اِس کلام کے جو مین اوپر کہہ آیا ہون کہ مین نفس کشی کرون اور شراب و کباب اور گل و زیرِ گل سے علیحدگی، غرضکہ جو کچھ مین ترکِ لذات کے متعلق بیان کر آیا ہون پھر بھی میرے اندر طلبِ دنیا کا نقشہ موجود ہے یہ جنگ جو مین نے کی ہے ظاہر بظاہر ہے، مجھے صرف "مستم نہان" کے مفہوم اور "یہ جنگ جو مین نے کی ہے" سے اختلاف ہے میرے نزدیک حکیم خاقانی کا مطلب ہے کہ کہہ تو دیا مین نے سب کچھ پھر بھی ایمان کی یہ ہے کہ ابھی تک میری حالت ایسی نہین کہ دل مین مطمئن ہو کر علانیہ جنگ ٹھہرا دون۔ "مستم نہان" یعنی خوفِ شکست کیطرف سے بے پروا ہو کر۔

اب مین اپنی ہرزہ سرائی ختم کرتا ہون، علامۂ لکھنوی نے شارحینِ کرام کے حل پر تنقید فرمائی تھی اسلیے میرے یہان بھی محاکمہ کیصورت قائم ہو گئی مجھے یہ خیال نہین کہ جو کچھ مین نے لکھدیا ہو وہی آسمانی ہے اسمین بھی لغزشین ہون گی اب کوئی اہلِ نظر ایسا لکھدیگا جیسا لکھنا چاہیے، جہان تک مین نے نظر کی ہے (۵۳) اشعار کی شرح مین علامۂ الہ آبادی نے ۲۸ علامۂ بلگرامی نے ۲۰، علامۂ لکھنوی نے ۹ مقامون پر سہو فرمایا ہے اور مجھے یہ کہنے مین ذرا پس و پیش نہین کہ علامۂ لکھنوی کی شرح امتیازِ خاص رکھتی ہے، چلتے چلتے یہ بھی کہدون کہ داؤد شادی آبادی کی شرح سے کوئی شارح زیادہ فائدہ نہین اٹھا سکتا اسلیے کہ اُسنے قصیدہ بھر مین دو دو چار چار اشعار کی شرح کر دی ہے اور آگے بڑھگیا ہے۔

ناچیز محمد احمد بیخود موہانی

(ایم۔اے)

کیننگ کالج۔لکھنؤ

آئینۂ تحقیق

یعنی

حضرت ناطق لکھنوی کے تبصرۂ اصلاح سخن کی حقیقت

این چہ شوریست کہ در دور قمر می بینم
همہ آفاق پُر از فتنہ و شر می بینم

اِدھر پنجۂ خواب نے مژگان کی چلمن کو گرایا، اُدھر دست اختلاج نے منظر پریشانی سے پردہ اُٹھایا۔ دنیا خواب پریشان کی دنیا، خاک آرمیدہ لرزونکا گھوارہ نظر آئی، اہرام مصری کی بنیادیں بازیچۂ جنبش، ابوالہول کے پائے ثبات وقف لغزش، گنبد افراسیاب گنبد حباب، طاق کسریٰ دار الخراب، قصر شیرین طلسم خواب، حجۂ فرہاد نقش برآب، آسمان محور رکوع، سر بفلک ایوان وقف خشوع، اب کنگرے زمین پر آ رہے، اب غبار کے تنق آسمان پر چھا رہے، غبار ریز مین انداز سما، آسمان جوش غبار سے خاک کا پتلا، نگاہ پریشان چلا اُٹھی کہ آسمان کا خیمہ لہراتا ہے، قلب مضطر پکارا اُٹھا کوئی زمین کو آسمان پر اُٹھائے لئے جاتا ہے، آندھی سیاہ چل رہی ہے، فطرت اپنی بربادی پر ہاتھ مل رہی ہے، سمندر طوفان گاہ، وہ تلاطم کہ خدا کی پناہ، زمین سے آسمان تک موجوں کی زنجیر، کرۂ نار کرۂ زمہریر، بادعقیم نے قوم ثمود کو برباد کر کے دنیا کو چھوڑ دیا تھا، سیل عرم نے قوم عاد کو قعر دریا میں دفن کر کے عہد انتقام توڑ دیا تھا، مگر یہ آندھیاں نہ ارض دنیا کو تلپٹ کر کے رہینگے، اجل گرفتہ اپنی ہستی کسی سے کیا نہ سکینگے، جبال آتشبار کے دھوئیں سے تیرہ و تار بادل چھائے ہوئے، دنیا کے مناظر سیاہ چادر میں لپٹائے ہوئے، تابعدار کرتا بدحواس، موت کی اُمید زندگی سے یاس، آنکھ نظر سے بیزار، لب خشک

زبان خارزار، درخت گلستۂ فضائی انسان بگولون مین چھپتی ہوئی ہوائی، آتے مین شورش بکارا صیحۂ صور نہین صریر خامہ ہی، بیاض دشت قیامت نہین، گنہگاران ادب کا سیاہ نامہ ہے، موکلان فتنہ بلائین لے رہے ہین مبصر نے آنکھین کھولی ہین، حضرت ناطق اُسکے کان مین اذان دے رہے ہین۔

تعبیر خواب

ابھی جناب نیاز فتحپوری نگار اور جناب آرگس کی اُڑائی ہوئی خاک بیٹھنے نہ پائی تھی کہ جنوری ۱۹۲۹ء مین مبصر نے جنم لیا، اور قرعۂ ادارت جناب ابو العلا حکیم سید احمد صاحب ناطق لکھنوی (انجمن معیار و معین الادب و معراج الادب کے سرپرست نازِ نقاد) کے نام نکلا، آپنے جہان اور ادب نواز زبان فرمائین وہان جناب مولوی عبد العلی صاحب شوق سندیلوی کی ترتیب دادہ ہوئی کتاب اصلاح سخن (جسمین حضرت شوق نے اپنی پندرہ سو غزلون پر قریب قریب کل مشاہیر شعرائے ہند کی اصلاحین جمع کر دی ہین) تبصرہ بھی فرمایا اور نمونتہً کی اصلاحون کے انتقادی نظرے، زندان تمنا، بیابان تمنا، والی غزل کا انتخاب کیا، یہ سلسلہ جنوری سے اپریل تک جاری رہا! مین نے اُسپر نظر انتقاد ڈالی، قصد تھا کہ یہ تبصرہ نیرنگ رامپور مین شائع ہو مگر یہ آرزو پوری نہوئی بالآخر مضمون میری کتاب کا آخری مضمون قرار پایا، مین نے حضرت ناطق کی عبارت حرف بحرف نقل کر دی ہے، تاکہ مبصر کی ورق گردانی ضروری نہ ٹھہرے، حضرت ناطق نے بصائر کے تحت مین اپنے معاصرین کے الفاظ وعبارات و مفاہیم وغیرہ کی غلطیان ظاہر فرمائی ہین، مین نے بھی یہی التزام کیا تھا، مگر کتاب کا حجم بڑھ جانے کے خوف سے صرف ایک مقام پر عبارات و معانی نقاد کی دلربائی دکھا دی ہے، اگر ضرورت ہوئی تو کل مضمون جو فلسکیپ کے ۱۱۶ صفحون پر ختم ہوا ہے شائع کر دیا جائیگا، اب مجھے حضرت ناطق کی نکتہ سنجیون پر نظر کرنی چاہیے، اسلیے کہ مین برابر آواز سن رہا ہون ع

بادہ در جوشش ست و رندان منتظر

بندۂ ناچیز

بیخود موہانی

ارشاد ناطق:-

تبصرہ اصلاح سخن

مولفہ

منشی عبدالعلی صاحب شوق سندیلوی

بصیر جنوری سنہ ۶
صفحہ ۲۳
کالم ۔ ۱
سطر ۱۔۱۰

دنیا مین اپنی نوعیت کی یہ پہلی تالیف ہے جس پر مین نقد و تبصرہ کا وہ اخلاقی فرض ادا کرتا ہون جو کہ مجھ پر مکرر سکرر فرمائشون سے عائد کیا گیا ہے اور جس نے میرے مضبوط ارادہ کو متزلزل کر دیا ہے کہ مین اردو شعر و شاعری پر نقد و تبصرہ نہ کرونگا۔ کیونکہ ہمارا ملک ابھی وہ علمی مراتب طے نہین کر سکا ہے کہ نقادان فن خلوص کے ساتھ شعرا کے حسن و قبح خدمت فن کیلیے پیش کرین اور اہل فن عگمین دآزردہ ہون، مگر مین شعرا کی طرف سے بھی اتنی وکالت ضرور کرونگا کہ اوسط درجے کے علمی لوگون نے محض اس زعم پر کہ وہ نقد کا پورا حق ادا کر دینگے شعرا کے کلام پر قلم اُٹھایا ہے اور کسی کو ذلت دی ہے کسی کو عزت، اس نفسانیت سے اُنھون نے اہل فن کو صدمات اور فن کو نقصانات پہونچائے ہین۔

بصیر جنوری سنہ
صفحہ ۲۳
کالم ۔ ۱
سطر ۱۳۔۲۰

نقاد کو منصف اور خالص ہونے کے علاوہ فاضل متبحر اور خود صاحب فن ہونا ضرور ہے۔ افسوس ہے کہ مین قابلیت کا ثبوت تو دے نہین سکتا مگر صداقت کا ثبوت یہ پیش کر سکتا ہون کہ جہان مین نے اور شعرا پر نکتہ چینی کی ہے اپنے عیوب بھی نظر انداز نہین کیے ہین۔

مبصر جنوری
سنہ ۲۹ء
صفحہ ۳۳
کالم - ۱
سطر ۱۴-۲۰
کالم - ۲
سطر ۱-۲

جناب شوق سندیلوی نے کتاب اصلاح سخن مین جسکو معرکۃ الآرا
کہنا چاہیے تمام اساتذہ شعرائے اردو سے اپنے کلام پر اصلاحین حاصل
کرکے جمع اور شایع کی ہین، درحقیقت ایک ہی چیز پر سب کی اصلاحین
حاصل کرنے کا کوئی اور طریقہ سوائے اسکے ممکن ہی نہ تھا کہ شوق نے
اپنی شاگردی کا باریک جال سب اُستادون کے لیے بچھادیا اور ہر شاعر
کو یقین دلادیا کہ وہ صرف اُسی کے شاگرد ہین، لیکن جب پندرہ بیس
غزلون کے بعد یہ خبرین پھیلنے لگین تو اُنھون نے ایکدم سے اُس
جال کو گھسیٹ لیا، اِس صیادی مین فکر اصلاح کے جسقدر طیور آسکے
دنیائے ادب کے عجائب خانہ مین پیش کردیے گئے۔

مبصر جنوری
سنہ ۳۱ء
کالم - ۲
سطر ۲-۲۰
صفحہ ۲۰
کالم - ۱
سطر ۱-۱۰

اس عجیب و غریب تالیف کے متعلق جسقدر ادبی و اعلیٰ خیالات
اِس تبصرہ کے ختم ہونے تک میرے ذہن مین آئینگے اور اُنسے کسی کو
فائدہ پہونچ سکے گا یا کوئی غلط فہمی رفع ہوسکے گی ہین ہدیہ ناظرین کرونگا
اصلاحون کو مؤلف نے جس طریقہ سے جمع کیا ہے وہ ایک
اخلاقی جرم اور ادبی احسان ہے اور اصلاحون کو جس طریقہ سے شایع
کیا گیا ہے وہ سلیقہ مندی کا بہترین نمونہ ہے، تغزل مین جتنے عناصر
ظاہری و باطنی ہوسکتے ہین اور جن مین سے بعض ادبی نکات ایسے
ہین کہ کبھی زبان و قلم سے ظاہر نہو سکے وہ سب اِس تالیف مین قدرتاً
جمع ہوگئے ہین، مثلاً زبان کے متعلق فصاحت و بلاغت کے
جتنے اقسام اور ہر قسم کے جتنے مراتب ہوسکتے ہین وہ تو ان چند غزلون

کی اصلاحون مین مجتمع ہین تخئیل کے جتنے پہلو ردیف وقافیہ سے مہیا ہوسکتے ہین وہ تو اس کتاب مین جمع نہوسے کیونکہ اُسکے لیے اس امر کی ضرورت تھی کہ ایک ہی قافیہ مین ہر شاعر کے اشعار ہوتے مگر ایک تخئیل کی محاکات جتنی صورتون مین ہوسکتی ہے اُنکا مجموعہ اس مین موجود ہے، اور جتنی تخئیل سے اجتماع محاکات زیادہ پُر لطف ہے شعر کے انداز بیان مین جتنے رنگ ہوسکتے ہین، اُن سب کی نیرنگیان اور بوقلمونیان اس کتاب کے علاوہ کسی گلدستہ مین کیا بلکہ بہارستان مین بھی جمع ہوتے نہین دیکھین، شعر کے اغلاط، عیوب، نکات، لطائف اور بیشمار تنوعات نظم و اسلوب بیان اس تالیف سے اخذ ہوسکتے ہین ۔ تمام دنیا کی شاعری کو اُردو شاعری نے اپنے جن قیود و شرائط سے گویا بے اصول ٹھہرادیا ہے اور اپنے آپ کو جن اُمور مین ممتاز کرلیا ہے وہ نہایت باریک اور لطیف مگر بیش قیمت دقائق اس کتاب مین شعرا کی اصلاحون سے مدون ہوگئے ہین، یہ اور ایسی تمام باتین ہین آئندہ مثال مین پیش کرونگا جن سے تنوعات شعری واضح ہوجائینگے۔

اہل فن کے متعلق مجھے یہ کہنا ہے کہ اکثر شعرا کو جناب شوق کی اس حرکت جامع الشرائط سے صدمہ پہونچا ہوگا۔ اسکے چند وجوہ ہین۔ جس شاعر کو یہ ذوق ہے کہ اُسکے تلامذہ کا دائرہ وسیع ہو (گو یہ اجتہادی غلطی ہو) اُسکے ان جذبات کو اس کتاب کے دیکھتے ہی صدمہ پہونچا

بصر جنوری ۱۹۱۲ع صفحہ ۲۴ کالم سطر ۱۱ تا ۲۵۔

ہوگا کہ شوق صاحب ایک عجیب الخلقت شاگرد کثیر الاستاد نکلے۔ مگر
ایک دوسرا رنج جو اس سے کہین زائد ہے وہ اسلیے اُنھین پہونچا کہ
کہین کہین وہ اصلاح دینے مین ناکام رہے ہین تاہم اس صدمہ کی تلافی
تو یون ہو گئی ہو گی کہ بعض جگہ وہ خاص طور پر کامیاب ہوئے ہین لیکن
فنیات کے اس اصول پر مجھے افسوس اور شعرا سے ہمدردی ہے کہ
رنج و خوشی ہونے کے بعد رنج کی حرارت غالب رہتی ہے، ان دونون
صدمات سے کہین زائد اثر بعض شعرا پر اُن کے خطوط شائع ہونیکا ہوا ہوگا
جس کی مختصر شرح نظم سے فراغت حاصل کرنیکے بعد ہو سکے گی۔ یہان
اتنا ضرور کہونگا، کہ مؤلف نے خطوط شعرا اور خصوصاً وہ عبارتین جو فن
سے تعلق نہ تھین بلکہ پرائیوٹ اور ذاتی ضروریات سے البتہ تھین،
شائع کر کے علمی فوائد مین کوئی اضافہ نہین کیا بلکہ اپنی بداخلاقی ستم ظریفی
کے لباس مین پیش کی ہے۔

التماس بیخود (۱) حرکت جامع الشر والخیر، ایسی ترکیبین مزاج اُردو کو سازگار نہین اسلیے
کہ اوّل و آخر کی عبارت یہ ہے " اہل فن کے متعلق مجھے یہ کہنا ہے کہ
اکثر شعرا کو جناب شوق کی اس حرکت جامع الشر والخیر سے صدمہ پہونچا ہوگا " پھر شر مین
(ر) کی تشدید بھی فصاحت کے کانون کو ناگوار ہے، حضرت شوق کا یہ فعل خیر ہی خیر
ہے، اس مین شر کا کہین نام نہین ، میرے نزدیک اخلاق شعرا کا درست ہونا
نہایت ضروری ہے اسلیے کہ وہ معلم اخلاق ہین۔ صرف اُن شاعرون کے متعلق تو ایسی
عبارتون کا شائع کرنا بداخلاقی ہے جنکی معاش کا ذریعہ شاعری ہے، باقی حضرات کے

متعلق اگر کوئی ایسی صورت ہو تو اُسکا اظہار صرف جائز ہی نہین واجب ہے۔

(۲) جناب ناطق پہلوے ذم اور الفاظ مکروہ کو خوب پہچانتے ہین ذرا ملاحظہ فرمائین کہ " اس حرکت سے " یہ ٹکڑا " صدمہ پہونچا ہوگا " ملکر کہین ذم تو نہین پیدا کرتا

(۳)، " اسکے چند وجوہ ہین۔ یہان زیادہ فصیح معلوم ہوتا ہے " یا اس کی کئی وجہین ہین "

(۴) چند وجوہ لکھنے کے بعد اول، دوم، سوم یا ۱، ۲، ۳ لکھنا چاہیے تھا۔

(۵) اکثر شعرا کو صدمہ پہونچا ہوگا " لکھ چکنے کے بعد جس شاعر کو یہ ذوق ہے کہ اُسکے تلامذہ کا دائرہ وسیع ہو لکھنا مناسب ہے کہ " جن شاعرون کو الخ "

(۶) کہ اُسکے تلامذہ کا دائرہ وسیع ہو " اس عبارت مین اُسکے زیادہ ہے۔

(۷) جس شاعر کو یہ ذوق ہے کہ اُسکے تلامذہ کا دائرہ وسیع ہو۔ اُس مین " اُسکے تلامذہ " کی جگہ " میرے تلامذہ لکھنا چاہیے۔

(۸) خطاے اجتہادی مشہور عام ہے۔ اسے چھوڑکر اجتہادی غلطی لکھنا پھر وہ بھی نثر عاری مین کہان تک قابل داد ہے۔

(۹) " اُسکے اِن جذبات کو صدمہ پہونچا ہوگا " اس مین جذبات سے پہلے " اِن " بالکل بیکار ہے بلکہ صاف کیون نہ کہدون غلط ہے۔

(۱۰) ایک عجیب الخلقت شاگرد کثیر الاستاد نکلے " یہان عجیب الخلقت لکھنا کہان تک بامعنی و برمحل ہے۔

(۱۱) " بیخ جو اس سے کہین زائد ہے، دو جملے دو سنیئیں ٹکرا رہی ہین (تنافر)

(۱۲) " صدمہ پہونچا ہوگا " لکھنے کے بعد ایک دوسرا بیخ جو اس سے زائد ہے

وہ اسلیے "انھین پہونچا" یہان "پہونچا ہوگا" لکھنا چاہیے۔

(۱۳) اگر "پہونچا" لکھا تھا تو "ناکام رہے" کافی تھا۔ "ناکام رہے ہین" لکھنا غلط ہے

(۱۴) تاہم کی جگہ لیکن چاہیے۔

تاہم = پھر بھی ۔ باوجود اسکے ۔ اسکے ہوتے ہوئے۔

(۱۵) اگر "رنج پہونچا" لکھا تھا تو اس ٹکڑے مین "ہوگئی ہوگی" لکھنا بے محل ہے صرف ہوگئی کافی تھا۔

(۱۶) "لیکن نفسیات کے اس اصول پر مجھے افسوس اور شعرا سے ہمدردی ہے"
سبحان اللہ عبارت اسکا نام ہے، انشا اسے کہتے ہین، واقعاً نفسیات کا یہ اصول ایسا ہی سقیم ہے کہ اُسپر جہان تک افسوس کیا جائے بجا ہے اس عبارت کو یون ہونا چاہیے تھا۔

لیکن نفسیات کے اس اصول پر کہ رنج اور خوشی ہونے کے بعد رنج کی حرارت غالب رہتی ہے۔ مجھے شعرا کی حالت پر افسوس اور اُنسے ہمدردی ہے۔

(۱۷) "اِن دونون صدمات سے کہین زائد اثر شعرا پر اُن کے خطوط شائع ہونے کا ہوا ہوگا"

"اِن دونون" ادھر "اور کہین زائد اثر" اِدھر بیچ مین "صدمات" کتنا بُرا معلوم ہوتا ہے اگر یہان صدمون لکھا جاتا تو مناسب تھا۔

(۱۸) صدمات سے کہین زائد اثر" اثر کی جگہ صدمہ لکھنا چاہیے۔

(۱۹) "اثر ہوا ہوگا" اگر صدمہ کی جگہ اثر لکھ گئے تھے تو ہوا ہوگا کے مقام پر "پڑا ہوگا" کہنا چاہیے تھا۔

(۲۱) "کہین زمانہ اثر بعض شعرا پران کے خطوط شائع ہونے کا ہوا ہوگا"

یہ زبان اہل زبان کی ہے یا فرنگیون کی (جسے حضرت نیاز افرنگی لکھکر بہت خوش ہوتے ہین) یا نئے تعلیم یافتہ لوگون کی جن کو اُردو یا ہندی نہین آتی۔ یا انگریزی اسکول کے بچون کی جو انگریزی عبارت کا ترجمہ یون کیا کرتے ہین "اُسنے کہا کہ اُسکے چار بچے ہین" ہم غریب اگلے زمانے والون سے تو آج تک اردو دوسے معلّے کا یہی فرمان ہے کہ یون لکھو:۔

اُسنے کہا کہ میرے چار بچے ہین۔

(۲۲) "یہان آنا ضرور کہونگا کہ مؤلف نے خطوط شعرا اور خصوصاً وہ عبارتین جو فن سے متعلق نہین بلکہ پرائیوٹ اور ذاتی ضروریات سے وابستہ تھین شائع کرکے علمی فوائد مین کوئی اضافہ نہین کیا، بلکہ اپنی بداخلاقی ستم ظریفی کے لباس مین پیش کی" سوال یہ ہے کہ جملہ کی یہ ترتیب انگریزی کی تقلید سمجھی جائے یا کچھ اور۔ اردو کے ادیب تو اسے یون لکھتے:۔

مؤلف نے خطوط شعرا اور خصوصاً وہ عبارتین شائع کرکے جو فن سے متعلق نہ تھین علمی فوائد مین کوئی اضافہ نہین کیا "الخ۔

(۲۳) "خطوط شعرا اور خصوصاً وہ عبارتین"۔ جب عبارتین (اردو کی جمع) لکھنا تھا تو خطوط شعرا کے محل پر شاعرون کے خط اور خصوصاً وہ عبارتین "الخ لکھنا چاہیے تھا کہ فصاحت کم ہوتی۔

(۲۴) یہان خصوصاً کو خاصکر سے بدل دیتے تو اور بھی اچھا ہوتا اسلیے کہ ثات کی

انگیا موج کی بخیہ مشہور شل ہے۔

(۲۵) خطوط شعرا کے شائع ہونے کو اس تعمیم کے ساتھ ممنوع قرار دینا لایعنی ہے، شاعرون کے خط شائع کرنا ضروری تھا؛ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کس شاعر کا انداز تحریر کیا ہے کس کی تحقیق کس پایہ کی ہے، نثر مین اُسکا پایہ پست ہے یا بلند، اور کون شاعر اُردو کی کونسی خدمت انجام دینے کا اہل ہے اور دنیا اُس سے کونسا کام لے سکتی ہے اور خود شعرا کو خوش اخلاقی اور فضائل انسانی کی طرف مائل ہونے کا موقع ملے۔

(۲۶) "پرائیویٹ اور ذاتی ضروریات" پرائیویٹ (انگریزی لفظ) لکھنا اور پھر جناب نقاد ایسے علمبردار اُردو کا نہایت عبرت انگیز ہے۔ میرے نزدیک صرف ایسے محل پر انگریزی الفاظ کا صرف جائز ہے جہان اُردو کے الفاظ ادائے مطلب مین قاصر ہون۔

(۲۷) "بلکہ اپنی بداخلاقی ستم ظریفی کے لباس مین پیش کی ہے" مین لکھ آیا ہون کہ حضرت شوق کا یہ فعل بداخلاقی نہین عین اخلاق ہے۔ کیا طبقۂ شعرا مین کچھ ایسے افراد نہین ہین جو شعر و سخن کی اس بے قدری اور ملک و قوم کی اس بے مائگی کی حالت مین کچھ ایسے مطالبہ کرتے ہین جو اُن پر کسی طرح زیبا نہین مثلاً سفرخرچ وغیرہ کے معاملہ مین کوئی فرسٹ کلاس کا ٹکٹ چاہتا ہے کوئی سکنڈ کا، کوئی ایسا کھانا مانگتا ہے جیسا محمد شاہ رنگیلے نے نادر شاہ کیلیے ترتیب دیا تھا وغیرہ وغیرہ۔

(۲۸) "بداخلاقی ستم ظریفی کے لباس مین پیش کی ہے" یہان ظاہر کی ہے لکھنا چاہیے تھا واد۔ جناب ناطق کا یہ فقرہ مجھے بہت پسند آیا "رنج از خوشی ہونے کے بعد رنج کی حرارت غالب رہتی ہے۔

ارشاد ناطق۔ قبل اسکے کہ اصلاحون پر نکتہ چینی ہو شعرا کی طرف سے

بُصر جوہری
سلسلہ

صفحہ ۲۲
کالم ۱
سطر ۱-۱۹

مجھے ایک خاص عذر پیش کرنا ہے۔ مذاق محاکات اور ذوق تخیل یا
انداز اصلاح ہر شاعر کا جداگانہ ہے، یہ تو معلومات علمیہ اور خصائص طبعیہ
کا ایک عام مسئلہ ہے۔ مگر ذاتی حالات شعرا کے یہ ہیں کہ دماغی محنت و غم
کی کثرت سے ادھر تو افکار معاش میں روز بروز اضافہ ہوتا رہتا ہے
ادھر بالخصوص قلبی و دماغی صحت خراب ہو جاتی ہے اسلیے اُن کی
فکر شعری ہر وقت یکساں نہیں ہو سکتی، کبھی اتنا موقع نہیں ملتا کہ شاگرد
کی غزل پر مکمل فکر کر سکیں کبھی طبیعت کسی کمزوری اور خرابی صحت کیوجہ
سے مانع ہوتی ہے۔ کبھی کاہلی یا عدیم الفرصتی کسی طرح اجازت نہیں دیتی
کہ اصلاح پر دماغ اور وقت کافی صرف کیا جائے بعض پر یہ نفسانیت
غالب ہو جاتی ہے کہ جو شاگرد ایک مرتبہ بھی اپنے نام کے ساتھ اُنکا اُستاد
ہونا ظاہر نہ کرے اُسکو وہ اپنا شاگرد ہی نہیں سمجھتے اور اسلیے اکثر معمولی
اصلاح دیدیا کرتے ہیں، اس قسم کے اسباب کی بنا پر میں یہ ضرور کہہ
سکتا ہوں کہ تمام شعرا مجموعی حیثیت سے اپنی اصلاحوں کے ذمہ دار نہیں
ہو سکتے لیکن اُس وقت البتہ قابل معافی نہ سمجھے جاتے جب اُنسے
یہ کہدیا جاتا کہ اور اساتذہ سے بھی اس غزل پر اصلاح لیجائے گی پھر اگر وہ
اصلاح دیتے تو اُسکے پورے ذمہ دار تھے۔ سُنا گیا ہے کہ ایک صاحب
کو عبد العلی شوق کے اس علمی فریب کی اطلاع تھی۔ اسلیے اُنھوں نے
اصلاح پر پوری قوت اور توجہ صرف کی ہے

اور اصل یہ ہے کہ اس کتاب کا یہ موضوع بھی نہ تھا کہ اساتذہ کی

اصلاحون پر نکتہ چینی کی جائے، بلکہ اُسکا اگر کوئی موضوع ہو سکتا ہے تو یہی کہ اردو تغزل کے تنوعات کا ایک شگفتہ باغ جس کی ہر روش کا ایک جُداگانہ رنگ ہے منظر مین لایا جائے۔ مگر اس باغبان نے بندیون کی راہ مین کانٹے بو دیے ہین کہ اب اگر کوئی شخص خط و کتابت کے ذریعہ سے شاگرد ہونا چاہے گا تو اکثر اساتذہ کانون پر ہاتھ دھرینگے ممکن ہے کہ رسل و رسائل سے تعلیم و تعلم بند یا کم ہو جائے۔

یہ فہرست جو مین نے اس کتاب کے نتائج کی مجملاً لکھی ہے اب اُسکی تشریح و تمثیل "اصلاح سخن" کی اصلاحون سے قلمبند کرتا ہون۔ ممکن ہے کہ اہل فن کے لیے مفید و دلچسپ ہو۔

کتاب مین سولہ غزلین ہین۔ ہر غزل پر تیس پینتیس شعرا کی اصلاحین ہین ہر اصلاح پر نقد و تبصرہ کیا جائے تو اصل کتاب سے بیس گُنا ہوگا۔ یہان نہ اسقدر طاقت ہے نہ فرصت بطور تمثیل اُس غزل پر تبصرہ کرتا ہون جو کتاب بھر مین ہر حیثیت سے بہترین غزل ہے۔ "ارمان تمنا، بیابان تمنا"

التماس بیخود:۔ اہل فن کا اس طرح ذکر کرنا بے ادبی و گستاخی ہے یہان طالبان فن لکھنا چاہیے تھا۔

کالم۔ ۲
سطر ۱۹ تا ۲۰
صفحہ ۳۵
کالم۔ ۱
سطر ۱ تا ۲

مجموعہ خودی
صفحہ ۳۵
کالم۔ ۱
سطر ۳ تا ۱۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ارشاد ناطق:۔

اب اپنا دل تنگ ہے زندان تمنا
(مطلع شوق) اللہ رے یہ جوش فراوان تمنا

مُبصر جنوری ۱۹۱۱ء صفحہ ۲۵ کالم ۱۰ سطر ۱۱-۱۴

اس مطلع کی تخیل شعری یہ ہے کہ تمناؤن مین اسقدر جوش ہوا کہ دل سی وسیع شے تنگ ہو کر اُن تمناؤن کے لیے زندان بن گی، شعر مین تین باتین اہم ہین۔ تنگی دل۔ اور اُسکا زندان بنجانا، اور تمناؤن کا جوش و خروش۔

توجیہات لفظی:۔ "اب" اسلیے ہے کہ پہلے دل زندان نہ تھا تمناؤن نے اسقدر پاؤن پھیلائے کہ دل تنگ ہو کر زندان ہو گیا

عیوب و شبہات:۔ دل تنگ فارسی ترکیب ہے، اور اہل فدن تنگدل بخیل کو کہتے ہین (محاورۃً) مگر لغۃً حقیقی معنی پر بھی شعرائے عجم نے دل عاشق کے لیے استعمال کیا ہے، خصوصاً حسرت و آرزو کے معاملات مین۔ ترکیب شعری ایسی واقع ہوئی ہے کہ دل تنگ کے زندان بنجانے کی علت جوش فراوان ٹھہرتی ہے اور یہ علت لازمی نہین ہے۔ "اب" بادی النظر مین برلے بیت معلوم ہوتا ہے اور اسی طرح دوسرے مصرع مین "یہ"۔

التماس بیخود۔ بیخود ناچیز تخیل شعر کے عیب و صواب کے متعلق اپنی رائے اپنی

صلاح کے موقع پر ظاہر کرے گا۔ ابھی جناب نقاد کے زاویہ نظر سے شعر کے محاسن ومعائب پر نظر کرنا مناسب نظر آتا ہے۔

نقد عیوب و شبہات۔ جب اساتذۂ عجم "دل تنگ" حقیقی معنی پر بھی استعمال کرتے ہین۔ جناب نقاد بھی اُسے تسلیم کرتے ہین۔ اُسکا استعمال اُردو مین بھی عام ہے اور اتنا عام کہ اُن کے شاگرد (شوق سندیلوی) بھی اُس سے واقف ہین تو کاغذ کو میرے نامۂ اعمال کی طرح سیاہ کرنے کی ضرورت نہ تھی۔

اب رہا شعر کی تخیّل کا عیب وہ مدیر مبصر کی غلط نگاہی پر دلالت کرتا ہے اسلیے کہ اُن کی تبصرہ مین یہ مفہوم بہ تغیر الفاظ کئی جگہ نظر آتا ہے

اسکا ماحصل یہ ہوا کہ جوش تمنا کے سبب دل تنگ زندان بنگیا ہے۔ اگر یہ امر لازمی ہوتا کہ جب کسی مکان کے مکین کو جوش فراوان ہو تو وہ مکان زندان بنجائے تو صلاح کی بالکل ضرورت نہ تھی۔

فارسی اور اُردو پر حضرت نقاد کا عبور

عبارت مذکورہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جناب ناطق نے جوش کی تصویر کا صرف ایک ہی رخ دیکھا ہے، بار بار لکھتے ہین کہ مکین کے جوش فراوان سے مکان کا زندان بنجانا سمجھ مین نہین آتا، اور سچ تو یہ ہے سمجھ مین آئے کیون کہ آپ جوش کے معنی صرف اُبلنا۔ جوش مارنا اور پھیلنا سمجھتے ہین۔ حالانکہ یہ لفظ اُردو اور فارسی مین کثرت اور ہجوم کے معنوں پر بھی آتا ہے۔ مین نکتہ سنجان ایران و ہند کے کچھ اشعار لکھتا ہون ۔

فصیح الملک مرزا داغ دہلوی

پھرتے ہین بیقرار بہت تیری آہ مین — کہتا ہے صاف صاف ہی جوش نقش پا

آسودگان خاک کی ٹھوکر کے ہین نشان — تیری گلی مین اور ہو یون جوش نقش پا

رونی نہین ہے آپ نے کیا قبر داغ کی — پھولون کی چادر دی ہے چھپا جوش نقش پا

ملک الشعرا مفتی امیر احمد مینائی لکھنوی

نسبت ہے راہ عشق سے احرام کو کیا — یان کثرت سجود ہے وان جوش نقش پا

فخر المتاخرین مرزا غالب

مدت ہوئی ہے یار کو مہمان کیے ہوئے — جوش قدح سے بزم چراغان کیے ہوئے

ہے جوش گل بہار مین یانتک کہ ہر طرف — اُڑتے ہوئے الجھتے ہین مرغ چمن کے پانو

جان معنی و جہان معنی ظہور الدین ظہوری

از جوش مشتری شده بازار رشک گرم — صد جنس شکوه ریخته پیش دکان من

شاید یہ کہا جائے کہ "فراوان" مقدار کے لیے مستعمل ہے نہ کہ تعداد کے لیے، اسلیے مُبلِّغ شیراز سعدی علیہ الرحمہ کے نغمہ کا اعادہ بے محل نہوگا ؎

چہ سالہاے فراوان چہ عمرہاے دراز — کہ خلق بر سر ما بر زمین بخواہد رفت

چنانکہ دست بدست آمدہ ست ملک بما — ق — بدستہاے دگر ہمچنین بخواہد رفت

اب یہ امر پایہ تحقیق کو پہونچ گیا کہ تخئیل شعر مین جو عیب نقاد لاثانی نے نکالا تھا اُسکا کہین وہم و گمان بھی نہین، اور بآسانی سمجھ مین آتا ہے کہ دل یون جوش تمنا (ہجوم تمنا) سے زندان بن سکتا ہے اور یہ علت غلت لازمی ہے یعنی جب کسی مکان مین اُسکی وسعت سے زیادہ مجمع ہوگا وہ مکان تکلیف کے اعتبار سے زندان بنجائیگا۔

ارشاد حضرت ناطق:- اصلاح کے اصول یہ ہین کہ مبتدیون کو صرف لفظی اصلاح دیجاتی ہے۔ یعنی لفظی غلطی درست کی جاتی ہے، اور

نُسخۂ جدید
سفینہ
صفحہ ۲۵
سطر ۱۰-۲۱

تخیل و مضمون کو ہاتھ نہین لگاتے تاکہ کئی فکرین جمع ہو کر مبتدی کو مشق نظم سے بھی محروم نہ کر دین لفظی غلطی نکلجانے کے بعد جب شاگرد کسی قابل ہو جاتا ہے تو بعض عیوب درست کر دیے جاتے ہین اور مضامین اُسوقت بھی بدستور چھوڑ دیے جاتے ہین، تاکہ وہ اپنے کثرت اغلاط سے گھبرائے نہین اور اُستاد کی افراط صلاح سے مایوس نہو، معمولی اور عیب دار شعر پر اکثر دل بڑھا دینے کے لیے صاد بنا دیا جاتا ہے مبتدی جسقدر ترقی کرتا ہے اُسیقدر اُستاد کی صلاح وسیع اور دقیق ہوتی جاتی ہے یہان تک کہ منتہی کی تخیل پر بھی صلاح دیجاتی ہے، کیونکہ جب یہ معلوم ہوجاتا کہ شاگرد بندش و نظم پر حادی ہوگیا تو ضرور ہے کہ جدت تخیل کی طرف توجہ دلائی جائے اور صحیح اور بے عیب الفاظ بھی اُس صورت مین بدل دیے جاتے ہین کہ جب وہ بے اثر ہون ایک اُستاد جب چند الفاظ منتہی کے یہان بدل دیتا ہے تو ایک عجیب تاثیر پیدا ہوجاتی ہے، ایسے تلامذہ کے یہان سے وہ اشعار قلمزد کر دیے جاتے ہین جو پامال مضامین کے ہون اور کوئی خاص بات اُن مین نہو لیکن یہی شعر مبتدی کے یہان خلعت صاد سے مخلع ہوتے ہین، آخر مین پھر شعر کا بنانا مشکل ہوتا ہے اور صرف انتخاب کر دیا جاتا ہے اس قسم کے اصُول اصلاح پر نظر کرنے کے بعد صلاحین دیکھنا اور اُنپر نقد و تبصرہ کرنا ایک نقاد کے لیے ضروری ہے۔

نتیجہ :- اصُول اصلاح کے متعلق صحیفہ ناطق کے آیات پر نظر کرنے کے بعد کہنا پڑتا ہے

کہ ان کے کہنے کی ضرورت نہ تھی، پست سے پست مرتبہ کا اُستاد بھی اِن سے واقف ہے اگر یہ گفتگو بے ہنگام چھیڑی تھی تو یہ ضرور بتا دینا تھا کہ خود جناب ناطق اپنے شاگرد (شوق مؤلف کتاب) کو مبتدی جانتے ہین یا کچھ اور، تو معلوم ہو سکتا کہ خود جناب نے یا شعرانے دل بڑھانے کے لیے صد بنائے ہین یا اُس کی بلند آہنگیون سے مرعوب ہو کر اکثر اساتذہ کرام کے والانامے تو یہی بتاتے ہین کہ وہ حضرت شوق کو نظر اُستاد شاگرد سمجھتے ہین اور بار بار مشورہ دیتے ہین کہ آپ کو کسی سے اصلاح لینے کی ضرورت ہی نہین اسپر خود "اصلاح سخن" شاہد ہے۔

اصلاح سخن صفحہ ۱۰۲ سطر ۵-۹

(۱) لسان العصر خان بہادر سید اکبر حسین صاحب مرحوم اکبر الہ آبادی کہتے ہین "یہ غزل (مطلع) ؎

یہ نشان پڑے گئے گم شدہ دیوانون کے
ٹکڑے کچھ آئے ہین صحرا سے گریبانون کے

نہایت عمدہ ہے، داد دیتا ہون، الفاظ سبک، بندش چست، قوافی مین احتیاط، خدا ایسی طبیعت مبارک کرے" (بقدر حاجت)

اصلاح سخن صفحہ ۱۰۱ سطر ۱۳-۱۰

(۲) سرمایۂ نازشعرائے لکھنؤ مرزا ثاقب قزلباش تحریر فرماتے ہین۔

"ماشاء اللہ دونون غزلین نہایت قابل تعریف ہین، میرا دل اُن کو دیکھکر نہایت خوش ہوا، یہ آپ کا واہمہ ہے کہ آپ محتاج اصلاح ہین، مین سچ کہتا ہون کہ ہرگز ایسا نہین ہے اور آپ نہایت خوب فرماتے ہین" (بقدر حاجت)

اصلاح سخن صفحہ ۱۰۶ ۱۰۰ سطر آخر و اول بترتیب

(۳) محسنی ابو المعظم نواب سراج الدین احمد خان صاحب سائل دہلوی فرماتے ہین
غزل طفوفہ مین نے دیکھی آپکے معاملہ مین سخت متحیر ہون آپ جیسا

خوش فکر ہو اس صلاح کیون کرتا ہے، مجھے معاف کیجیے گا، مین تو بارہا یہ خیال کرتا ہون کہ آپ کہین مجکو بناتے نہ ہون آپ کو ہرگز اصلاح کی ضرورت نہین۔"

اتنی مثالین مین نے لکھ دی ہین "اصلاح سخن" ابھی اور بہت سی مثالون کی گنجینہ دار ہے مگر ابھی یہ دیکھنا باقی ہے کہ خود حضرت ناطق جناب شوق کو بتدی سمجھتے ہین یا منتہی، اور اگر یہ بات خود اُن کے تبصرہ سے دکھائی جائے تو زیادہ مناسب ہے اسلیے کہ جو عبارتین اصلاح سخن مین درج ہین اُن کے متعلق وثوق کے ساتھ نہین کہا جا سکتا کہ ہر مقام پر دل کی ترجمانی کی گئی ہے۔ ممکن ہے کہین دل بڑھایا گیا ہو کہین طنز کیا گیا ہو کہین کچھ ہو کہین کچھ، لیکن جناب نقاد نے جو کچھ اپنے تبصرہ مین تحریر فرمایا ہے اُس مین ان احتمالات کی گنجائش نہین بلکہ وہ اُن کی بے لاگ اور سچی رائے ہے۔

مبصر کے چار ابتدائی پرچون مین یہ عبارتین نظر آتی ہین:۔

(شعر اوّل) ارشاد ناطق:۔

"واقعہ یہ ہے کہ مطلع مین کوئی ایسی غلطی نہین ہے کہ تمام شعرا اصلاح دینے پر مجبور ہوتے مگر بالکل بے عیب اور ناقابل ترقی بھی نہین ہے (بقدر ضرورت)

مبصر جنوری سنہ ۳۱ء صفحہ ۳۶ کالم ۔ ۱ سطر ۱۱-۱۲

شعر دوم:۔ تمنا کی تشبیہ ایوان سے دی گئی ہے اور یہی انتظام مصرعہ اولی مین رکھا گیا ہے، اس سلسلہ بیان سے شعر مین محاکات پیدا ہوگئی ہے۔ (بقدر ضرورت)

مبصر فروری صفحہ ۹ کالم ۔ ۱ سطر ۲۲

شعر سوم (ہچکی کی صدا سنکے مجھے دم آخر + ٹوٹا تھا یہ قفل در زندان تمنا)

ہچکی کی نقل سے بہترین تشبیہ ہے"

حضرت ناطق کی ان عبارتوں سے صاف ظاہر ہے کہ وہ حضرت شوق کو نہ مبتدی سمجھتے ہیں نہ سمجھ سکتے ہیں اسلیے کہ لفظی اصلاح الگ فرمائی ہے، معنوی عیوب الگ نکالے ہیں، کہیں تخئیل کی تعریف کی ہے، کہیں تشبیہ کی اور زور اور ادا یہ) کی بحث تو فیصلہ کن ہے، اسے دیکھ کر معلوم ہوجاتا ہے کہ حضرت شوق (یہ) کے صحیح محل صرف سے صرف واقف ہی نہیں بلکہ اُسکے استعمال پر بھی قادر ہیں جس سے اُن کے بارۂ اُستاد بقول نقاد بےخبر ہیں۔ تیسرے شعر (ہچکی کی صدا الخ) میں اصلاح کے وقت قلم تک نہیں لگایا۔ تنقید کے محل پر بھی صرف تحسین و داد پر اکتفا فرمائی ہے۔

مطلع مذکور ے

اب اپنا دل تنگ ہے زندان تمنا اللہ رے یہ جوش فراوان تمنا

ارشاد حضرت ناطق :۔ اس مطلع پر تیرہ شاگردوں نے کوئی اصلاح نہیں دی جیسا تھا ویسا ہی رہنے دیا ہے۔ آرزو لکھنوی۔ بیخود دہلوی جگر۔ جلیل۔ دل شاہجہان پوری۔ نہری۔ شہرت۔ صفی۔ عزیز۔ مضطر۔ مومن۔ یکتا نے م بنا دیا ہے اور مصرعۂ اولی کو تین شاگردوں نے برقرار رکھا ہے۔ سائل۔ نظم۔ وحشت ان حضرات نے مصرع ثانی

اصلاح دی ہے۔ پانچ شاگردوں نے صرف مصرعہ اولی پر اصلاح دی ہے اور مصرعۂ ثانی بدستور رکھا، اختر، بیباک۔ ناطق، نوح، نیاز فتحپوری۔ چار شاگردوں نے دونوں مصرعوں پر اصلاح دی ہے۔ احسن مارہروی، ریاض، افضل، باقی، شوق مرحوم

بصیر جنوری
صفحہ ۲۶ کالم ۱
سطر ۲۳۔۲۵
بصیر جنوری
صفحہ ۳۶
کالم ۱۰
سطر ۲۵۔۱
بصیر جنوری
صفحہ ۳۹
کالم ۲۰
سطر ۱۲۔۱

یون سمجھنا چاہیے کہ سولہ شاعرون نے کہین نہ کہین اصلاح دی ہے اور تیرہ نے بالکل اصلاح نہین دی۔

توجیہات اصلاح:۔ واقعہ یہ ہے کہ مطلع مین کوئی ایسی غلطی نہین ہے کہ تمام شعرا اصلاح دینے پر مجبور ہوتے، مگر بالکل بے عیب اور ناقابل ترقی بھی نہین ہے۔ مذکورۂ بالا سطور مین عرض کر چکا ہون۔ مصرع اولیٰ مین "اب" اور ثانی مین "یہ" حشو معلوم ہوتا ہے اگرچہ کچھ نہ کچھ معنی رکھتا ہے، مگر اہل فن چاہتے ہین کہ سامع کے خیال کو کسی عیب شعر کی طرف منتقل ہونے سے بچائین موجودہ زمانہ کی ترقی فن کی ایک منزل ہے۔ احسن نے اِس شعر کی کمزوری کو احسن طریقہ سے رفع کیا ہے۔

احسن:۔ الفت مین دل تنگ ہے زندان تمنا؛ اللہ رے مرا جوش فراوان تمنا۔

اِسی اصول پر ریاض نے بھی اصلاح دی ہے، پہلے مصرع مین "اب" کو نکالا ہے اور دوسرے مصرع مین "یہ" کو رہنے دیا۔ مگر ایسی بہتر تبدیلی کی ہے کہ "یہ" بجائے حشو معلوم ہونے کے بہترین لفظ بنگیا

ریاض:۔ اپنا ہی دل تنگ ہے زندان تمنا
اللہ یہ ہے جوش فراوان تمنا

نوح اور وحشت نے بھی اِس عیب کو نظر انداز نہین کیا:۔

اصلاح نوح:۔ پہلو مین دل اپنا ہے کہ زندان تمنا

وحشت نے مصرعۂ ثانی سے "یہ" کو نکال دیا اور ایسی خوبصورت تبدیلی کی کہ مصرعۂ اولیٰ کا "اب" اپنی روشنی دینے لگا۔

اصلاح مصرعۂ ثانی وحشت :- دیکھئے تو کوئی جوش فراوان تمنا

بیخود :- مطلع مین غلطی ہے اور ایسی کہ بیان کئے جانے کے بعد حضرت نقاد بھی انگشت بدندان اور سر بگریبان نظر آئینگے، اگر مصنف کے اصل شعر پر غور کرین تو کھل جائے کہ پہلے مصرعہ "اب اپنا دل تنگ ہے زندان تمنا" مین "اب" مقتضائے بلاغت کو پورا کر رہا ہے اسلیے کہ شاعر نے دل کو اول ہی سے تنگ مانا ہے اور اسلیے تنگ مانا ہے کہ ابتدائے محبت مین جب تمناؤن نے ہجوم کیا ہے تو اسکو خیال گزرا تھا کہ دل کی وسعت اس ہجوم کے لیے کافی نہوگی، جب عشق معراج کمال کو پہونچا تو پہلے جس مکان پر ہجوم تمنا کے لیے تنگ ہونے کا خیال تھا وہ زندان نظر آنے لگا۔

حقیقت یہ ہے کہ اسی "اب" اور "دل تنگ" نے ابتدائے عشق اور انتہائے عشق کے ہجوم تمنا کا فرق ظاہر ہوتا ہے اور یہی وہ الفاظ ہین جنسے تخیل کی محاکات وابستہ ہے یعنی بیان واقعہ، واقعہ نظر آنے لگتا ہے۔

عیوب لفظی و معنوی کے متعلق بیخود خاکسار کی رائے

میرے نزدیک شعر زیر بحث کے بعض عیب یہ ہین :-

مصرعہ اول "اب اپنا دل تنگ ہے زندان تمنا" روانی کے ساتھ پڑھا جائے تو "اب اپنا" مین "اب اپ" کا ٹکرانا مخل فصاحت ہے۔

(۲) اب اپنا مین الف کا گرنا اگرچہ غلط نہین مگر خانہ بر انداز فصاحت ضرور ہے اپنا سے اپن رہجاتا ہے

(۳) "اپنا" بھی حشو ہے کیونکہ قرینہ مقام حصر کرتا ہے کہ یہ حال اپنا ہی ہے۔
دوسرے مصرعہ میں "یہ" اشارہ قریب ہے جسکا اثر یہ ہے کہ سامع زیادہ متوجہ ہو جاتا ہے مگر "اللہ رے" کے بعد اسکا آنا چستی کی جگہ جھول پیدا کرتا ہے، بلکہ مجھے تو اسی میں تامل ہے کہ "اللہ رے" کے بعد ایسے محل پر "یہ" کا استعمال فصحا نے روا رکھا ہے۔

رہا "دل تنگ" اس میں نہ کوئی غلطی ہے نہ عیب، وجہ اب سے پہلے ظاہر کیجا چکی حضرت نقاد کی تسکین کے لیے میں انھیں کا ایک قول پیش کردوں جسے وہ جناب نیاز فتحپوری مدیر نگار پر ایراد کرتے ہوئے لکھ آئے ہیں۔

ایراد نیاز :- مصرعہ اول میں فراوانی تمنا کا کوئی ثبوت نہیں ہے، اگر دل تنگ زندان تمنا ہو گیا تو اس سے جوش فراوان تمنا کیونکر ثابت ہوا"

رد ایراد از ناطق :- حضرت نیاز کی عبارت سے دو نتیجہ نکلتے ہیں۔ یا تو سمجھنے میں اُن کو غلط فہمی ہوئی، یا اپنے مافی الضمیر کو ضروری الفاظ میں ادا نہ کر سکے، اُن کے پہلے فقرہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ عاشق سے فراوانی تمنا کا ثبوت مانگتے ہیں گویا ایک عجیب بات ہے

(۲) جوش فراوان تمنا اگر دعوی ہوتا تو ثبوت کا محتاج نہ تھا، کیونکہ تمناؤں کی فراوانی اور اُن کے لوازم کا عاشق کے دل میں موجود ہونا بدیہی ہے؛

(حاشیہ: معہ جنوری صفحہ ۴۹ کالم ۲ سطر ۱۰)

(حاشیہ: معہ جنوری صفحہ ۴۹ کالم ۲ سطر ۱ - ۲۰)

اس ایراد سے ظاہر کہ حضرت ناطق عاشق کے دل میں فراوانی تمنا کو مسلم سمجھتے ہیں۔ جب یوں ہے تو ابتدائے محبت ہی میں کیسکو ہجوم تمنا پر نظر کر کے اپنا

دل تنگ نظر آئے تو کوئی استبعاد لازم نہین آتا۔

اب مین حضرت احسن، ریاض و نوح و وحشت کی اصلاحون پر نظر کرتا ہون۔

احسن:۔ الفت مین دل تنگ ہے زندان تمنا۔

یہان "الفت مین" کا ٹکڑا بےکار ہے۔ اسیلیے کہ غزل کے شعر مین اسکا اضافہ خاصکر ایسی حالت مین کوئی معنی نہین رکھتا، جب اُس کی صورت حال خود پکار ہو کر واردات عشق کی مرقع کشی کیجا رہی ہے، علاوہ اسکے "دل تنگ" اس مین بقول ناطق بےکار ہے۔ وہ ابھی تک نقادون کا قافیہ تنگ کرنے کے لیے موجود ہے۔ یہ ضرور ہے کہ "یہ" کو نکالکر "اللہ رے مرا جوش فراوان تمنا" کہنے سے مصرعہ کا جھول نکل گیا۔

رہی جناب نوح کی اصلاح "پہلو مین دل اپنا ہے کہ زندان تمنا" اس مین "پہلو مین" اور "اپنا" زائد ہین

اسکے سوا یہ کون کہہ سکتا ہے کہ ان بزرگون نے "اب" کو نکالا ہے یا "آپ" کو، مزے کی بات یہ ہے کہ لفظ "تنگ" کو حضرت ناطق بیکار اور عیب دار بتا آئے ہین، مگر حضرت احسن کی اصلاح مین اُن کو صرف یہ نظر آیا کہ "اب" کو احسن طریقہ سے نکالا ہے، باقی "تنگ" کا عیب حضرت نقاد کے اعتقاد کے اعجاز سے خود بخود نکل گیا۔

حضرت ریاض کی اصلاح بھی دل کو نہین لگتی، کہنا تو یہ تھا کہ اللہ اکبر یہ جوش فراوان تمنا کہ دل اُن کے لیے تنگ ہو کر زندان بن گیا، اور کہا یہ کہ "اپنا ہی دل تنگ ہے زندان تمنا" اِس مین ہی کی لطافت میری سمجھ مین نہین آتی۔

حضرت وحشت کی اصلاح

اب اپنا دل تنگ ہے زندان تمنا
دیکھے تو کوئی جوش فراوان تمنا

اس مین دوسرے مصرعہ کا یہ ٹکڑا " دیکھے تو کوئی " موتیون مین تُلنے کے قابل ہے ، مگر پہلا مصرعہ شرمندہ احسان فصاحت نہوا ۔

ارشاد ناطق :" تقریباً تمام اصلاحین کسی نہ کسی خوبی کا اضافہ ضرور کرتی ہین ۔ اور اس شعر مین دو ہی قسم کے عیب ہین ۔

(مبصر جنوری صفحہ ۳۶ کالم ۲ سطر ۱۳-۱۴)

لفظی عیب :۔ اب اور یہ کا بیکار ہونا

معنوی عیب :۔ مصرعہ اولیٰ مین لفظ تنگ کوئی خاص معنی نہین دیتا ۔ اور دل تنگ کے زندان بنجانے کی علت لازمی اور دلیل مسلم جوش فراوان نہین ہوسکتی ۔

التماس بیخود :۔ اس قول مین تین باتین غلط ہین اور ایک صحیح ۔ " اب " اور " دل تنگ " شعر کے ضروری اجزا ثابت کئے جاچکے ۔ جوش تمنا سے دل تنگ کا زندان بنجانا اب محتاج ثبوت نہین رہا ۔ ہان " یہ " ضرور بیکار ہے ۔

ارشاد ناطق :۔ حشو و زوائد سے بچانے کے اصُول پر اصلاح دینے والون کی تفصیل علاوہ احسن و ریاض و نوح جنکا ذکر اوپر ہو چکا ہے حسب ذیل ہے

(مبصر جنوری صفحہ ۳۶ کالم ۲ سطر ۱۵-۲۴)

اطہر مصرعہ اولیٰ ۔ اپنا ہے دل تنگ کہ زندان تمنا

مصرعہ اولیٰ سے " اب " نکل گیا

التماس بیخود :۔ " اب " تو ضرور نکل گیا ، مگر مصرعہ مین کوئی لطافت نہ پیدا ہوئی

مبصر جدی
سلسلہ
صفحہ ۲۶
کالم - ۲
سطر ۲۲-۲۵
صفحہ ۳۰
کالم سطر ۱

اپنا حشو تھا حشو ہی رہا۔

تیا ایک مصرعہ اوّل

دل رہ نہ سکا ضبط میں زندان تمنا

ناطق ۔"اب" اور "تنگ" دونون نکل گیا (گئے)

بیخود ۔ اب شعر کا مفہوم یہ ہو گیا کہ باوجود ضبط آرزوئین زندان دل کو توڑ کر نکل گئین۔

مبصر جدی
سلسلہ ۶۲۹
صفحہ ۳۰
کالم - ۱
سطر ۳۰

شوق قدوائی ۔ پھر میرا دل تنگ ہے زندان تمنا
قربان ترے جوش فراوان تمنا

ناطق ۔"اب" اور "یہ" دونون نکل گئے۔

بیخود ۔ پھر کی لفظ بتاتی ہے کہ ایسا پہلے بھی ہو چکا ہے، دوسرے مصرعہ کی اصلاح لاجواب ہے۔ اگر اللہ رے سے تعجب کی شان نکلتی ہے تو "قربان ترے" سے عاشقانہ آن نکلتی ہے

مبصر جدی
صفحہ ۳۰
کالم - ۱
سطر ۵-۱۱

ناطق ۔ ان اصلاحون مین اور خوبیان بھی پیدا ہو گئین، مگر مین اصول اصلاح کی صرف ایک ہی چیز مثالاً پیش کر رہا ہون تاکہ لوگون کو معلوم ہو جائے کہ بالعموم تمام شعرا کی اصلاح کسی نہ کسی اصول کے ماتحت ہوتی ہے۔

بیخود ۔ خدا جانے یہ کونسا راز سربستہ تھا۔ جاہل سا جاہل شخص بھی اگر دیوانہ نہین ہے تو جانتا ہے کہ اصلاح شعر کیا دنیا کا ہر کام کسی نہ کسی اصول کے ماتحت ہوا کرتا ہے۔

مبصر جدی
سلسلہ ۶۲۹

ارشاد ناطق ۔ دوسرا عیب جو اس شعر مین معنوی ہے وہ یہ ہے

صفو - ۳۰
کالم - ۱
سطر ۱۲ تا ۲۱

کہ مصرعہ اولی مین یہ دعوی ہے کہ دل تنگ زندان تمنا ہے، اور دوسرے مصرعہ کا یہ مفہوم ہے کہ اللہ اکبر یہ جوش فراوان تمنا، مطلب یہ ہوا کہ اسقدر جوش تمنا ہے کہ دل تنگ زندان بن گیا ہے، اگر یہ امر لازمی ہوتا کہ جب کسی مکان کے مکین کو جوش فراوان ہو تو وہ مکان زندان بنجائے تو اسپر اصلاح کی بالکل ضرورت نہو تی۔ اور اگر تمنا کے جوش فراوان سے یہ مفہوم تسلیم کرلیا جائے کہ تمنائین اسقدر وسیع ہوگئین کہ دل سی وسیع شے تنگ ہوکر زندان بن گئی تو شعر صحیح ہوسکتا ہے، مگر کلام کا حسن نہین ہے کہ ایک پہلو سقیم ہو اور دوسرا صحیح "

التماس بیخود۔ یہ عیب معنوی جناب نقاد کے واہمہ کی خلاقی کا آئینہ دار ہے مین لکھ آیا ہون کہ یہان جوش کے معنی ہجوم کے ہین

معیار خودی ۱۹۱۲ء
صفو - ۳۰
کالم - ۱
سطر ۲-۲۵
کالم - ۲
سطر ۱-۲۵
صفو ۳۰
کالم - ۱
سطر ۱-۳

ارشاد ناطق:۔ "کلام صحیح یعنی معنی دار بلحاظ تخیل و محاکات دو بڑی قسمون مین منقسم ہے (۱) سادہ (۲) پرمعنی۔

سادگی یہ ہے کہ مفہوم صاف ہو اور الفاظ مطبوع، ترکیب کلام و ترتیب بیان دلکش و پرتاثیر۔

پرمعنی یہ ہے کہ الفاظ کم ہون معنی زیادہ۔ محذوفات و مقدرات جسقدر ہون سب لازمی ہون۔

معنی خیز اشعار مین اور بہت شرائط ہین سب کے سب لکھنے کی ضرورت نہین، مین صرف اس طرف توجہ دلانا چاہتا ہون کہ یہ مطلع نہ تو یقینی طور پر غلط ہے نہ بے عیب ہے۔ اگر غلط ہوتا سب اصلاح دیتے،

بے عیب ہوتا تو کوئی اصلاح نہ دیتا، یا بہت کم دیتے۔ ایک بات یہان اور ظاہر کرنے کی ضرورت ہے، وہ یہ کہ جو شعر سہل ممتنع ہو اُسکے علاوہ کوئی شعر ایسا نہین ہو سکتا کہ اُس مین تبدیلی اور ترقی کی گنجائش نہو کیونکہ قدرت نے شعر کی خوبیون کی کوئی انتہا نہین رکھی جس طرح شطرنج مین فکر کی کوئی حد مقرر نہین ہے اور صدہا چیزین دنیا مین ایسی ہی ہین، بلکہ کسی فن کے کمال کی کوئی حد مقرر نہین کی گئی۔ اصلاح اگر بہتر ہو اظہار کمال ہے اور اگر نہو ا بشرطیکہ شعر صرف عیب دار ہو غلطی کی حد تک نہ پہونچے تو اصلاح دینے والے پر کوئی جرم نہین۔

شاعر قدرتاً آزاد طبع اور نازک مزاج ہوتا ہے، تنخواہ پانے کے بعد بھی ملازم نہین ہوتا جب چاہتا ہے کاہلی اور بے پروائی کرتا ہے جب دل مین آجاتا ہے شاگرد کے ایک شعر پر اتنی فکر کرتا ہے کہ اپنی ایک غزل پر اتنی محنت نہین کرتا، پھر اسکے علاوہ اور بہت وجوہ ہین بعض کو مین اوپر لکھ چکا ہون۔ مثلاً یہ کہ شاگرد کو مبتدی سمجھکر بہت سی اصلاحین چھوڑ دی جاتی ہین اور عمداً چشم پوشی کی جاتی ہے بلکہ دل بڑھانے کے لیے صحیح بنا دیا جاتا ہے، جیسا کہ مشاعرہ مین اخلاقاً واہ واہ کر دی جاتی ہے۔ افسوس ہے کہ اس رواج سے باوجود سخت نقصان ہونیکے کوئی صورت اسکے مٹانے کی نہین نکل سکتی، ایک ادنیٰ نقصان اسکا یہ ہے کہ بہت سے جاہل اور ناواقف بعض ایسے اشعار پر مشاعرہ مین چھینٹین اُڑاتے ہین جو بالکل بے معنی اور مہمل ہوتے ہین اگر اُن سے

پوچھا جائے کہ مطلب کیا سمجھے تو کچھ ہرگز نہین بتا سکتے، مگر شعر کی شوکت و شان اور لفاظی کا وقار اُنھین مغالطہ دیتا ہے اور اساتذۂ تہذیباً تعریف کر دیتے ہین، محض اِس خیال سے کہ دلشکنی نہو، مگر اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ملک مین بے معنی اور سراپا غلط اشعار کا مذاق پھیلتا جاتا ہے۔ کاش شعرا کی ایک کانفرنس ہوتی اور وہ اُسکی اصلاح کرتی۔

اِس تبصرہ سے میرا مقصد صرف یہی نہین کہ شوق کے اشعار اور اُن کی اصلاح تک محدود رکھون بلکہ فن اور اہل فن سے جو عام اُمور متعلق ہین اُن پر بھی اساتذۂ فن کو توجہ دلانا چاہتا ہون، جناب شوق بعض اساتذہ کے ص بنا دینے اور شعر کے اصلاح سے محفوظ رہنے پر اپنے دیباچہ مین شاید فخر یہ ظاہر کر رہے ہین کہ اُن کا کوئی شعر غلط ہی نہ نکلے گا، کیونکہ ہر شعر پر کسی نہ کسی نے ص ضرور بنایا ہے۔

صلاح نہ دینے کے وجوہ اگر وہ غور سے پڑھینگے جو کہ مین نے عرض کئے ہین تو غالباً اُس تفاخر مین تذبذب ضرور (پیدا) ہوجائے گا۔"

التماس بیخود۔ ۔ مجھے نہایت افسوس ہے کہ جناب نقاد شعر تو شعر نثر کے سمجھنے کی بھی کوشش نہین فرماتے۔ آپ شوق کی عبارت پر تفاخر کا گمان کرتے ہین حالانکہ یہ اُن کی ستم ظریفی ہے اور دل کو لہو کر دینے والی شماتت، اسکا مطلب یہ ہوا کہ شعر غلط ہو یا صحیح ص بنا دینے والون کی کمی نہین ہے۔

بابت جنوری ۱۹۱۶ء
صفحہ ۳۰
کالم ۱
سطر ۱۱-۲۵
کالم ۲
سطر ۱

ارشاد ناطق:۔ اِن وجوہ کے علاوہ ایک اور بھی گزارش کرنا پڑی، وہ یہ کہ سب شعرا قابلیت، علم، تحقیق اور واقفیت فن مین برابر نہین پھر اصلاح دینے کا سلیقہ ایک جُداگانہ چیز ہے، یہ ضرور نہین کہ ہر عمدہ شعر کہنے والا اصلاح دینے مین بھی کامل ہو۔ مین یہ اسلیے یاد دلا رہا ہون کہ اگر اپنے تبصرہ مین کسی شاعر کی اصلاح پر سختی سے نکتہ چینی کرون، (جس سے میرا نصب العین لطائف و نکات فن کا اظہار ہوگا) اُس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ وہ شاعر بحیثیت شاعر کمزور ہے، اغرضکہ شوق کا مطلع تخیل کے لحاظ سے بے عیب نہین ہے اور جو عیب ہے وہ قریب قریب تمام شعرا نے اُسی نقطہ نظر سے اصلاح دی ہے۔ اِس شعر کو نظر مین رکھیے۔

شوق اب اپنا دل تنگ ہے زندان تمنا
اللہ رے یہ جوش فراوان تمنا

اصلاح باقی مدت سے دل تنگ ہے زندان تمنا
پھر بھی نہین کم جوش فراوان تمنا

"اب" اور "یہ" بھی نکل گیا، اور وہ بھی عیب نہ رہا کہ جوش فراوان زندان ہونے کی علت لازمی نہ تھی۔"

بیخود:۔ اب شعر کا مطلب یہ ہوگیا کہ اگرچہ تمنا ایک مدت سے دل تنگ مین قید ہے، مگر اُسکا جوش و خروش ہے کہ کسی طرح کم ہونے کا نام ہی نہین لیتا یعنی یہ وہ قیدی ہے کہ زندان بھی اُس کی وحشت کا علاج نہو سکا، حالانکہ مصنف یہ کہتا تھا کہ

تمناؤں نے اسقدر ہجوم کیا کہ دل تنگ اُن کے لیے زندان بن گیا۔ صورت موجودہ مین "اب" نکل گیا تو کیا اور "یہ" نہ رہا تو کیا، اِس طرف بھی نگاہ التفات نفرمائی گئی کہ حضرت باقی نے "دل تنگ" کو شعر سے نہین نکالا بلکہ اُس کو بنائے تخیل قرار دیا۔

مین نے حضرت باقی کی صلاح کے متعلق پہلے اظہار خیال کیا، اسلیے کہ پھر یہ مرحلہ دور جا پڑتا۔

آپ شعر زیر بحث مین "اب" کو کسیقدر بیکار بتاتے ہین، حالانکہ اُسکا برمحل ہونا، دکھایا جاچکا۔ آپ لفظ "تنگ" کو برائے بیت سمجھتے ہین، مگر جس طرح دل تنگ تکمیل محاکات کی ابتدا کرتا ہے اُسی طرح "اب" درمیانی اور "زندان" آخری مرحلہ کو طے کرتا ہے یعنی دل جو پہلے سے تنگ تھا اب افزائش تنگی کے سبب سے زندان بن گیا ہے۔

صلاح نظم طباطبائی

معیار جنوری صفحہ ۳۰ کالم ۲ سطر ۱۰-۴

اب اپنا دل تنگ ہے زندان تمنا

اور جوش جنون سلسلہ جنبان تمنا

ارشاد ناطق:- تخیل کا عیب نکل گیا۔

التماس بیخود:- جناب نظم نے اُس عیب کو نکالا جو حقیقت مین تھا، اسلیے کہ اب یہ ایسے شخص کی حالت ہے جسپر اکثر جوش جنون طاری رہتا ہو، اور کبھی کبھی ہوش مین آئے، جب کچھ حواس درست ہوئے ہین تو کہتا ہے ؎

اب اپنا دل تنگ ہے زندان تمنا — اور جوش جنون سلسلہ جنبان تمنا

اس اجمال کی تفصیل آگے آئے گی۔

جناب طباطبائی نے جوش جنون کا ٹکڑا ایسا رکھدیا ہے کہ اُس کی داد نہ دینا ظلم ہے، شاگرد (شوق) کی تخئیل صرف اتنی تھی کہ اللہ اکبر یہ جوش فراوان تمنا کہ دل تنگ اُسکے لیے زندان بن گیا ہے، لیکن جوش جنون کا تقاضا اور کوشش یہ ہے کہ گھر میں جگہ ہو یا نہ ہو، ازدحام تمنا بڑھتا ہی جائے۔ جناب نظم نے دوسرے مصرعہ میں جنون کے تقاضائے صحیح کو نظم کیا ہے یعنی جنون کو احکام عقل سے کوئی سروکار نہیں اور واقعہ یہ ہے کہ اپنے مفہوم کے ادا کرنے کے لیے نہایت مناسب الفاظ جمع کئے ہیں مثلاً :۔ دل تنگ، زندان، جنون، سلسلہ۔

مگر یہ ضرور ہوا کہ شاگرد کے خیال کی رو بدل گئی۔ وہ تمناؤں کی کثرت پر اپنا تحیر ظاہر کر رہا تھا اور جناب نظم تقاضائے جنون کی مرقع کشی فرما رہے ہیں۔

بصیر جنوری صفحہ ۳۰ کالم ۲ سطر ۸

اصلاح نیاز

دل شق ہوا وا ہو گیا زندان تمنا

اللہ رے یہ جوش فراوان تمنا

ارشاد ناطق :۔ مصرعہ اولیٰ بدل دیا اور جوش کا صحیح معلول و نتیجہ اُس میں نظم کر دیا، اب وہ عیب نہ رہا۔"

التماس بیخود :۔ حضرت نیاز نے مصنف کی مراد کے خلاف پہلا مصرع بدل دیا، اور اب شعر کے یہ معنی ہوئے کہ دل میں تمنا دیوانہ کی طرح قید تھی آخر اُسنے وہ جوش و خروش دکھایا کہ خانہ دل شق ہو گیا اور وہ آزاد ہو گئی یعنی اللہ رے جوش کہ دیوار کو در بنا دیا۔

"شق ہو گیا" میں شق کی لفظ سے جوش و خروش کی ترجمانی ضرور ہوتی ہے مگر مصنف کی تخئیل بدل گئی اسکے ماورا "یہ "کا پیدا کیا ہوا جھول بھی نہ نکلا" اور "شق ہوا

مین شق کی ہیبت ناک اور وا ہوگیا مین "وا" کی نرم آواز نے توازن صحیح قائم نہ رہنے دیا، اور اس بے ہنگام زیر و بم سے ترنم کو جان دیتے بن پڑی۔ شق ہوا" اور "وا ہو گیا" مین الف کا دبنا بھی ایسا ہے کہ فصاحت کانون پر ہاتھ رکھتی ہے۔

اصلاح ناطق :۔ اب دل نظر آتا ہے بیابان تمنا
الله رے یہ جوش فراوان تمنا

میعرجنوری ۱۹۱۱ء
صفحہ۔ ۳۰
کالم۔ ۲
سطر۹۔ ۱۱

ارشاد ناطق :۔ اس مین بھی جوش فراوان کا اقتضا صحیح نظم کیا گیاہے؟

التماس بیخود :۔ حضرت ناطق کی یہ اصلاح اگر اصلاح کہی جا سکے تو یہ ماننا پڑیگا کہ جناب موصوف نے پہلے مصرع کو فصاحت و روانی کے قالب مین ڈھال دیا ہے مگر مصیبت یہ ہے کہ شعر مین الفاظ کی فصاحت و سلاست کے ساتھ ساتھ بلاغت معنوی کی بھی ضرورت ہے، اب دیکھنا چاہیے کہ اصلاح سے شعر ہی بن گیا ہے یا کچھ اور۔

مین تین صورتون سے شعر کا مطلب کہنے کی کوشش کرتا ہون، اہل نظر ملاحظہ فرمائین کہ کسی طرح معنی کی کل سیدھی ہے یا نہین

شعر کی موجودہ صورت :۔ ؎

اب دل نظر آتا ہے بیابان تمنا الله رے یہ جوش فراوان تمنا

پہلی صورت :۔ اللہ اکبر یہ جوش فراوان کہ دل اب تمناؤن کا جنگل نظر آتا ہے، اس طرح معانی کی چول بیٹھ سکتی ہے۔

جناب مرزا اوج مرحوم جانشین حضرت دبیر اعلی اللہ مقامہ فرماتے ہین ؎

اس اُجڑے پن پہ بھی اے لکھنؤ کیا بات ہے تیری
سب اُردو کے معنے کے تجھے جنگل سمجھتے ہین

مگر جناب ناطق کی اصلاح مین اس مطلب کو دو امر مانع ہین :-

اوّل حضرت ناطق کو جوش و ہجوم کے مترادف ہونے کا علم ہی نہین اسلیئے اُن کی اصلاح مین یہ معنی لینا غلطی ہے۔

دوم۔ بیابان دشت بے آب وگیاہ کو کہتے ہین اسلیئے یہ لفظ نہ جنگل کا بدل ہوسکتا ہے نہ کثرت کے معنی دے سکتا ہے۔

دوسری صورت۔ لفظ جوش کے سہارے پر یون معنی کہے جاسکتے ہین کہ اللہ اکبر یہ جوش تمنا کہ بیابان دل کی وہ حالت ہو رہی ہے جیسے بیابان کی ہو جبین سیل آئی بلکہ چھائی ہو یعنی جس طرح سیلاب آنے پر تمام بیابان عالم آب نظر آتا ہو اُسی طرح دل بھی عالم تمنا نظر آتا ہے۔ مگر صرف لفظ بیابان یہ معنی نہین دیتا اور شعر ادائے مطلب مین قاصر ہے۔

تیسری صورت۔ شاعر نے تمنا کو ایسا تودہ خاک (ریگ) فرض کیا ہے جو زمین دل کے کسی گوشہ مین تھا، اور جوش فراوان کو طوفان باد مانا ہے۔ اس آندھی نے تمنا کے تودہ کو یون منتشر کیا کہ ریگ تمنا بیابان دل کے گوشہ گوشہ مین پھیل گئی، یعنی اب دل مین جدھر نظر جاتی ہے تمنا ہی تمنا نظر آتی ہے، لیکن یہ معنی اسلیے نہین کہے جاسکتے کہ شعر مین کوئی اشارہ ایسا نہین جس سے معلوم ہو کہ شاعر نے تمنا کو تودہ ریگ بیابان اور جوش فراوان کو طوفان باد فرض کیا ہے، صرف جوش اور بیابان کا رابطہ ضعیف اتنے معانی کا لنگر نہین اُٹھا سکتا۔

قصہ مختصر یہ کہ شاگرد کا شعر اگرچہ فصاحت سے شرمندہ تھا مگر بلاغت کے منہ سے سرخرو تھا۔ اُستاد (حضرت ناطق) کی صلاح لفظی حیثیت سے دیکھی جائے تو معلوم ہو کہ دوسرے مصرعہ مین "یہ" کا جھول جیسا تھا ابتک باقی ہے اور شعر معنی کی طرف سے بالکل بے نیاز ہو کر رہ گیا ہے، یہان مجھے حضرت ناطق کا یہ قول بے اختیار یاد آتا ہے۔

قول ناطق:- یہی اصول تمام معنی بند اشعار کا ہے کہ دونون مصرعون کے درمیان کچھ الفاظ محذوف ہوتے ہین جو کہ الفاظ سے لزوماً پیدا ہوتے ہین اور وہی باعث ربط ہوتے ہین جو اس فلسفہ سے واقف نہین ہین اور اس رنگ کو (کیا خوبصورت لُردو ہے) کہتے ہین اُن کے کلام کا اکثر حصہ مہمل ہوتا ہے۔"

مبصر فردی سنہ ١٩١٤ء صفحہ ١٢ کالم ٢ سطر ٢٢ تا ٢٥

مین دکھا چکا کہ شعر ادائے مطلب مین قاصر ہے لیکن تھوڑی دیر کے لیے مانے لیتا ہون کہ شعر کا وہی مطلب ہے جو مین نے تیسری صورت مین بیان کیا ہے پھر بھی اُس مین اتنے عیب موجود ہین۔

(١) حضرت ناطق نے شاگرد کی تخئیل بدل دی اور اگرچہ شعر کی بنیاد جوش فراوان ہی پر رکھی، لیکن مدعا شاگرد کو نہ سمجھکر۔ اُسکے شعر مین جوش ہجوم کے معنون پر تھا اور ہجوم سے وہ ذی روحون بلکہ انسانون کی تصویر دکھا رہا تھا۔ جناب ناطق نے ذرون کے بکھر جانے کی کیفیت دکھائی۔ سامع کے لیے جتنا اثر شاگرد کے مرقع مین تھا وہ اِسمین باقی نہ رہا۔ اور قابل افسوس ہے یہ امر کہ تخئیل کا بدلنا بر بنا علم و تحقیق عمل مین نہین آیا۔

(٢) "یہ" کا جھول بحالہ قائم ہے۔

(٣) اب۔ دل تنگ۔ زندان جو تخئیل مصنف کے ضروری اجزا ہی نہ تھے بلکہ

تکمیل محاکات بھی اُنھین کے دم قدم سے وابستہ تھی، اصلاح کی آندھی مین اُڑ گئے۔

(۴) یہ شاگرد کے شعر کی اصلاح نہین اپنی طرف سے ایک شعر فرما دیا ہے۔

(۵) "اب دل نظر آتا ہے بیابان تمنا" اس مین "نظر آتا ہے" کے ٹکڑے سے مصرع مین روانی تو ضرور پیدا ہوگئی، مگر تمنا ؤن کے جوش مین کمی نظر آنے لگی۔ اسلیے کہ نظر آنے اور درحقیقت موجود ہونے مین بڑا فرق ہے۔

(۶) آندھی کی پیدا کی ہوئی صورت کا ہمیشہ قائم رہنا بھی غیر ممکن ہے اسلیے جوش تمنا مین دوام کی صورت نہین نکلتی۔

بصر جنوری ۱۹۲۹ء
صفحہ ۳۰
کالم ۲
سطر ۱۲، ۱۳
۲۳

ارشاد ناطق:- دو شاعرون نے تخیل بدل دی ہے، بیخود موہانی اور شوق قدوائی۔

اصلاح بیخود:- اک قطرہ مین یہ جوش فراوان تمنا
یا رب ہے دل تنگ کہ طوفان تمنا

قریب قریب اہم الفاظ وہی ہین۔ دل تنگ اور جوش فراوان تمنا مگر قافیہ بدلا ہوا ہے اور لفظ "قطرہ کا" اضافہ ہوا ہے، جس سے تنگیٔ دل خوب ثابت ہوئی، مگر دل تنگ جو ایک ظرف ہے اُسکی تشبیہ طوفان سے غیر مناسب ہے۔

بیخود کی اصلاحون مین جو کہ (کم زائد ہے) اس کتاب مین اکثر جگہ ہے یہی بات ہے کہ خود ایک شعر کہدیا ہے اور اصلاح نہین دی ہے، اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ تخیل وہ ہو اور ایسی ہو جو اُن کے دماغ کو پسند آئے (یہی حال غالب کا تھا) شوق کی بھی اکثر اصلاحین

اسی قسم کی ہین۔"

التماس بیخود:۔ مین جناب نقاد کا منت گزار ہون کہ مجھے ایک بات مین تو غالب کا ہمرنگ فرمایا، اگرچہ وہ عیب ہی سہی ؎

کم نہین نازشِ ہمنامیٔ چشمِ خوبان (غالب)
تیرا بیمار برا کیا ہے گر اچھا نہوا

اب وقت آگیا ہے کہ حضرت شوق کے مطلع کی تخیّل مین جو غلطی ہے ظاہر کر دی جائے۔ میرے نزدیک یہ تخیّل دو طرح غلط ہے۔

تخیّل کی پہلی غلطی:۔ پہلے مصرع (اب اپنا دل تنگ ہے زندان تمنا) مین جو خیال ادا کیا گیا ہے وہ قطعاً غلط ہے اسلیے کہ خوف و غم وغیرہ کے موقع پر دل مین انقباض پیدا ہوتا ہے اور خوشی کے محل پر انبساط۔ محبت کی تمنائین دل مین انشراح پیدا کرتی ہین اور اہل نظر جانتے ہین کہ محبت کی تمناؤن کے لیے دل مین اتنی وسعت نکلتی ہے کہ غیر تو غیر خود عاشق حیران رہ جاتا ہے ؎

بکشودہین از دلم این راز نگہے | آگاہ نبودم کہ بجانے ز تمناست
میرا ہی دل وہ ہے کہ جہان تو سما سکے | ارض و سما کہان تری وسعت کو پا سکے

پھر یہ کہنا کہ خانۂ دل مین تمناؤن کا اتنا ہجوم ہوا کہ یہ گھر اُن کے لئے زندان بن گیا اور وہ اُس مین گھُٹ کر رہ گئین غلط اور کسقدر غلط ہے۔

تخیّل کی دوسری غلطی:۔ ادھر سے قطع نظر کرین تو بھی یہ تخیّل نہایت مکروہ ٹھہرتی ہے اور اسکا ماخذ غالباً بلیک ہول کلکتہ (کلکتہ کی کال کوٹھری) کا فرضی مگر تاریخی واقعہ ہے جو اس طرح بیان کیا گیا ہو کہ سراج الدولہ نے ۱۴۶ انگریزون کو کلکتہ کی کال کوٹھری

مین قید کر دیا جن مین صرف (۲۳) آدمی داستان مصیبت کے بیان کرنے کیلیے زندہ نکلے باقی جگہ کی تنگی کے سبب سے گھٹ گھٹ کے مرگئے۔ یہ واقعہ یا ایسا ہی کوئی تصور اس تخیل کی بنیاد ٹھہرتا ہے جسکے مکروہ اور ہولناک ہونے مین شک نہین اسلیے صاف ظاہر ہے کہ یہ شعر زیر بحث مین کسی طرح آنے کی صلاحیت نہین رکھتا تھا اور اسکا سبب یہ ہے کہ اس مین ذکر ہے محبت کی دلآویز تمناؤن کا، اس مین بیان ہے عشق کی دل آرا آرزوؤن کا، کہان ان تمناؤن کی دل آرائی، اور کہان زندان کی ہولناک مکروہ صورت، یہان عاشق ہجوم تمنا سے دلتنگ نہین بلکہ محو حیرت ہے ع

اللہ رے یہ جوش فراوان تمنا

حضرت شوق قدوائی کے مصرعے سے پتہ چلتا ہے کہ اُنھون نے شاعر کے مفہوم صحیح کو خوب سمجھا ہے اسلیے کہ اُن کی اصلاح یہ ہے ؎

پھر میرا دل تنگ ہے زندان تمنا
قربان ترے جوش فراوان تمنا

اس مین "قربان ترے" کا ٹکڑا میرے مطلب پر شاہد عادل ہے۔

حد نگاہ ناطق اور مد نگاہ بیخود — بہرحال یہ تخیل اس محل پر صرف کردہ نہین غلط بھی ہے۔ اور یہین سے حد نگاہ ناطق اور مد نگاہ بیخود کا فرق آئینہ ہو جاتا ہے، کوئی ان اشعار کو دیکھکر دھوکا نہ کھائے اسلیے کہ وہان شاعر نے اس طرح کہا ہے کہ اُسپر کوئی ایراد وارد نہین ہوتا ؎

(غالب) گلہ ہے شوق کو دل مین بھی تنگی جا کا
گہر مین محو ہوا اضطراب دریا کا

(غالب) شرح اسباب گرفتاری خاطر مت پوچھ
اسقدر تنگ ہوا دل کہ مین زندان سمجھا

پہلے شعر مین جہان وسعت وکثرت شوق دکھائی وہان دل کو زندان نہین کہا دوسرے شعر مین جہان دل کو زندان کہا وہان ہجوم شوق وتمنا کا ذکر نہین کیا، اور یہی وہ نازک امتیازات ہین جو نظر بازون کے لیے مخصوص کر دیئے گئے ہین۔

اب حضرت ناطق کی نکتہ نوازیون کا جائزہ لینا چاہیے۔

آپ فرماتے ہین کہ تخیل بدل گئی۔ اسکا مفصل جواب ابھی ابھی دیا جاچکا ہو آگے بڑھ کر ارشاد ہوا ہے:۔

"لفظ قطرہ کا اضافہ ہوا ہے، جس سے تنگئ دل خوب ثابت ہوئی"

اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہا جاتا ہے:۔

"دل تنگ، جو ایک ظرف ہے اُسکی تشبیہ طوفان سے غیر مناسب ہے"

کوئی اس اللہ کے بندے سے پوچھے کہ دل جبب قطرہ کہا گیا، اور تنگئ دل خوب ثابت ہوئی تو دلِ تنگ ظرف رہا یا نرہا۔ خود حضرت ناطق کے ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ ظرف رہا جبھی تو تنگی ثابت ہوئی اسلیے کہ تنگی وفراخی لوازم ظرف سے ہین، پھر اگر اسی قطرہ کو طوفان کہا تو جس طرح قطرہ کہنے سے تنگئ دل خوب ثابت ہوئی تھی اوسی طرح طوفان کہنے سے جوش تمنا بھی خوب ثابت ہوا، اگر دل کو باعتبار تنگی قطرہ کہنا روا تھا تو باعتبار جوش طوفان کہنے مین کونسی قباحت لازم آتی ہے، اس کی صحت مین قدح کرنا مذاق سلیم سے بیگانگی ظاہر کرنا ہے، اسلیے کہ آب یا خاک بجوش آمدہ کا ایک نام طوفان بھی ہے، اور قطرہ کو طوفان کہنا عام ہے۔ مرزا غالب فرماتے ہین

دل میں پھر گریہ نے اک شور اُٹھایا غالب
آہ جو قطرہ نہ نکلا تھا سو طوفان نکلا

میری اصلاح — اک قطرہ میں یہ جوش فراوان تمنا
یارب ہے دل تنگ کہ طوفان تمنا

اصل شعر:- اب اپنا دل تنگ ہے زندان تمنا
اللہ رے یہ جوش فراوان تمنا

اِس امر کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ مین اپنی اصلاح کے وجوہ بلاغت بھی بیان کر دون۔

وجوہ بلاغت :- دل کو باعتبار تنگی قطرہ، اور باعتبار جوش فراوان طوفان تمنا کہا، مصنف نے " اللہ رے یہ کہکر مفہوم استعجاب پیدا کیا تھا، اُس سے کہین زیادہ صرف " یہ " کو جوش فراوان سے پہلے رکھکر پیدا کر دیا دل کو تنگ کہکر لفظون مین تنگی دل کی تصویر کھینچدی، جس نے محاکات کے اثر کو کہین سے کہین پہونچا دیا، پھر دوسرے مصرع مین یارب کہا، اور اُسکے بعد یہ تکرار رکھا ہے " ہے دل تنگ کہ طوفان تمنا " جس سے کچھ سمجھ مین نہ آنے کی کیفیت ظاہر ہوتی ہے قطرہ کا جوش فراوان ظاہر کرنے کے لیے طوفان سے بہتر کیا برابر کا بھی کوئی لفظ نہین ملتا، پھر جب دل خود ہی طوفان تمنا ہوگیا تو جب تک بھی اُسکا (دل کا) وجود تسلیم کیا جائے، جوش فراوان مین کمی متصور نہین۔

یہان یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ مُصنف نے جوش کے معنی ہجوم لیے اور بیخودنے جوش مارنا، اسکا جواب یہ ہے کہ جب مُصنف کی تخیئل کردہ اور غلط ٹھہری

اور پہلا مصرع بیکار ہوگیا، تو اب صرف دوسرا مصرع رہ گیا۔ لفظ جوش کے دو معنون مین سے کوئی ایک معنی مدنظر رکھکر مصرع لگا دیا، جوش فراوان مُصنف دکھانا چاہتا تھا دکھا دیا۔ شاید یہ کہا جائے کہ حضرت ناطق نے بھی تو تخئیل ہی بدل دی، اُسپر اعتراض کیون ہے، اسکا جواب یہ ہے کہ دو شخصون نے تخئیل بدلی ایک نے بربناء تحقیق ایکنے اسکے برعکس حضرت ناطق کی اصلاح کا سبب معنی جوش سے بے خبری، اور میری اصلاح کا باعث تخئیل کی غلطی اور کراہت، ان دو باتون مین مشرق و مغرب کا فرق ہے۔

اصلاح شوق :۔ نکلا نہ کبھی عشق مین ارمان تمنا
آخر مرا دل ہوگیا زندان تمنا

ارشاد ناطق :۔ "شوق کی اصلاحین بھی بیخود کی سی اصلاحین ہین (یعنی وہ بھی تخئیل بدل دیتے ہین)

التماس بیخود :۔ حضرت ناطق نے فرمایا ہے کہ حضرت شوق بھی اپنی طرف سے ایک شعر کہہ دیتے ہین اصلاح نہین فرماتے، اِس مطلع کے متعلق حضرت شوق نے توجیہہ اصلاح کے موقع پر ارشاد فرمایا ہے :۔

"درحقیقت جوش فراوان کے لیے لازم نہین ہے کہ وہ دل تنگ کو زندان بنا دے۔ یہی راز اسکا ہے کہ دونون مصرعون مین تعلق و ربط نہین معلوم ہوتا"

مبصر
جنوری
صفحہ ۲۹
کالم ۱
سطر ۱۲ تا ۱۴
۲۶

اس توجیہہ سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت شوق بھی جناب ناطق کی طرح بلاغت فہمی مین گرفتار، اور کوتاہی نظر کے آزار مین مبتلا ہین، جب مصنف کی تخئیل جوش کے

دوسرے معنی (ہجوم) یاد ہونے کے سبب سمجھ مین نہ آئی تو زندان کو عمود قرار دیکر ایک نسخہ لکھ دیا اور اب شعر بالکل سادہ سادہ رہ گیا، اللہ بس باقی ہوس۔۔

لیکن حضرت شوق نے شعر کو بامعنی رکھا اور حضرت ناطق نے اس کی بھی پروا نہ کی، رہی تخیل مصنف اُسے جناب شوق نے بھی بدل دیا اور جناب نقاد نے بھی۔

ارشاد ناطق:۔"اب اس شعر کے متعلق دو باتین اور ہین

(۱) بہترین و بدترین صلاحین کون کون سی ہین۔

(۲) صلاح دینے والون نے توجیہین کیسی اور کیا لکھی ہین۔"

بصیر جنوری ۱۹۲۹ء صفحہ ۲ کالم ۲ سطر ۲۰ صفحہ ۳ کالم ۱ سطر ۲ تا ۱۲

توجیہات صلاحی

باقی:۔ جوش فراوان تمنا کے سبب سے دل تنگ کا زندان تمنا ہوجانا سمجھ مین نہ آیا، تمنا کا دل تنگ سے نہ نکلنا ہی اُسکے زندان تمنا ہونے کے لیے کافی ہے:

ارشاد ناطق:۔ اِس عبارت کے پہلے فقرہ سے مجھے ذرہ بھر اختلاف نہین ہے مگر دوسرا جملہ یہ ہے کہ تمنا کا دل سے نہ نکلنا ہی دل تنگ کے زندان ہونے کیلیے کافی ہے، بقول جناب باقی ایک یہ کلیہ ٹھہرتا ہے کہ اگر کوئی کہین سے نہ نکلے تو وہ اُسکے لیے زندان ہوگا، مگر میرا خیال مثالین ڈھونڈھتا ہوا دونون عالم سے واپس ہوکر یہ کہتا ہے کہ مثلاً حضرت الیاسؑ جنت سے اور کاظم حسین محشر لکھنؤ سے کسی طرح نہ نکلے، مگر زندانی کہلانیکے

متحمل نہ ہوسکے ۔

التماس بیخود : حضرت باقی کے پہلے فقرہ سے مجھے ذرہ برابر اتفاق نہیں، اگرچہ جناب ناطق کو اُس سے ذرہ برابر اختلاف نہیں، حقیقت یہ ہے کہ حضرت باقی کو بھی جوش کے معنی ہجوم معلوم نہیں ہیں۔ اب رہا دوسرا جملہ اُنکے یہ ہے : عالم علوی کی طرف جائیے نہ عالم سفلی کی طرف آئیے صرف یہ چاہیے کہ اِسے جس طرح اُنھوں نے لکھا ہے اُسی طرح سہنے دیجئے کسی کی عبارت میں تحریف کرنا اخلاقی جرم ہے۔

حضرت باقی تحریر فرماتے ہیں :-

مجموعہ جوئی صفحہ ۴ کالم ۱۰ سطر ۴

"تمنا کا دل تنگ سے نکلنا ہی اُسکے زندان تمنا ہونے کیلیے کافی ہے، جب تک دل کے ساتھ لفظ "تنگ" موجود ہے اُنکا مفہوم قابل اعتراض نہیں ہوسکتا، اسکے سوا جب کوئی کسی گھر سے کبھی نہ نکلے تو اُس گھر کو اُسکے لیے زندان تو زندان قبر کہدینا بھی غلط نہیں"

مجموعہ جوئی سلسلہ ۶ صفحہ ۳۶ کالم ۱ سطر ۱۲ تا ۱۹

توجیہہ شوق :- "دونوں مصرعوں میں ربط مطلق نہ تھا درحقیقت جوش فراوان کیلیے لازم نہیں ہے کہ وہ دل تنگ کو زندان بنادے۔ یہی راز اسکا ہے کہ دونوں مصرعوں میں تعلق و ربط نہیں معلوم ہوتا"

التماس بیخود :- یہ بزرگ بھی حضرت باقی و ناطق کی طرح جوش کے دوسرے معنوں سے بیخبر ہیں۔

مہر نیمروز
صفحہ ۲۹
کالم ۱۰
سطر ۱۹ ۳
۲۵
کالم ۲۰
سطر ۱۰

توجیہ ناطق :۔ جوش کا مقتضا وسعت ہے نہ کہ تنگی۔

ارشاد ناطق :۔ توجیہ صلاح کے ضوابط یہ ہو سکتے ہیں کہ یا تو وجوہ اصلاح ظاہر ہی نہ کرے، خواہ شعر پر صلاح دے یا کاٹ دے، اور اگر توجیہات ظاہر کرے تو جسقدر عیوب شعر میں ہوں سب بتا دے پھر اگر اصلاح میں وہ سب عیوب نکل سکیں فبہا، ورنہ یہ کہدے کہ بقیہ عیوب جو اصلاح میں رہ گئے ہیں ان کا نکالنا ضروری نہیں ہے یا نکل نہیں سکتے۔

ناطق کے اس نوٹ سے شبہ ہوتا ہے کہ شعر میں اسکے علاوہ اور کوئی عیب ہی نہ تھا کہ جوش کا مقتضا وسعت ہے نہ کہ تنگی، حالانکہ شعر میں کئی عیب ہیں، سب سے بڑی وجہیں اس کی دو ہو سکتی ہیں، یا تو بے پروائی و کاہلی، یا یہ کہ قابلیت ہی نہیں کہ جملہ اقسام سمجھ سکیں، واللہ اعلم۔

الناکس بیخود :۔ اس فاضلانہ اور مفتیانہ تحریر کا جواب دیا جا چکا، توجیہ کے ضوابط سے اتفاق و اختلاف مفت کا دردسر ہے، ممکن ہے کہ اصلاح دیتے وقت کاہلی و بے پروائی کی ہو، مگر تبصرہ کرتے وقت تو ایڑی چوٹی کا زور لگایا گیا ہے مگر مآل ایک ہی ٹھہرا، رہا قابلیت کا راز اُسے بھی آپ کی حق کوشی اور حقیقت نگاری نے طشت از بام کر دیا۔

مہر نیمروز
سنہ ۲۰
صفحہ ۲۹
کالم ۲۰
سطر ۲۰

توجیہ نوح :۔ دل تنگ سے کوئی خوبی نہ پیدا ہوئی۔

ارشاد ناطق :۔ ایسا ہی اجمال اس نوٹ میں بھی ہے:

الکتاس بیخود :۔ دل تنگ سے جو خوبی پیدا ہوئی ہے وہ اپنے محل پر ظاہر کی جاچکی

توجیہ نیاز :۔ مصرعۂ اوّل میں فراوانی تمنا کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ اگر دل تنگ زندان ہوگیا تو اس سے جوشِ فراوان کیونکر ثابت ہوا؟

معیار جنوری صفحہ ۲۹ کالم ۲ سطر ۴ تا ۲۵

ارشاد ناطق :۔ حضرت نیاز کی اس عبارت سے دو نتیجے نکلتے ہیں، یا تو سمجھنے میں اُن کو غلط فہمی ہوئی (آب حیات کا پانی) یا اپنے مافی الضمیر کو ضروری الفاظ میں ادا نہ کرسکے، اُن کے پہلے فقرہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ عاشق سے فراوانی تمنا کا ثبوت مانگتے ہیں گویا ایک عجیب بات ہے، دوسرا فقرہ پڑھ لینے کے بعد یہ راز کھلتا ہے کہ اُنھوں نے فراوانی تمنا کو دعویٰ اور دل تنگ کے زندان ہونے کو اُس کا ثبوت سمجھا ہے، میرا خیال ہے کہ اُن کے ذہن میں اِسکے متعلق جو مضمون پیدا ہوا کاغذ پر براہ راست منطبع ہوگیا، کیونکہ جس کو اُنھوں نے علت لکھا ہے وہ فی الحقیقت معلول ہے، اور وہ معلول علت ہے، جوشِ فراوان تمنا اگر دعویٰ ہوتا، تو ثبوت کا محتاج نہ تھا، کیونکہ تمناؤں کی فراوانی اور اُن کے لوازم کا عاشق کے دل میں موجود ہونا بدیہی ہے، البتہ دل تنگ کا زندان ہونا دعویٰ ہے، اور اُس کی دلیل جوشِ فراوان تمنا،

مگر چونکہ جوشش فراوان تمنا کے لیے یہ لازم نہین کہ وہ دل تنگ کو زندان بنا دے۔ اسلیے سب نے اصلاح دی، اور خود جناب نیاز نے بھی جس کی مین تعریف کر چکا۔

الماس بیخود:۔ حضرت نیاز کی عبارت کے متعلق جناب نقاد کی رائے غلط نہین ہے۔ ڈوُنگی پلیٹ والی تمثیل خوبصورت ہے خدا کرے کہ اُنکھین کی نکتہ آفرینیون کا نتیجہ ہو۔

ارشاد ناطق:۔ اب یہ سوال باقی رہتا ہے کہ اصلاحین کسکی کیسی ہین۔

جناب فضل کی اصلاح میری ذاتی رائے مین نہایت کمزور ہے، کیونکہ اول تو اصلاح کے اصول سے اصلاح نہین دی، بلکہ خود اپنی طرف سے ایک شعر کہ دیا ہے۔

اصلاح افضل:۔ تو جب سے ہوا قابل احسان تمنا
کرتا ہے ہر اک خلق مین ارمان تمنا

ارشاد ناطق:۔ معشوق پر تمنا کا احسان ہونا، اس مین بجائے عیب اگر کوئی خوبی ہے تو اُسکے لطف سے مین محروم ہون۔

الماس بیخود:۔ حضرت نقاد کی یہ رائے ٹھیک ہے۔

ارشاد ناطق:۔ جناب نظم نے دو طرح اصلاح دی ہے، ایک کا تذکرہ اور اعتراف مین کر چکا ہون، دوسری اصلاح مین اُنھون نے مصرع اولیٰ کو بدلکر اپنا مصرع چسپان کیا ہے۔

مبصر جنوری
صفحہ ۲۹
کالم ۲
سطر ۱۲
صفحہ ۳۰
کالم ۱
سطر ۱۲

اصلاح نظم

ہے سیل عرم دست بداماں تمنا
اللہ رے یہ جوش فراواں تمنا

سیل عرم کا قصۂ پارینہ۔ "ومن تقنت" کی مفصل تفسیرین مین پڑھنے کے بعد قوم عاد کی خوشحالی، اور اُن کے رشک جنت باغون کی بہار، اور کوہ ابلق کی وادی مین آبشار کے ذخیرہ کا بند باندھنا، جس کو مآرب کہتے ہین، کیونکہ مآرب سلاطین عاد کا دارالسلطنت تھا اور وہین یہ بند باندھا گیا تھا، پھر اُن کا خدا سے منحرف ہونا، اور بند کا ٹوٹ جانا اور سیلاب سے سب کا غرق و فنا ہو جانا، یہ سب تو معلوم ہو گیا، مگر شعر کا مطلب معلوم نہوا۔ "ہے سیل عرم دست بداماں تمنا"

بہترین اصلاحین اوپر گزرین جن کی مین تعریف کر چکا ہون اور یہ سب میری ذاتی رائین ہین:

بیخود:۔ اللہ اکبر اس حُسن پر یہ بے نیازیان، اس تجمّر پر خود نمائی کا اتنا شوق، خود فروشی کا یہ سودا، حضرت ناطق نے ومن تقنت کی مفصل تفسیرون کا ذکر دنیا کے مرعوب کرنے کیلیے فرمایا تھا، مگر یہ قلعی تیزاب نکلی اور تجمّر کا ملمع اُڑ گیا، وہ یون کہ: جناب طباطبائی یہ مصرع لگاتے نہ اس وسیع النظر نقاد کو سیل عرم کا قصہ معلوم ہوتا، مگر مجھکو نہایت افسوس ہے کہ اتنی ورق گردانی پر بھی اُن کو شعر کا مطلب نہ معلوم ہوا، جہان اتنی زحمت اُٹھائی تھی، لگے ہاتھون بہار عجم پر نظر کر لی ہوتی، تو معلوم ہو جاتا کہ "دست بداماں" مرید کو کہتے ہین، اور شعر پانی ہو جاتا، یعنی تمناؤن کا سیلاب اللہ اکبر سیل عرم بھی اُسکے سامنے پانی بھرتی ہے۔ (نہ مجھے یہان سیل کو

ذکر کتنے اچھا معلوم ہوتا ہے) اور اگر یہ سمجھنا تھا کہ شاعر نے سیل عرم کا ذکر کیا کیوں، تو ذرا سے غور میں سمجھ لیتے کہ جس طرح سیل عرم نے قوم عاد کو غرق و فنا کر دیا، اُسی طرح سیل تمنائے عشق نے رذائل نفسانی اور ہوا و ہوس انسانی، بلکہ دنیائے فانی کو دل عاشق سے محو و فنا کر دیا۔

جناب ناطق نے سیل عرم کے ساتھ "قصہ پارینہ" لکھکر یہ دکھانا چاہا ہے کہ جہان جناب طباطبائی کا مصرع بے معنی ہے، وہین سیل عرم کے ذکر سے غرابت کا عیب بھی اس مین پیدا ہو گیا ہے،

میرے نزدیک جناب نظم نے اس تلمیح کو نظم کر کے زبان اُردو پر احسان کیا ہے، اور ہماری زبان مین ایک نہایت اہم باشان لفظ کا اضافہ فرمایا ہے، اور مصرع ایسا شاندار لگا دیا ہے جو اُن کے مرتبہ کے شایان ہے اور یہی سبب ہے کہ یہ شعر حضرت ناطق کے بس کا نہین رہا۔

ایک مقلد مجتہد کے لباس مین

حقیقت یہ ہے کہ جناب نقاد یہان مقلد مجتہد نما نظر آتے ہین، جناب باقی و شوق (قدوائی) نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ اس شعر مین جوش فراوان دل کے زندان بنا دینے کی علت ہے، یہ سمجھ مین نہین آتی جناب ناطق نے اسی بنا پر سر بفلک کشیدہ عمارت بنا دی، اور بناء فاسد علی الفاسد کا خیال نہ فرمایا۔

شعر دوم:۔

کیا ڈالیں کسی آرزوئے تازہ کی بنیاد
نظروں میں ہے بربادیِ ایوانِ تمنا

معیار فروری ۲۹ سنہ ۶ صفحہ ۹ کالم ا سطر (۱-۶)

ارشادِ ناطق:۔

دل میں کسی نئی آرزو کے جگہ دینے مین یہ امر مانع ہے کہ بہت سی تمنائین خاک مین مل چکی ہین اور اُن کی بربادی کا منظر آنکھون مین پھرا کرتا ہے۔ مصرع ثانی ایک دوسرا پہلو بھی رکھتا ہے وہ یہ کہ جو آرزوئین موجود ہین اُن ہی کی بربادی کا سامان نظر آرہا ہے، اب کسی نئی آرزو کے اضافہ کرنے کا کیا موقع ہے دونون معنی مفید مطلب ہین

التماس بیخود (۱) جناب نقاد کا یہ ارشاد فطرت انسانی اور سنت عاشقی دونوں کے خلاف ہے اسلئے کہ یہ کہنا کہ بہت سی تمنائین خاک میں مل چکی ہین اور اُن کی بربادی کا منظر آنکھون مین پھرا کرتا ہے۔ اِس لئے دوسری آرزو نہ کرنی چاہیئے بلکہ یون کہنا چاہیئے کہ بربادی ایوان تمنا کا واقعہ ابھی تازہ تازہ ہے اِس لئے داغ تازہ اور زخم گہرا ہے یہی وجہ ہے کہ نئی تمنا کرنے کو دل نہیں اُٹھتا اور صرف یہی ایک صورت ایسی ہے جسمین مصنف کی تخیل صحیح قرار پاتی ہے

(۲) مصرع ثانی کوئی دوسرا پہلو نہین رکھتا، اِس لئے کہ شعر دو مصرعون کا ہوتا ہے دونون مصرعون پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب نقاد کی موشگافیان نقش برآب ہین۔ کیونکہ جب اُن کی اس عبارت سے مصرع ثانی ایک دوسرا پہلو بھی رکھتا ہے وہ یہ کہ جو آرزوئین موجود ہین اُنھی کی بربادی کا سامان نظر آرہا ہے

اب کسی نئی آرزو کے اضافہ کرنے کا کیا موقع ہے، صفحہ ۱۰ سطر ۹ - ۱۱ کی یہ عبارت
ملا دی جاتی ہے یعنی یہ کہ بربادی ابھی ہوئی نہین ہے اب ہوئی اور اب ہوئی
تو اُنکا باندھا ہوا طلسم تار عنکبوت کی طرح ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ جب تمنا کی صبح و شام
ہو رہی ہے بلکہ یہ حالت ہے کہ اب ہوئی اور اب ہوئی تو ایسی حالت مین فطرت انسانی
بھی تمنا آفرینی نہین کر سکتی جسکا بخیل ہونا مشہور خاص و عام ہے چہ جائیکہ عاشق
یہ سوچنے بیٹھے کہ نئی تمنا کردن یا نہ کردن اور پھر یہ فیصلہ بھی کر سکے کہ
ایک تمنا کی تھی اُسکا حشر یہ ہوا اب ایسا نہ کرنا چاہیئے اللہ اکبر انسانی فطرت اور
انسانی احساسات سے اتنی بیگانگی ایک صورت اِس مفہوم کے خلاف واقع ہونیکی یہ ہوئی

دوسری مصیبت فن ادب کی ڈالی ہوئی ہے جسکی صورت یہ ہے:-

نکتہ - اہل خبر جانتے ہین کہ اداے مطلب کے لئے تلازمہ ضروری نہین ہے
مگر جب شاعر یا نثار نے اُسے اپنے اوپر لازم کر لیا تو حد واجب تک اُسکا نباہ واجب ہے
مصنف نے شعر بالا البحث مین تمنا کو ایوان سے تشبیہ دی ہے اور کہتا ہے
کہ نظرون مین ہے بربادی ایوان تمنا، اور جناب ناطق اسکا دوسرا پہلو یون
دکھلاتے ہین کہ ایوان تمنا کی بربادی ابھی ہوئی نہین ہے، نظرون مین ہے
اب ہوئی اور اب ہوئی تو مین یہ عرض کرنا چاہتا ہون کہ جس کو یہ نظر آ رہا ہو کہ
اُسکے بناے ہوے ایوان (جو نئی نہین) کی دیوار گرا چاہتی ہے چھت آ رہنے کو
ہے، سارا محل اڑا اڑا کر بیٹھ جانے کو ہے، کیا وہ ایسے ہولناک اور آفت خیز
وقت مین دوسرا مکان بنانے نہ بنانے کے متعلق غور کرنے اور کوئی فیصلہ کر لینے کی
فرصت پا سکتا ہے اِسلئے کہ اُسے اپنے وابستگان دامن کے دب کر مر جانے کا خوف

اگر گھر کے ساز و سامان کے خاک مین مل جانے کا خطرہ جدا خود اپنے بنائے ہوئے مکان کے ڈھہ پڑنے کا صدمہ ایک طرف۔ ایسی صورت مین اُسے پریشانی کچھ سوچنے کی اجازت دینے سے رہی شاید اس پر یہ کہا جائے کہ ایوان کہہ دینے سے تمنا کوئی سچ مچ کا محل تو ہو نہین گئی تو مین کہونگا کہ پھر اس تشبیہ اور تلازمہ کا ماحصل کیا ہوا اسکے علاوہ جس طرح مکان کے ڈھہ جانے سے مذکورہ بالا نقصانات یقینی ہین۔ اسی طرح بربادئی تمنا سے بھی دلشکستگی کا پیدا ہونا افسردگی کا چھا جانا کبھی کبھی جان کا نہ رہنا وغیرہ سب سمجھ مین آنے کی باتین ہین، غالباً حضرت ناطق کو ۱۹۱۵ع کی طوفان خیز بارش یاد نہین جسمین آسمان سے باتین کرنے والی عمارتین خاک ہو کر رہ گیئن تھین تو اسوقت لوگون کو ایسا پریشان دیکھا کہ طوفان نوح اور سیل عرم کی پیدا کی ہوئی ہیبت کا تصور ہونے لگا۔

اب یہ امر بخوبی ثابت ہو گیا کہ شعر زیر بحث مین آپکے بتائے ہوئے دوسرے پہلو کی گنجائش نہین۔

مبصر فروری ۲۹ سنہ ۶ع صفحہ ۹ کالم ۱ سطر ۲۰-۰ کالم ۲ سطر ۱ (۴)

ارشاد حضرت ناطق:۔

تمنا کی تشبیہ ایوان سے دی گئی ہے اور یہی انتظام مصرع اولی مین بھی رکھا گیا ہے اسی سلسلۂ بیان سے شعر مین محاکات پیدا ہو گئی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہر چند تخئیل معمولی ہے مگر شعر اچھا معلوم ہوتا ہے اور سامع کے دل مین ایک کیفیت پیدا کرتا ہے تشبیہ و استعارہ کی مناسبت محاکات و تاثیر پیدا کرنے مین ایک خاص چیز ہے۔

اہل فن ان اصول کو خوب سمجھتے ہین ایک چیز مین کئی صفات

ہوتے ہیں ہر صفت کو وجہ شبہ بنا کر اُس چیز سے تشبیہ دے سکتے ہیں، جو اُس صفت میں مشترک ہو اور جس مشبہ بہ میں مشبہ کے زیادہ اوصاف موجود ہیں اُسکو تشبیہ کامل کہتے ہیں، تمام اہل معانی و بیان اس مسئلہ کو جانتے ہیں مگر اس راز کو صرف شاعر ہی جانتا ہے کہ بعض موقع پر ادنی سے ادنی وجہ شبہ تشبیہ کامل سے بہتر ہوتی ہے اور بمقابلہ تشبیہ کامل تشبیہ ناقص تاثیر و کیفیت اور بلاغت فصاحت پیدا کر دیتی ہے عشق و محبت کی تشبیہ کامل اگر ہو سکتی ہے تو شراب سے کیونکہ حرارت، مستی، کیف اور اکثر اوصاف شراب و عشق میں مشترک ہیں مگر ایک شاعر نے محبت کو چشمہ سے تشبیہ دی ہے جو کہ ناقص ہے، مگر دیکھیے شعر کس مرتبہ کا ہو گیا

یا رب چہ چشمہ ایست محبت کہ من ازو　　یک قطرہ آب خوردم و دریا گریستم

شوق کے اس شعر میں اسی قسم کا استعارہ (ایوان تمنا) ہے

التماس بجوذ - یہی انتظام مصرع اولی میں رکھا گیا ہے۔ کیا انتظام کی جگہ التزام محاورے کا لفظ نہ تھا۔

۲- اس سلسلہ بیان سے شعر میں محاکات پیدا ہو گئی۔ یہ سلسلہ بیان سے کہنے کا محل ہے یا اس التزام سے کہنے کا موقع؟ بلکہ اگر اسکے مقام پر صرف، جس سے کہیدیا جاتا تو مطلب ادا ہو جاتا یہ میں جانتا ہوں کہ انتظام اور سلسلہ الفاظ متناسب ہیں۔ مگر اصطلاحات مترادفہ کے ترک کا فتوی خدا جانے کہاں سے حاصل کیا گیا ہے۔

۳- محاکات پیدا ہو گئی ہے، یہ بیان عوام کی سمجھ میں آنے سے رہا۔ اتنا

اور کہنا چاہیئے تھا کہ اس التزام سے مضمون کی تصویر آنکھون کے سامنے آگئی اور بیان واقعہ عین واقعہ بنگیا جس کی بدولت انسانی حاسے لطف اُٹھانے لگے۔

۴ - وجہ شبہ بنا کر صحیح ہے یا وجہ شبہ قرار دیکر

۵ - اس راز کو صرف شاعر ہی جانتا ہے، یہ بیان خلاف واقع ہے شاعر بھی جانتا ہے اور نثار بھی بلکہ ہر نکتہ سنج و باخبر خواہ شاعر و نثار ہو یا نہو۔

۶ - یارب چہ چشمہ ایست محبت کہ من ازو۔ یک قطرہ آب خوردم و دریا گریستم

اسمین تشبیہ ناقص کی معجزہ آرائی سمجھنا قصور فہم ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ یکقطرہ آب خوردم و دریا گریستم۔ (ایک قطرہ پیا اور آنسوؤن کا دریا بہا دیا) اسکے مفہوم کی ندرت نے شعر کو اس مرتبہ پر پہونچا دیا جس سے استعجاب کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔

ارشاد ناطق :-

مصرع ثانی مین کسی عیب کو جگہ نہین ملی مگر بجائے استاد خالی شاید کسی نے بہتر اصلاح دی ہو (آیندہ معلوم ہو جائے گا) مصرع اولی مین کیا ڈالین، کردہ معلوم ہوتا ہے اسکو بہت سے شعرانے اصلاح سے مستغنی سمجھا ہے، بالفرض اگر کیا ڈالین، کا نافرمان بھی لیا جائے تو غلطی کی حد تک نہیں پہونچتا، یہی وجہ ہے کہ ۱۲ شاعرون نے کوئی اصلاح نہین دی، یکتا، اطہر، انضل، بیباک، صفی، عزیز، وحشت، بیخود دہلوی، جلیل، شہرت، مومن، نوح۔ مگر اکثر شعرا اصلاح دیکر ترقی دینا چاہتے ہین اسلئے پندرہ شاعرون نے اصلاح دی ہے۔

چار شعرانے دونون مصرعے بنائے ہین۔ بیخود موہانی۔ شوق قدوائی

بیسر فروری ۲۹ء صفحہ ۹ کالم ۲ سطر (۸-۲)

شفق عماد پوری اور نیاز فتحپوری

اصل شعر کیا ڈالین کسی آرزوِ تازہ کی بنیاد — نظرون مین ہے بربادی ایوانِ تمنا

اصلاح بیخودؔ موہانی :۔

جب پڑنے لگی آرزوِ تازہ کی بنیاد — یاد آگئی بربادی ایوانِ تمنا

ارشاد ناطق :۔

تخیل بدل گئی اور اب یہ مفہوم ہوا کہ جب کسی نئی آرزو کا اضافہ ہونے لگا تو گزشتہ تمناؤن کی بربادی یاد آگئی اس مین یہ پتہ نہین چلتا کہ نئی آرزو کا اضافہ ہوا یا نہین مگر اصل شعر مین یہ واضح ہے کہ آرزوِ تازہ کی بنیاد قائم نہ ہوسکی، اس واقعہ مین اثر زیادہ ہے البتہ اصلاح مین بظاہر خوبی یہ ہے کہ شعر کا مذاق یہ تھا کہ دل مین آرزو ہی نہین رہی اور یہ عاشق کے لئے تقریبا غیر ممکن ہے گویا اصلاح سے یہ عیب نکل گیا مگر مصرع ثانی کے دوسرے پہلو نے جس کی مین تشریح کرچکا ہون پہلے ہی سے اس بدمذاقی کی اصلاح کردی تھی۔ یعنی یہ کہ بربادی تمنا ابھی ہوئی نہین ہے نظرون مین ہے۔ اب ہوئی اور اب ہوئی، بیخود کی اصلاح مین جب پڑنے لگی بھی اپنے رنگ مین کیا ڈالین سے کم نہین ہے ایک اور لفظی تغیر ہوا ہے کہ مصرع اولی کا آخری لفظ بنیاد ہے اور یاد مصرع ثانی کا پہلا لفظ ہے۔

مبصر فروری ۲۹ء صفحہ ۱۰ کالم ۱ سطر ۱۱ – ۱۲۰

التماس بیخود :۔ خدا جانے حضرت ناطق بھول جاتے ہین یا بھلا دیتے ہین کہ کہ شعر کے دونون مصرع ملکر کوئی مفہوم ادا کرتے ہین۔ بیشک جناب شوق کا

دوسرا مصرع "نظرون مین ہے بربادی ایوان تمنا" اپنی حد مین بے عیب ہی نہین بلکہ ڈھلا ہوا مصرع ہے مگر جب تک اسکا پہلا مصرع یہ ہے "کیا ڈالین کسی آرزو تازہ کی بنیاد" جس کا فطرت کے خلاف ہونا ظاہر ہے اور جسکی طرف خود جناب ناطق نے ان لفظون مین اشارہ فرمایا ہے" شعر کا مذاق یہ تھا کہ دل مین آرزو ہی نہین رہی اور یہ عاشق کے لئے تقریباً غیر ممکن ہے گویا اصلاح سے یہ عیب نکل گیا مگر مصرع ثانی کے دوسرے پہلو نے جسکی تشریح کر چکا ہون پہلے ہی سے اس بد مذاقی کی اصلاح کر دی تھی یعنی یہ کہ بربادی تمنا ابھی ہوئی نہین ہے نظرون مین ہے اب ہوئی اور اب ہوئی" اسوقت تک اسے ترمیم و اصلاح سے بے نیاز سمجھنا غلطی ہے، انسان اور خاصکر عاشق ایک نہین ہزار ناکامیون کے بعد پھر کبھی تمنا نہ کرے قطعاً محال ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ تخیل بدل گئی حضرت نقاد نقص تخیل کے دفع ہونے یا تخیل کے پست سے بلند ہو جانے کو بھی تخیل کا بدلنا کہتے ہین، مین عرض کر چکا اور خود حضرت ناطق بھی توثیق فرما چکے کہ دل عاشق کا تمنا سے خالی رہنا تقریباً غیر ممکن ہے۔ اگرچہ اسکے ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا ہے کہ اس بد مذاقی کی اصلاح خود شاعر نے کر دی تھی جسکا غلط ہونا ثابت ہو چکا، اس لئے کہ جب تخیل مکروہ یا غلط ہو تو اسکو صحیح نہ کرنا اپنے فرائض سے چشم پوشی کرنا ہے۔

فرماتے ہین اس مین یہ پتہ نہین چلتا کہ نئی آرزو کا اضافہ ہوا یا نہین ؟

جب فطرت انسانی یون ہی واقع ہوئی ہے کہ بے تمنا کئے رہ نہ سکے تو ظاہر ہے کہ جب کبھی ایسا ہوا ہو گا بربادی تمنا ضرور یاد آئی ہوگی فرماتے ہین کہ

اصل شعر میں یہ واضح ہے کہ آرزوے تازہ کی بنیاد قائم نہ ہوسکی، اِس واقعہ میں اثر زیادہ ہے۔ مجھے اس کے متعلق یہ کہنا ہے۔

جب یہ طے ہوگیا کہ تخیّل ہی عقل و فطرت کے خلاف ہے تو اُس کے اثر یابے اثری سے بحث کرنا مفت کا دردِ سر ہے پھر بھی میں جناب نقاد کی تسکین کیلئے بتا دینا چاہتا ہوں کہ اثر میری اصلاح میں زیادہ ہے۔ اس بات کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ خوفِ ناکامی سے تمنا ہی نہ کرنے میں وہ اثر نہیں جو اس میں ہے کہ تمنا بھی تبقاضائے فطرت کی اور گذشتہ تلخ تجربوں کی بناء پر ہمیشہ دل بھی لرزتا رہا کہ اس تمنا کا بھی وہی انجام ہونے والا ہے جو اب سے پہلے ہوتا رہا ہے اِس ارشاد میں ''البتہ اصلاح میں بظاہر یہ خوبی ہے کہ شعر کا مذاق یہ تھا کہ دل میں آرزو ہی نہیں رہی اور یہ عاشق کے لئے تقریباً غیر ممکن ہے۔ میرے نزدیک صرف اتنا تغیر ضروری ہے کہ بظاہر کی جگہ ''درحقیقت'' اور تقریباً کی جگہ ''قطعاً'' بنا دیا جائے۔

گویا اصلاح سے یہ عیب نکل گیا اِس گویا کو دراصل سے بدل دیجئے۔

جب یہ ثابت ہوچکا کہ مصرعِ ثانی میں کوئی دوسرا پہلو نہیں ہے، تو وہ بدمذاقی جسکا اعتراف خود جناب نقاد کو ہے مٹنے سے رہی یہ کہنا کہ اسکا علاج خود مصنف نے کردیا کوئی معقول بات نہیں جس مرض کا ازالہ نقاد حکیم (ناحق) کے بس کا نہ ہوا اسکا علاج شاگرد بیمار (جس کو اصلاح لینے کی ضرورت ہے) کیا کرسکے گا۔

کیا ڈالیں کسی آرزوِ تازہ کی بنیاد، میں اس مصرع میں ذم کا قائل نہیں اور اگر اسمیں ذم ہے تو زبان کھولنا دشوار ہوجائے گا۔ کیا کیجیے۔ کیا دیکھیے، کیا لیجیے

کیا ڈالین ۔ کیا نکالین ۔ کیا رکھئے ۔ کیا تھامئے وغیرہ سبھی مین تو ذم ٹھرے گا۔ حقیقت مین پہلوئے ذم ہونا اور بات ہے اور گندہ خیالی سے ذم پیدا کرنا اور بات ہے۔

ایسے مقامات پر ذم کی بحث کرنے والون مین دو گروہ پیدا ہو گئے ہین ایک تو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اب زبان اسقدر لطیف ہو گئی ہے کہ پہلے جن مقامات پر ذم نہین سمجھا جاتا تھا اب وہان بھی سمجھا جانے لگا دوسرے گروہ کا خیال یہ ہے کہ تہذیب اسقدر اُٹھ گئی اور عامیانہ مذاق اتنا عام ہو گیا کہ موقع بے موقع پہلوے ذم کی طرف خیال جانے لگا ۔ میرا خیال یہ ہے کہ علم (خصوصاً علم اخلاق) و تہذیب کی کمی ۔ شریف و وضیع کا ایک ہی ساتھ تعلیم پانا (مدرسون مکتبون ۔ کالجون اور یونیورسٹیون مین) آزادی بیجا کا بڑھ جانا افعال کا بگڑ جانا وغیرہ وغیرہ اس کے اسباب ہین۔

مین جناب نقاد کی خاطر سے تھوڑی دیر کیلئے یہ مان لینے کو تیار ہون کہ کیا ڈالین اور جب پڑنے لگی، مین ذم ہے لیکن بکمال ادب اُن سے ایک سوال کرنا چاہتا ہون۔

سوال ۔ کیا نقادی کی یہی شان ہوتی ہے کہ جب پڑنے لگی، اور کیا ڈالین، مین تو آپ کو ذم نظر آتا ہے مگر جناب احسن و جناب آرزو اور خود اپنے یہان نظر نہین آتا۔

ڈالے کوئی کیا آرزوئے تازہ کی بنیاد احسنؔ ہر گوشۂ نظر وہین ہے بربادی ایوانِ تمنا

کیا ڈالین، مین تو 'کیا' کا ایک باریک پردہ بھی تھا یہان ابتدا ایمان سے ہوتی ہے 'ڈالے کوئی کیا' خود جناب ناطق صاحب تبصرہ اصلاح سخن کی اصلاح سے

کیا رکھئے کسی آرزو تازہ کی بنیاد   نظروں میں ہے بربادئ ایوانِ تمنا

اسے کہنے والے خیانت کہتے ہیں اور میں سہو کہتا ہوں مگر یہ سہو قیامت کا سہو ہے ایک اور لفظی تغیر ہوا ہے کہ مصرع اولے کا آخری لفظ بنیاد ہے اور یاد مصرعِ ثانی کا پہلا لفظ ہے۔ مجھے اس ارشاد کے متعلق صرف یہ کہنا ہے کہ یہاں جناب نقاد کو یہ بتانا تھا کہ بنیاد اور یاد سے صنعت مرفو پیدا ہو گئی اس کے برخلاف اُسے اسطرح لکھا ہے کہ گویا یہ بھی کوئی عیب ہے۔

اصلاحِ شفق

ہونے لگا جب خانۂ دل ہجر میں ویران
یاد آگئی بربادئ ایوانِ تمنا

بصیر فروری ۲۹ سنہ ء صفحہ ۱ کالم ۲ سطر (۱۴-۱۹)

ارشاد ناطق:۔ تخئیل کا بدلنا تو خیر۔ عجیب وغریب تغیر یہ ہے معلوم ہوتا ہے کہ خانۂ دل کا تعلق ایوانِ تمنا سے صرف ہمسائگی کا ہے کہ جب یہ ویران ہونے لگا تو وہ بھی یاد آگیا۔ پرانی تھیوری یہ تھی کہ خانۂ دل اور ایوانِ تمنا ایک ہی مکان کے دو نام ہیں۔

التماس بیخود۔ مجھے حضرتِ ناطق سے اس امر میں اتفاق ہے کہ تخئیل بدل گئی لیکن جسے وہ عجیب وغریب تغیر فرماتے ہیں وہ مجھے عجیب وغریب نہیں معلوم ہوتا جب ہجر میں خانۂ دل ویران ہونے لگا تو مجھے ایوانِ تمنا کی بربادی یاد آگئی جناب نقاد نے لفظ ایوان' پر اُچٹتی ہوئی نگاہ ڈالی ہے ورنہ یہ لفظ شہ نشین۔ کوشک دالان۔ قصر۔ کے معنوں پر آتا ہے جب یوں ہے تو یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ خانۂ دل کا تعلق ایوانِ تمنا سے صرف ہمسائگی کا ہے کہ جب یہ ویران ہونے لگا تو وہ بھی یاد آگیا اسلئے کہ جب سارا گھر خاک میں ملنے لگا تو یاد آیا کہ ایوان تمنا کی بربادی سے

ویرانیٔ خانۂ دل کی ابتدا ہوئی تھی اور ہم جبھی سمجھ گئے تھے کہ یہ گھر اُجڑے بغیر رہتا نہین ۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اصلاح نے شعر مصنف کو پست کر دیا۔

یہ قول اس تعمیم کے ساتھ صحیح نہین کہ پرانی تھیوری یہ تھی کہ خانۂ دل اور ایوانِ تمنا ایک ہی مکان کے دو نام ہین اسلئے کہ قرینۂ مقام خود ہی فیصلہ کر دیتا ہے کہ یہ ایک ہی مکان کے نام ہین یا دو مکانون کے، جب ایوانِ تمنا مین تشبیہی اضافت مان لیگئی جسکے معنی یہ ہین ''تمنا بجو ایوان'' اس حالت مین تمنا خود ایوان ٹھری اور دل وہ سرزمین ٹھرا جس مین یہ گھر بنا ہے جیسا کہ جناب ریاض نے فرمایا ہے ؎

ویرانہ دل مین کوئی گھر خاک بنائے ۔۔۔ نظرون مین ہے بربادیٔ ایوانِ تمنا

اور دل خود بھی ایوان تمنا، کہا جا سکتا ہے جسکے معنی یہ ہوئے کہ دل ایک گھر ہے جسمین تمنائین رہتی ہین۔ نقادِ بے بدل کے منھ پر تھیوری کا لفظ نہین کھپتا اُردو مین مسلک شرب۔ خیال۔ قول اور نہین معلوم کتنے الفاظ یہی مفہوم ادا کرنیکے لئے موجود ہین۔

اصلاح شوق

زلفون کو نہ وہ میری نگاہون سے چھپاتے
سنتے جو کبھی حالِ پریشانِ تمنا،

ارشاد ناطق:۔ اب تو یہ ظاہر کرنیکی ضرورت ہی نہین کہ تخیل بدلگئی بلکہ اب یہ کہنا چاہیئے کہ ایک انقلاب عظیم و افسوسناک ہوا قافیہ تک بدلگیا اور مفہوم یہ رہا کہ زلفون کو چھپا دیا لیکن اگر تمنا کا حال پریشان سنتے تو نہ چھپاتے۔

مسفر فروری ۲۰ سنہ ۶ صفحہ ۱۰ کالم ۱ سطر (۱۹-۲۰)

التماس بیخود۔ نہ اسے انقلاب کہئیے نہ قافیہ کے بدلجانے کا ماتم کیجئے یہ شعر حضرت شوق (قدوائی) نے اپنی طرف سے کہدیا ہے اور اصل شعر کو قلم زد فرما دیا ہے

اسے اصلاح سے کوئی سروکار نہین۔

اصلاح نیاز

کیا آ۔زو تازہ ہو پیدا کہ نظر مین
اب تک ہے وہ بربادیٔ ایوانِ تمنا

نقش فروری ۲۵ء صفحہ ۱ کالم ۲ سطر ۱-۸

ارشاد ناطق:۔ کیا ڈالین' مین جو ذم تھا وہ بھی نہ رہا اور شعر بے عیب ہو گیا مگر اسلوب نظم سے اور لفظ بنیاد کے نکلجانے سے کیفیت شعری اور بیساختگی مین ایک نازک فرق ہو گیا اور لفظ وہ (آئین اضافت فارسی ہے یا نہین اور ہے تو غلط ہے یا صحیح جگود) کے اضافے سے مصرع ثانی کا ایک پہلو روشن مگر دوسرا بالکل تاریک ہو گیا تاہم دیبان تاہم اپنے محل پر استعمال ہوا ہے) گذشتہ اصلاحون سے اداۓ اصلاح سے مقابلہ کرنیکے بعد جو نتیجہ نکلتا ہے وہ قابل اعتراف ہے۔

التماس جگود۔ کیا ڈالین' مین اگر ذم تھا تو ضرور نکل گیا مگر شعر ہمہ تن عیب ہو گیا اور اسلوب نظم اور لفظ بنیاد کے نکلجانے سے نہ کیفیت شعری بڑھی نہ بیساختگی اس لئے کہ بنیاد ڈالنے' کے ٹکڑے پر ایوانِ تمنا کا تلازمہ قائم تھا، یہ ستون گرا اور چھت زمین پر آرہی، پورا شعر تخئیل شاعر کی محاکات کر رہا تھا وہ بات جاتی رہی میرے اس قول کی تائید جناب نقاد کے اس ارشاد سے ہوتی ہے۔

تمنا کی تشبیہ ایوان سے دیگئی ہے اور یہی انتظام مصرع اول مین بھی رکھا گیا ہے اس سلسلۂ بیان سے شعر مین محاکات پیدا ہو گئی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہرچند تخئیل معمولی ہے مگر شعر اچھا معلوم ہوتا ہے اور سامع کے دل مین ایک کیفیت پیدا کرتا ہے۔

مصرع ثانی مین تمنا ایوان بنی ہوئی تھی، مصرع اول مین خالی تمنا رہگئی اور مصنف

کا بنایا ہوا ایوان حضرت نیاز کی بے نیازی نے ڈھا دیا۔ اور یہ وہ عیب بلکہ ایسی غلطی ہے جو مشرب ادب مین گناہ کبیرہ ہے، مصنف کا شعر اس سے کہین زیادہ پُراثر تھا اور اب صاف نظر آنے لگا کہ حضرت شوق سندیلوی کے اُستاد (حضرت نیاز) نہ شاعر ہین نہ ادیب اور جناب ناطق فرماتے ہین کہ یہ اصلاح گذشتہ اصلاحون سے زیادہ لطیف ہے۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون ۵ اتنا مزور ہے کہ حضرت نیاز کی اصلاح کا اتنا حصّہ

کیا آرزو تازہ ہو پیدا کہ نظر مین — ابتک ہے وہ بربادیٔ ایوانِ تمنا

داد کے قابل ہے اس لئے کہ ابتک وہ بربادیٔ ایوانِ تمنا نظر مین ہے، کہنے سے اگرچہ بربادی ایوانِ تمنا کا واقعہ بہت پُرانا معلوم ہوتا ہے مگر اس سے اُس گہرے نقش کا پتہ چلتا ہے جو اس بربادی نے صاحب مکان کے دل پر چھوڑا ہے اور عیب تضمین کے ہوتے ہوئے بھی یہ ٹکڑا دلکش ہے۔

ارشاد ناطق:۔ صرف مصرع اولے پر پانچ شعرا نے اصلاح دی ہے احسن۔ آرزو۔ دل۔ ریاض۔ ناطق۔

معیار فروری ۲۹ء صفحہ ۱ کالم ۲ سطر ۹۔۲۰

اصلاح احسن و آرزو

ڈالے کوئی کیا آرزو تازہ کی بنیاد
نظرون مین ہے بربادیٔ ایوانِ تمنا

التماس بیخود۔ اصلاح مذکورہ کے متعلق مین اپنی رائے ظاہر کر چکا یہ کہنا اور باقی ہے کہ "کیا ڈالین" سے "ڈالے کوئی کیا" ایک اعتبار سے سبک تر ہے۔ اور ایک حیثیت سے سنگین تر۔

اصلاح ریاض

ویرانۂ دل مین کوئی گھر خاک بنائے
نظرون مین ہے بربادیٔ ایوانِ تمنا

معیار فروری ۲۹ء صفحہ ۱ کالم ۲ سطر ۱۴

التماس بیخود جناب ریاض کے متعلق جناب ناطق صامت نظر آتے ہین۔

اب شعر کا مفہوم یہ ہو گیا کہ ویرانۂ دل مین تمنا نے گھر بنایا تھا جو برباد ہو کے رہا، اسلئے معلوم ہوا کہ سرزمین دل کو آبادی راس نہین ۔ ویرانہ ۔ خاک ۔ بربادی ۔ ایوان ۔ اِن الفاظ نے شعر کے لطف و اثر کو بڑہا دیا ہے کوئی گھر خاک بنائے ، اس ٹکڑے مین محاورہ کے صرف برمحل نے اور زیادہ لطف پیدا کر دیا ، لفظ ویرانہ سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ صرف ایوانِ تمنا ہی خاک مین نہین مل گیا بلکہ سرزمین دل مین کہین آبادی کا نام و نشان نہین ایک ہُو کا میدان ہے جہان ہر طرف خاک اُڑتی ہے ۔

مگر یہ سب کچھ سعیِ اصلاح شعر شوق نہین ۔ بیتِ بیاض ہے ۔ تخیل کچھ سے کچھ ہو گئی ۔

اصلاحِ دل

اب کیا کسی اُمید کی بنیاد ہو قائم
نظرون مین ہے بربادیٔ ایوانِ تمنا

مہر فروری ۲۹ سنہ ۶ صفحہ ۱۰ کالم ۲ سطر ۱۱۵

التماس مجوزہ ۔ یہان بھی حضرت ناطق کا ناطقہ سربگریبان ہے ۔ یہ اصلاح بُری نہین اس مین وہ عام غلطی نہین جس سے دامن بچانا بہتیرون کو دشوار ہو گیا ۔ یہان اب سے مدت مدید کا گذر جانا ظاہر نہین ہوتا اسلئے کہ یہ ممکن ہو کہ نئی نئی ناکامی کے بعد جب جگر کے زخم آلے ہون عاشق نے ایسا کہا ہو یہ مفہوم اعتراض کی زد سے باہر ہے ۔ بنیاد قائم ، بربادی ، ایوان ، اتنے الفاظ متناسب شعر مین جمع ہو گئے ہین ہان لفظ قائم ، نے شیرینیِ زبان کو کسی قدر گھٹا دیا ۔

ارشاد ناطق ۔

کیا رکھئے کسی آرزو تازہ کی بنیاد
نظرون مین ہے بربادیٔ ایوانِ تمنا

التماس مجوزہ ۔ اپنی اصلاح کے باب مین بھی حضرت ناطق سربسر در گلو ہین اور کیون

صرف اسلئے کہ کیا رکھئے، مین بھی کیا ڈالین، واالادم باقی ہے حقیقت یہ ہے کہ اصلاح نے شعر مصنف مین کوئی خوبی نہین پیدا کی تخئیل کی وہ عام غلطی اسمین بھی موجود ہے۔

ارشاد ناطق:۔ دوسرے مصرع پر چار صاحبون نے اصلاح دی ہے جگر۔ سائل۔ محشر۔ نظم طباطبائی۔

سہیل فردوس صفحہ ۱۰ کالم ۲ سطر ۱۸ تا ۲۰، صفحہ ۱۱ کالم ۱ سطر ۱ تا ۲

اصلاح جگر

کیا ڈالین کسی آرزوِ تازہ کی بنیاد
برباد کیا ہجر نے ایوانِ تمنا

ارشاد ناطق:۔ اس تبدیلی کے یہ معنے ہوئے کہ نصف مصرع کا مضمون خارج ہو گیا یعنی نظرون مین ہونا اور نصف باقی رہ گیا۔ بلاغت کا عذاب و ثواب اصلاح کی گردن پر اور ہجر کے اضافہ سے کوئی معنوی بہتر اضافہ نہین ہوا۔

التماس بیخود۔ یہان حضرت ناطق کی رائے معقول ہے۔

اصلاح سائل۔ مسمار ہوا جاتا ہے ایوانِ تمنا

ارشاد ناطق۔ اسکا یہ مفہوم ہوسکتا ہے کہ نئی آرزو کی وجہ سے ایوانِ تمنا مسمار ہوا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ کوئی شے کسی ایک اقتاد سے مسمار نہین ہوتی (شے کا مسمار ہونا بھی حضرت ناطق کی محاورہ آفرینی کا ثبوت ہے۔ بیخود) بلکہ متعدد آفتون سے۔

سہیل فردوس صفحہ ۱۱ کالم ۱ سطر ۳ تا ۶

التماس بیخود۔ مین نہ سمجھون تو بھلا کیا کوئی سمجھائے مجھے۔ اس اعتراض آفرینی کی داد کون دے سکتا ہے۔ حق یہ ہے کہ حضرت سائل کی اصلاح خوب ہے اس مین جو زمانہ قائم کیا گیا ہے وہ افزائش معنی و افزونی اثر کا کفیل ہے اس لئے کہ کسی مکان کے

برباد ہو جانیکے بعد اُسکی بربادی کا نظر مین ہونا دل پر اُتنا اثر نہین ڈالتا جتنا خود مکان کو گرتے ہوئے دیکھنا۔ اسلئے کہ وہ گذرے ہوئے واقعہ کی یاد ہے جسکے بعض اجزا رکا فراموش ہو جانا یقینی ہے اسکے سوا عرصہ تک کسی بات کا دل مین برابر رہنا اُسکے دل گداز اور ہیبت انگیز اثر کو کم کر دیا کرتا ہے اسلئے کہ طبیعت اُسکی خوگر ہو جاتی ہے۔

یہ ضرور ہے کہ نظرون مین ہے بربادیٔ ایوانِ تمنا ڈھلا ہوا مصرع ہے، مگر جناب سائل کے یہان لفظ مسمار بھی طبع فصاحت پر گران نہین اسلئے کہ گرد و پیش کے الفاظ بھی ایسے ہی لنگر دار ہین مثلاً۔ بنیاد۔ آرزو تازہ۔ ایوانِ تمنا۔

اصلاح نظم۔ ہے یاد وہ بربادیٔ ایوانِ تمنا

ارشاد ناطق:۔ مفہوم نہین بدلا لفظ بدل گیا۔ اصل مین یون تھا نظرون مین ہے بربادیٔ ایوانِ تمنا، اصل مصرع مین محاکات ہے اور اسی کا اثر ہے، اسلئے اصلاح سے اصل مصرع زیادہ فصیح ہے۔

مہر فروری
صفحہ ۱۱ کالم ۱
سطر
(۱۰-۱۶)

التماس تجوید۔ جناب ناطق کی رائے بیان غلط نہین صرف لفظ فصیح بیان کرنے سے محل صرف ہوا ہے اسلئے کہ اس عبارت کے بعد واقع ہوا ہے، اصل مصرع مین محاکات ہے، اور اسی کا اثر ہے، بیان معنی خیز پر معنی بلیغ لکھنا چاہیئے تھا۔ ہان "ہے" حرف ربط کے شروع مصرع مین ہونے سے تعقیب پیدا ہو گئی ہے مگر نظم مین عام ہے۔

شعر سوم

ہچکی کی صدا جسے سب سمجھے دمِ آخر
ٹوٹا تھا یہ قفل درِ زندانِ تمنا

مہر فروری
۲۹ سنہ ۶
صفحہ ۱۱ کالم ۱
سطر
(۱-۱۵۰)
کالم ۲ سطر
(۱-۲۲)

ارشاد ناطق:۔ ہچکی کی قفل سے بہترین تشبیہ ہے تخیل ظاہر ہے بادی النظر مین ایک عیب ہے کہ ٹوٹا تھا ماضی بعید ہے اور یہ حرف

اشارہ بعید نہین ہے بلکہ قریب ہے اسمین یہ کا مشارٌالیہ فقط نہین ہے نہ کوئی ایک شے بلکہ ایک واقعہ ہے ایسے موقعون پر واقعہ اگرچہ ماضی بعید ہو، مگر 'یہ' کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے (واقعہ نہ ہوا سفوف بڑا جو 'یہ' کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے) مثالون سے واضح ہوگا۔

یہ کیا تھا؟ یہ کون آیا تھا؟ یہ تو ہم جانتے تھے اسکی نحو کا فلسفہ ہے کہ اگر اشارہ بعید یعنی 'وہ' ایسے موقع پر استعمال کیا جائے تو کہین مفہوم بدل جائے گا کہین ایسا معلوم ہوگا کہ اس واقعہ کو بہت زیادہ زمانہ گذر گیا اور کہین کم سے کم اثر اور زور فقرہ کا جاتا رہے گا ان مثالون کو 'وہ' کے ساتھ دیکھیے۔

یہ کیا تھا؟ وہ کیا تھا؟ (مفہوم بدلگیا) یہ کون آیا تھا؟ وہ کون آیا تھا؟ (فقرہ مہمل ہوگیا) یہ ہمارا کام تھا۔ وہ ہمارا کام تھا (زمانہ زیادہ بعید ہوگیا) یہ تو ہم جانتے تھے۔ وہ تو ہم جانتے تھے (اثر کم ہوگیا)

ان مثالون سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ہر ماضی بعید کے جملہ مین بعید لازمی نہین ہے بلکہ بعض موقعون پر غلط اور خلاف مقصود ہوتا ہے یہ مصرع کہ ٹوٹا تھا یہ قفل درِ زندانِ تمنا، اوہنی اقسام مین سے ہے کہ اشارہ بعید اگر لایا جائے تو اثر اور زور کم ہوجائے گا۔

خام خیال ہے کہ ہر ماضی بعید کو بُعد ہوتا ہے قربت نہین ہوتی، یہ کلیہ ادنے امثالون سے درہم و برہم ہوجاتا ہے ایک سیلاب ابھی آیا تھا ایک سیلاب نوح (غالباً یہ حضرت نیاز کی ہمسائگی کا اثر ہے کہ نوح کے ساتھ حضرت

یا علیہ السلام و غیرہ کہنے کی ضرورت نہین رہی) کے زمانہ مین آیا تھا،
وہ جو نوح کے زمانہ مین آیا تھا ساری دنیا کو محیط تھا اور 'یہ' جو ابھی آیا تھا
صرف ایشیا تک محدود تھا، دیکھیئے دونون ماضی بعید ہین لیکن بالنسبة
قرب و بُعد ہے اُسی نسبت سے وہ اور یہ کا استعمال ہوتا ہے ہر ماضی بعید
کیلئے وہ لازم نہین اسلئے مصرع مین بسبب قربت اثر زیادہ ہے،
ٹوٹا تھا یہ قفل درِ زندانِ تمنا۔
یعنی یہ واقعہ جو ابھی گذرا ہے ہچکی کی صدا نہ تھی بلکہ درِ زندانِ تمنا کا قفل
ٹوٹا تھا مگر کثرت رائے میرے خلاف ہے کیونکہ گیارہ شاعرون نے یہ کو
'وہ' سے بدلا ہے، احسن۔ اطہر۔ افضل۔ باقی۔ بیباک۔ بیخود دہلوی
جگر۔ یکتا۔ دل۔ ریاض۔ وحشت یا اور بقیہ شعرا مین سے بھی تین شاعرون نے
اگرچہ 'یہ' کو وہ نہین بنایا ہے مگر اُنکی اصلاح سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ اُنکی
رائے بھی یہی ہے کہ 'وہ' ہونا چاہیئے۔

بیخود۔ جناب ناطق نے اگر صرف اتنا کہنے پر اکتفا فرمائی ہوتی کہ 'یہ' کا مشار الیہ یہ واقعہ ہے تو
بہتر تھا بیان ماضی بعید اور اشارہ بعید و قریب کی بحث کو اتنا طول دینا ضروری نہ تھا۔

اصل شعر۔
ہچکی کی صدا سب جسے سمجھے دمِ آخر ٹوٹا تھا یہ قفل درِ زندانِ تمنا

اصلاح سائل
ہچکی جسے سمجھے ہوئے بیٹھے ہین سب احباب
ٹوٹا نہ ہو قفل درِ زندانِ تمنا،

ارشاد ناطق۔ سمجھے ہوئے بیٹھے ہین: کا لُطف اس حادثہ مرگ پر قابل توجہ ہے۔

بصیر فروری
۲۵ سنہ ۶
صفحہ ۱۱ کالم ۲
سطر ۲۲-۲۴

التماس تجویز۔ اصلاح سائل پر یہ کہنا کہ سمجھے ہوئے بیٹھے ہین کا لطف اس حادثہ مرگ
پر قابل توجہ ہے۔ اُردوئے معلیٰ کے محاورات سے بیخبری کی خبر دیتا ہے۔ جناب نقاد نے
سمجھے ہوئے بیٹھے ہین، پر تعریض فرمائی ہے۔ یعنی احباب کیسے نااہل ہین کہ ایک دوست کا تو دم
نکل گیا اور یہ ہین کہ ہچکی کو موت کی ہچکی سمجھکر بھی مطمئن بیٹھے ہین نہ روتا ہے نہ تڑپتا حالانکہ زبان اُردو
کے سب سے بڑے گنجینہ دار سائل (یہ میری ذاتی رائے ہے) انے یہ کہا ہی نہین بلکہ محاورہ کے
معنی لئے ہین یعنی احباب جسکو غلطی سے موت کی ہچکی سمجھے وہ قفل در زندان کے ٹوٹنے کی آواز
تھی یہ ضرور ہے کہ محاورہ ایسے محل پر صرف کر دیا ہے کہ محاورہ دانی کا امتحانی سوال بنکر رہ گیا ہے
مین صاف سی مثال دیدون اور یہ مرحلہ طے ہوجائے جیسے کوئی کہے کہ آپ جسے اپنی فتح سمجھے
بیٹھے ہین۔ یا سمجھے ہوئے بیٹھے ہین، وہ کہین آپ کی شکست نہو۔

وجوہ بلاغت اصلاح۔ اس شعر سے پتہ چلتا ہے کہ عاشق نے مرتے دم تک راز عشق کو
چھپایا اور یون چھپایا کہ احباب تک ناواقف رہے جب موت کی ہچکی زندگی کا خاتمہ کر گئی
تو وہ بزبانِ حال اطمینان و تفاخر کی شان سے کہتا ہے کہ اے میرے دوستو جسے تم موت
کی ہچکی سمجھے وہ قفل درِ زندانِ تمنا کے ٹوٹنے کی آواز تھی یعنی ہم دنیا سے ناکام چلے ساری عمر
اخفائے راز کی کوشش مین کٹ گئی اور تمنا کی بیڑیان موت نے کاٹین۔

۲۔ سب احباب کہنے سے بھی معنی مین زور پیدا ہوگیا ہے یعنی کوئی دوست بھی تاڑ نہ سکا
یہان تک کہ ہمارا خاتمہ ہوگیا۔

۳۔ ہماری موت کوئی معمولی موت نہین بلکہ ایک عاشق ناکام کی موت ہے۔

۴۔ باعتبار الفاظ بھی یہ اصلاح غنیمت ہے ہچکی کے بعد 'کی' آجانے سے 'ع ک' کی تکرار
ہوگیا تھا، سائل نے اس عیب کو بڑے حسن سے نکال دیا اور دوسرے مصرع مین 'ٹوٹنا ہو'

کہکر مصرع کو اور لطیف کر دیا ہے، ہان یہ ضرور ہے کہ صرف ہچکی، کہکر دمِ آخر کی ہچکی مُراد لی اور قفلِ درِ زندان کے ٹوٹنے کے نازک رابطہ کے بل پر۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ جناب نقاد برابر ہچکی کی صدا سب جسے سمجھے دمِ آخر، پڑھتے چلے آرہے تھے سمجھ گئے اور کوئی اعتراض نہین فرمایا۔

معیار فروری ۲۵ سنہ ۶ صفحہ ۱۱ کالم ۲ سطر ۱۴-۱۰

حضرت ناطق نے اصلاح متذکرہ صدر سے یہ عجیب وغریب نتیجہ نکالا ہے کہ سائل نے بھی وہ۔ کو صحیح نہین سمجھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اُنکی اصلاح سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہچکی کی مین جو کراہت اور ٹوٹا نہ ہو مین جو لطافت ہے اُسنے اُنکو اِسطرف کھینچا۔

اصلاح شفق

ہچکی کی صدا سُن کے مین سمجھا دمِ آخر
ٹوٹا کوئی قفلِ درِ زندانِ تمنا،

معیار فروری صفحہ ۱۱ کالم ۲ سطر ۲۵
معیار فروری صفحہ ۱۲ کالم ۱ سطر ۱-۲

ارشاد ناطق۔ اس اصلاح مین دو نکتے لطیف تر ہین، ہچکی کی صدا سُنکے مین سمجھا دمِ آخر، یعنی مرنے والا کوئی اور شخص ہے اور کوئی قفل جو ٹوٹا تو یہ نتیجہ نکلا کہ بہت سے قفل ہین۔

التماس نجود۔ جو لطیف نکتے بیان کئے گئے ہین وہ اعتراض آفرینی کے شوق اور دقتِ نظر کے فقدان کی منادی کرتے ہین انمین کوئی بات قابلِ اعتراض نہین، مین سمجھا، سے یہ تو نہین نکلتا کہ مرنے والا کوئی اور شخص ہے بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرنیوالے کو موت کی ہچکی پر یہ خیال گذرا کہ قفلِ درِ زندانِ تمنا ٹوٹا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وقتِ آخر بھی اُسکو اپنی ناکامی اور اپنی تمناؤن کی اسیری کا خیال ہے موت کو ہادمِ لذات نہین سمجھتا کوئی بُری شے نہین قرار دیتا بلکہ اپنا محسن سمجھتا ہے جس نے اُسکے دل مین قید رہنے والی تمناؤن کو آزاد کیا۔ اس بات کا لطیف ہونا تعریف سے بے نیاز ہے، مثال سے میرا مفہوم زیادہ صاف ہو جائے گا۔

(قطعہ بیخودؔ موہانی)

ہنگامِ نزع سانسین کھنچ کھنچکے آرہی ہین | جھٹکون سے ٹوٹتی ہین قسمین نباہنے کی
دل مجھ سے پوچھتا ہے مین دل سے پوچھتا ہون | آواز آرہی ہے کسکے کراہنے کی،

فرق اتنا ہے کہ اس قطعہ مین نفس مطئنہ کی حالت دکھائی گئی ہے اور اصلاح شفق مین، اُس محویت کی جو تمنائے یار کے لوازم سے ہے۔

۲۔ رہا دوسرا اعتراض وہ بھی بے بنیاد ہے ' دم آخر وقتِ نزع کو بھی کہتے ہین اور دمِ مرگ کو بھی یہ کچھ ضرور نہین کہ مرتے وقت ایک ہی ہچکی آئے اور یہ بھی ضروری نہین کہ درِ زندان مین ایک ہی قفل ہو، چوک اور امین آباد کی دوکانون مین کئی کئی قفل لگائے جاتے ہین پھر یہ تو قید خانہ ہے۔

یہ اصلاح بھی ظاہر نہین کرتی کہ حضرت شفق ' یہ' کو نکالنا چاہتے تھے اور نکالنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ اسے نحوی غلطی سمجھتے تھے بلکہ ' مین سمجھا' کے ٹکڑے سے تمنا کی محویت ظاہر ہوتی تھی اسلئے جب یہ ٹکڑا آیا تو دوسرے مصرع مین یہ تصرف ضروری ٹھہرا اسے ناطقی قریب و بعید کی بحث سے کوئی تعلق نہین۔

اصلاح مضطرؔ

ہچکی کی صدا اسکو نہ سمجھو دمِ آخر
ٹوٹا ہے یہ قفل درِ زندانِ تمنا

ارشاد ناطقؔ۔ یہ اصلاح بھی ظاہر کر رہی ہے، کہ ٹوٹا تھا، کے ساتھ یہ انکو بھی ناگوار تھا یہ رہنے دیا لیکن ٹوٹا تھا، کو ٹوٹا ہے، بنا دیا تاکہ زمانہ کا فرق نہ رہے۔

بصر فروری صفحہ ۱۲ کالم ۱ سطر (۴۰-۴۰)

التماس بیخودؔ۔ حضرت ناطق کا یہ خیال صحیح نہین کہ جناب مضطر نے یہ سب جھگڑے یہ کہکے

کئے بلکہ اپنی اصلاح مین جو صورت اُنھون نے رکھی ہے وہ اُن کے رنگ کی ہے (اُن کا خاص رنگ معاملہ بندی ہے) سمجھو، سے معلوم ہوتا ہے کہ معشوق سے خطاب ہے کہتے ہین کہ میری موت کو تم معمولی موت نہ سمجھو تمہارے تغافل تمہارے جور وستم سے تمنائین دل کی دل مین رہین اور ان اسیران بدنصیب کی رہائی ہوئی تو موت کے صدقہ مین ۔معشوق کا سامنے موجود ہونا اور میت عاشق کا بزبان حال یہ کہنا شعر مین تکمیل محاکات کر رہا ہے ۔لیکن اصل شعر مین بھی ایک مزہ تھا۔

ارشاد ناطق :۔ جملہ ۱۲ شاعرون کی یہی رائے ہے اصلاح دینے والون مین صرف نیاز و محشر کی رائے مجھ سے متفق ہے کیونکہ انھون نے زمانہ بعید کے ہوتے ہوئے بھی 'یہ' جائز رکھا ہے۔

سہ ماہی فروری صفحہ ۱۲ کالم ۱ سطر (۸-۱۲)

اصلاح نیاز

ہچکی کی صدا سب جسے سمجھے تھے دم نزع
ٹوٹا تھا یہ قفل درِ زندانِ تمنا

التماس مجود۔ جناب نیاز کو 'یہ' اور 'وہ' سے کوئی غرض نہین بلکہ اصلاح کی صورت خود فیصلہ کئے دیتی ہے کہ جناب موصوف پہلے مصرع مین سمجھے ماضی مطلق اور دوسرے مصرع مین ٹوٹا تھا، ماضی بعید کو کچھ بے جوڑ سا سمجھے اس لئے ہر مصرع مین زمانہ بعید رکھا اور بس یعنی سمجھے، کو سمجھے تھے، بنا دیا۔ اور ٹوٹا تھا، کو بحالہ قائم رکھا۔ اِسے اپنی رائے سے اتفاق سمجھنا غلطی ہے یا مغالطہ۔

اصلاح نیاز سے شعر مین کوئی خوبی پیدا نہین ہوئی بلکہ دو خرابیان بڑھ گئین۔

نکتہ ۱: سمجھے، ماضی مطلق تھا اور سمجھے تھے، ماضی بعید۔ سمجھنے مین گذرے ہوئے زمانہ کے متعلق اُتنا بعد مفہوم نہ ہوتا تھا جتنا سمجھے تھے، مین۔ اسلئے مصنف نے جو صورت اختیار کی تھی کہ یہ معلوم ہو کہ یہ واقعہ جو ابھی ابھی گذرا ہے یہ حالت باقی نہ رہی۔ اور اصلاح اُستاد تخریب شعر ٹہری۔

نکتہ :- فصاحت کے اعتبار سے یہاں دم نزع، اور دم آخر میں بڑا فرق ہے، یہ دونوں ٹکڑے وہ ہین جن پر مصرع اول ختم ہوتا ہے آخر میں صرف "ر" ساکن ہے اور نزع مین "ز" اور "ع" ان دونون ساکنون کے آخر مصرع مین واقع ہونے سے زبان غزل کی نرمی نسبتاً گھٹ گئی، اسلئے کہ تلفظ مین نزع کا عین کچھ اچھل سا جاتا ہے آخر کے تلفظ مین یہ بات نہین مگر یہ باتین ہر کس و ناکس کے بس کی نہین۔ مینے صرف عوام کی نفع رسانی اور خواص کی دلچسپی کیلئے لکھدین اس محل پر نہ جناب نقاد میرے مخاطب ہین نہ اصلاح دینے والے بزرگ۔

اصلاح محشر۔ اے چارہ گر و نزع مین کیا چیز تھی ہچکی ٹوٹا تھا یہ قفل در زندان تمنا

ارشاد ناطق :۔ اصل مصرع ہچکی کی صدا سب جسے سمجھے دم آخر،

فصیح غیر فصیح کا فیصلہ ناظرین کی رائے پر۔

التماس بیخود۔ معلوم نہین حضرت ناطق کس زبان مین گفتگو فرماتے ہین اکثر انکے قلم سے وہ الفاظ نکلتے ہین جو انکی مراد یا مقتضائے مقام کے خلاف ہوتے ہین یہاں فصیح و غیر فصیح کا فیصلہ ناظرین کی رائے پر چھوڑا گیا ہے یہ صرف اسلئے کہ انکے نزدیک حضرت محشر کا مصرع فصیح نہین اور وہ اسے کھلکر کہنا نہین چاہتے لیکن واقعہ اسکے خلاف ہے جناب محشر کی اصلاح مین "ہچکی کی" سے جو کریہہ آواز پیدا ہوتی تھی باقی نہین رہی اسلئے اسے اصل مصرع کے مقابلہ مین غیر فصیح کہنا روا نہین اور جہان فصیح و غیر فصیح کا دکھڑا رو دیا گیا ہے وہان بلیغ و غیر بلیغ کا فیصلہ کرنا چاہیئے تھا۔

حضرت محشر کی اصلاح سے شعر مین دو معنوی عیب پیدا ہو گئے ہین۔ ۱ یہان چارہ گرون سے خطاب لایعنی ہے اگر چارہ گر ہوتا تو معشوق بھی مراد لیا جا سکتا تھا اور مفہوم یہ ہوتا کہ اے معشوق جسکو تو موت کی ہچکی سمجھا ہے وہ قفل در زندان تمنا کے ٹوٹنے کی آواز ہے یعنی تو نے میری کوئی حسرت نہ نکالی آخر یہ نتیجہ ہوا کہ تیرے اسیر دل کو موت نے آزاد کیا۔

۲ پھر پوچھنے کا یہ انداز بھی کچھ اچھا اچھا سا معلوم ہوتا ہے یہ بھی کوئی کہنے کا انداز ہے کہ اے چارہ گر و نزع مین جو ہچکی مجھے آئی تھی وہ کیا چیز تھی اچھا تم نہین جانتے تو ہم بتائے دیتے ہین کہ یہ ہچکی نہ تھی بلکہ قفل در زندان تمنا کے ٹوٹنے کی آواز تھی۔ یہ وقت میت کے پہلیان بجھوانیکا نہین ہے

بصر فروری ۲۹ سنہ ۶ صفحہ ۱۲ کالم ۱ سطر ۱۳-۱۵

نہ اس نے یہان وہ کیفیت پیدا کی جو علامہ فیضی کے یہان نظر آتی ہے۔

نل گفت کہ اے طبیب نادان — بیکار علاج خود مگردان

نشتر چہ زنی رگِ جنون را — آگاہ نئی تپ درون را،

مبصر فروری صفحہ ۱۲ کالم ۳ سطر (۶-۹)

یہان اتنا اور بھی کہدینا ہے کہ جب حضرت ناطق یاران سرپل کے متعلق گلفشانی فرماتے ہین تو کھینچ تان کر کوئی نہ کوئی اعتراض جڑدیتے ہین. جیسے یہان بیخود موہانی بیخود قدوائی. اور نیاز فتحپوری کی رائے اصلاح کے بارے مین زیادہ تر قابل سند ہے کیونکہ بیخود اور شوق کو کسی کا شعر ذرا مشکل سے پسند آتا ہے اور اپنے شعر سے بھی زیادہ دوسرے کے شعر کو احتیاط و غور سے دیکھتے ہین (یہ ظالم الیسا بے دیل غور کرتے ہوئے بھی نہین جھجکتا) مگر جب یاران طریقت کی باری آتی ہے تو فصیح و غیر فصیح کا فیصلہ ناظرین کی رائے پر چھوڑتے ہین اور ایسا کیون نہو آخر یگانے بیگانے مین کچھ فرق ہی ہین جناب محشر نے جبتک پہلے مصرع مین بجی تھی، کیا چیز تھی بجی، اجڑ بانسلی اسوقت تک خالی ٹوٹا تھا کار بنا گوارا نہ کیا اور جناب نقادین کا سے اپنی رائے سے اتفاق ہی سمجھے جاتے ہین ع۔ ستم کردی الہی زندہ باشی! ایسے سوال مین کوئی بھی یہ کودہ سے بدلنے کی ضرورت نہ سمجھے گا غریب محشر ہی پر کیا منحصر ہے۔

حضرت ناطق نے اپنا اور ناظرین مبصر کا جتنا وقت یہ اور وہ کی دور از کار اور غلط بحث مین ضائع کیا کاش کسی طرح اسکی تلافی ہو سکتی۔

ارشاد ناطق:۔ ۱۲ شاعرون نے کوئی اصلاح نہین دی لیکن اگر کوئی غلطی ہوتی تو یہ غیر ممکن تھا کہ کوئی استاد بے پروائی کرتا انکے اسمائے گرامی یہ ہین:۔

مبصر فروری ۳۶ء صفحہ ۱۲ کالم ۱ سطر (۱۷-۲۵) کالم ۲ سطر (۱-۱۰)

بیخود موہانی جلیل۔ آرزو۔ صفی۔ عزیز۔ بزم۔ شہرت۔ زہری۔ نظم۔ ناطق۔ شوق اور وہ شاعر ہین جو کہ زمانہ بعید مین بھی یہ کو جائز کہتے ہین کل پندرہ شاعر ہوئے انکے مقابلہ مین ۱۲ شاعر ہین جو کہ اس ترکیب کو نحوی غلطی سمجھتے ہین خیر یہ کوئی تعجب انگیز بات نہین ہے مگر حیرت اس بات کی ہے کہ اگر میری رائے جسکے ساتھ ۱۴ شاعر اور بھی ہین صحیح ہے کہ وہ سے یہ مین اثر زیادہ ہے تو اس نقص مین اسقدر توارد ہونا بہت ہی عجیب ہے ۱۱ شاعرون نے بغیر..... (یہان کچھ عبارت رہگئی ہے بیخود) بعینہ یہی اصلاح دی ہے۔

اصلاح۔ ٹوٹا تھا وہ، قفلِ درِ زندانِ تمنا

اصل مصرع۔ ٹوٹا تھا یہ، قفلِ درِ زندانِ تمنا

آخر میں یہ کہنا ہے ہچکی کی صدا، میں 'ہچکیکی' ہو جاتا ہے مجھے اسکے نکالنے کی کوشش کرنی چاہیئے تھی۔ مین نے سہل انگاری اور بُرا کیا۔

شعر چہارم۔

جز خواب نہین وعدہ باطل کی حقیقت
جز وہم نہین موجہ طوفانِ تمنا،

ارشاد ناطق:۔
تخئیل اس کی یہ ہے کہ اُنکے چھوٹے وعدے سے تھوڑی دیر کیلئے ایک مسرت پیدا ہو جاتی ہے وہ ایک خواب سے زیادہ وقعت نہین رکھتی اور تمناؤن کا طوفان محض ایک خیالی اور موہوم چیز ہے۔

مہر فروری صفحہ ۱۲ کالم ۲ سطر ۱۱-۲۵) معبر مارچ صفحہ ۳۳ کالم ۱ سطر ۱ - ۹،

عیوب۔ اس شعر مین یہ عیب سب سے بڑا ہے کہ دونون مصرعون کا باہمی ربط و تعلق بہت ہی کمزور ہے کیونکہ اُسکے وعدہ سے تمنائین ضرور پیدا ہوتی ہین مگر لازم نہین کہ تمناؤن کا وجود وعدہ پر منحصر ہو جبتک مصرع اولیٰ کی کسی چیز سے مصرع ثانی کی کسی چیز کا تعلق لازمی نہ ہو خواہ وہ لزوم منطقی نہ ہو شاعرانہ ہی ہو اور گو کہ بغیر ربط کے دونون مصرع اپنی اپنی جگہ پر صحیح معنی دار ہو سکتے ہین مگر دونون مل کر مہمل ہو جاتے ہین۔ یہی اُصول تمام معنی بند اشعار کا ہے کہ دونون مصرعون کے درمیان کچھ الفاظ محذوف ہوتے ہین جو کہ الفاظ سے لزوماً پیدا ہوتے ہین اور وہی باعث ربط ہوتے ہین۔

جو اس فلسفہ سے واقف نہین ہے اور اس رنگ کو کہتے ہین اُنکے کلام کا اکثر حصہ مہمل ہوتا ہے۔ اشاعرون نے اسے اصلاح سے مستغنی رکھا ہے اور گیارہ نے اصلاح دی ہے۔

نمبر ۱۔ دولخت ہونے کا عیب اس شعر مین غلطی کی حد تک نہین پہونچتا
کیونکہ وعدے کیلیئے تمنا لازم ہے مگر تمنا کیلیئے وعدہ لازم نہین ہے۔ اسلیئے
تعلق ہے تو نگر کمزور ہے اس کمزور ربط کے علاوہ دوسرا عیب اس شعر مین
یہ ہے کہ موج طوفان کی تشبیہ وہم سے نامناسب ہے، وجہ یہ کہ وہم
ایک خفیف حس ہے جبتک یہ جنون کی حد تک نہ پہونچے موج طوفان سے
مماثل ہونے کے لایق نہین۔
التماس ہیچمدان۔ یہ شعر دولخت نہین اور نہ اس کا ربط کمزور ہے۔ جب وعدہ باطل سے
تمناؤن کا پیدا ہونا جناب نقاد بھی تسلیم کرتے ہین تو ربط کو کمزور اور شعر کو دولخت بتانا
سراسر ظلم ہے شاعر نے کہین یہ دعویٰ نہین کیا کہ اسکا عکس بھی صحیح ہے یعنی تمنا کیلیئے
وعدہ لازم ہے نہ یہ کوئی مسلمہ قید ہے کہ جس بات کا عکس صحیح نہ ہو وہ ناقابل ذکر ہے
اور جب یہ بات روزمرہ مشاہدہ مین آتی ہے کہ معشوق کے جھوٹے دعوے سے
تمنائین ضرور پیدا ہوتی ہین۔ تو یہ بحث دوراز کار ہے۔
اُن کے جھوٹے وعدے سے، مین اُنکے، ظاہر کرتا ہے کہ یہ وعدہ معشوق ہی کا
ہے اور جب ایسا ہے تو عاشق کے منھ پر یہ بات زیب نہین دیتی کہ وہ وعدۂ یار
کو اگرچہ وہ جھوٹا ہی سہی خواب کہے یا طوفان تمنا کو وہم قرار دے اسلیئے جناب نقاد
کا پہلا فرض یہ تھا کہ وہ شعر کا محمل صحیح بیان فرماتے مگر اُنھون نے تغافل روا
رکھا اس لئے اُنکا یہ فرض یا قرض مین ادا کیے دیتا ہون۔
ایسی باتین عاشق کی زبان سے صرف ایسے وقت نکل سکتی ہین جب وہ وعدۂ یار
پر انتظار کی کڑیان جھیل رہا ہو اور معشوق کے ایفاء وعدہ مین جتنی دیر ہوتی جائے

اُسکی اُلجھن بڑہتی جائے اور وہ بار بار اُلجھ اُلجھ کر کے ؎

جز خواب نہین وعدہُ باطل کی حقیقت　　　جز وہم نہین موجۂ طوفانِ تمنا

یعنی معشوق نے جھوٹا وعدہ کرکے مجھے تھوڑی دیر کے لئے خوش کردیا اور یہ میری سادگی تھی کہ مینے اُسکے وعدہ کی بنا پر اتنی تمنائین اپنے دل مین پیدا کرلین ورنہ حقیقتاً وعدہُ یار خواب ہے اور میری تمناؤن کا طوفان وہم (خیالی و فرضی شے) ہے اسلئے کہ نہ وہ وعدہ وفا ہونیوالا ہے نہ یہ تمنائین بر آنیوالی ہین۔

علاوہ برین جن الفاظ مین یہ مفہوم ادا کیا گیا ہے اُن سے تکلف ٹپکتا اور تصنع برستا ہے۔ دوسرا عیب یہ بتایا گیا ہے کہ وہم ایک حس خفیف ہے اس لئے موج طوفان سے مماثل ہونے کے لائق نہین افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اب جناب نقاد کی تمام قوتین وہم بنکر رہ گئی ہین وہم حس ضعیف ہو یا حس قوی اُسکا خلاق ہونا زبان زد خاص عام ہے اور اسکی یہی صنعت بیان وجہ شبہ ہے حضرت ناطق کو خلط مبحث مین یدطولیٰ حاصل ہے۔

غالباً اونکو خبر نہین کہ وہم کو ضعیف مانا ہے تو یقین کے مقابلہ مین اسلئے کہ یقین کے بعد مرتبہ ہے ظن غالب کا اُسکے بعد خیال کا اُسکے بعد گمان کا سب سے آخر مین (سب سے کم) وہم کا بیان اُسکے قوی یا غیر قوی ہونے سے بحث کرنا بے محل قابلیت جتانے سے زیادہ وقعت نہین رکھتا۔

ہے یون کہ وہم وہ قوت ہے جو اُن چیزون کو موجود کر دکھاتی ہے جنکا وجود خارج مین نہین ہوتا اور یہی سبب ہے کہ اُسے خلاق کہتے ہین اور اسی لئے وہ طوفان سے مماثل ہونے کے قابل ہے۔

اب دیکھنا چاہیئے کہ وہ شاعر جن کی قابلیت جنکا تبحر جنکی اُستادی مسلم ہے اسے

کن موقعون پر استعمال کرتے ہین۔

بلبل شیراز سعدی علیہ الرحمہ

اے برتر از قیاس و خیال و گمان و وہم — وز ہرچہ گفتہ ایم وشنیدیم و خواندہ ایم

وہم کو یہان سب سے قوی سمجھ کر اس کا ذکر سب آخر میں کیا ہے۔

بیرون ز کائنات پرد صد ہزار سال ظہیر فاریابی سیمرغ وہم تا ز جنابش نشان دہد

جناب ناطق نظر فرمائین کہ ظہیر سے با خبر شاعر نے وہم کو سیمرغ سے باعتبار قوت تشبیہ دی ہے یا باعتبار ضعف۔ ایسی صورت مین یہ اعتراض آفرینی کوئی وقعت نہین رکھتی۔

حضرت ناطق نے شوق کے شعر مین دو عیب نکالے تھے مگر بحمداللہ وہ عیب اُنکی نارسائی فہم اور رسائی وہم کا نتیجہ ثابت ہوئے۔

ارشاد ناطق۔ بے ربطی کے عیب کو چار شاعرون نے محسوس کیا اور اصلاح دی۔

اصلاح بیخود موہانی

جُز خواب نہین جوشِ تخیُّل کی حقیقت — جز وہم نہین ہستیٔ طوفانِ تمنّا

ارشاد ناطق۔ تمنا اور تخیُّل کا تعلق ظاہر ہے کہ کسقدر بہتر ہے۔ اگر موج وہم کے ساتھ ایک مناسبت رکھتی تھی اب مطلق طوفان سے وہم کی تشبیہ بالکل بیگانہ ہوگئی۔ یہی صنعت خواب اور جوش تخیُّل کی تشبیہ مین ہے۔

مسعر بارچ ۱۹۱۶ء صفحہ ۳۲ کالم سطر (۱۷-۱۲)

بیخود۔ مین اپنی اصلاح کی وجہ عرض کردون۔

توجیہ اصلاح بیخود۔ مجھے صاف نظر آیا کہ دوسرے مصرع (جز وہم نہین ہستیٔ طوفانِ تمنا) مین فلسفیانہ و عارفانہ شان نکلتی ہے اور حضرت شوق اِسوقت اُس عالم کی سیر کر رہے ہین

جہان دنیا کی ہر شئے بلکہ دنیا خود ہی بے حقیقت نظر آتی ہے ' ورنہ معشوق کا وعدہ '
وہ جھوٹا ہی سہی خواب کہنے کے قابل نہین ہے، خیر ہم اسے جناب ناطق کی خاطر سے ایسا
ہی (بے حقیقت) مانے لیتے ہین مگر عاشق کی تمنائین تو سیماوی نہین ہوتین یہ وہ نقش
ہین کہ جہان ایک بار اُبھرے لوح دل کے ساتھ مٹتے ہین پھر عاشق ہوتے ہوئے
یہ کہنا کہ ہماری تمنائین وہم و خیال ہین کوئی معنی نہین رکھتا میرے نزدیک حضرت شوق
پہلا مصرع بھی اُسی انداز کا کہنا چاہتے تھے جس انداز کا دوسرا مصرع تھا یعنی شعر کے
دونون مصرعے جز، سے شروع ہون جیسا فخر المتاخرین مرزا غالب علیہ الرحمہ کا یہ
شعر ہے۔

جُز نام نہین صورتِ عالم مجھے منظور   جز وہم نہین ہستیٔ اشیا مرے آگے

مصنف سے جب پہلے مصرع مین موجہ طوفانِ تمنا کا جواب نہ بن پڑا تو وعدہ باطل، کا ٹکڑا
رکھدیا اور یہ سمجھ کر رکھا کہ یہ کمی اُستاد پوری کریگا۔ ہمنے دیکھا کہ وعدہ باطل سے
موجِ طوفان کا لنگر نہین اُٹھتا اس لئے اُسے جوش تخیل سے بدلا۔ اور جب جوش تخیل کا ٹکڑا پہلے
مصرع مین آگیا تو صاف نظر آیا کہ اس کا بار موجۂ طوفان سے نہین اُٹھتا۔ موجہ کو ہستی
سے بدلا اب جوش تخیلؔ اور طوفانِ تمنا ابر کے ٹکڑے ہوگئے اور یہی شعر کی حقیقی روح تھی
جسکا بے وجہ بدلنا خلاف عقل تھا اور یہی وجہ تھی کہ صرف اتنی ہی اصلاح ضروری سمجھی گئی
نکتہ۔ ایک بات اور کہتا چلون وہ یہ کہ اہل نظر کی نگاہ مین دنیا جوش تخیلؔ
اور جوش تمنا کا دوسرا نام ہے اور اب اس شعر کی فلسفیانہ و عارفانہ شان دیکھیے اور یہ
فیصلہ فرمانے کی کوشش کیجیئے۔ کہ حضرت شوق کا یہ شعر غالب لاجواب کے شعر کے انداز
کا ہوگیا ہے یا نہین۔

جز نام نہین صورتِ عالم مجھے منظور (غالب) جز وہم نہین ہستیِ اشیا مرے آگے
جز خواب نہین جوشِ تخیل کی حقیقت (شوق) جز وہم نہین ہستیِ طوفانِ تمنا

جاننے والے جانتے ہین کہ ایسی صورت کے سوا جب زور طبیعت سے پورا شعر الفاظ مناسب کے قالب مین ڈہل جائے ہمیشہ بنار خیال و بنار شعر مصرعِ ثانی پہ ہوتی ہے۔ اس لئے دوسرے مصرع پر مناسب مصرع بہم پہونچانا شاعر کا فرض ہوتا ہے یہ بھی ایک سبب ہے کہ مین نے دوسرے مصرع مین (موجۂ طوفانِ تمنا) دیکھکر پہلے مصرع مین جوشِ تخیل کا رکھنا ضروری سمجھا۔

میری اصلاح کا عیب

یہ ضرور ہوا کہ اس تغیر (جز وہم نہین ہستیِ طوفانِ تمنا) سے مصرع مین ایک عیب پیدا ہو گیا وہ یہ کہ "نہین ہستیِ" پڑھتے وقت "ہین ہس" ہو جاتا ہے اور فصاحت کے ابروؤن پر بل پڑنے لگتے ہین مگر عجیب اتفاق ہے کہ بالکل یہی بات ہے جو سیدی و مولائی (باعتبار شاعری) مرزا غالب اعلے اللہ مقامہ کے اس شعر مین پیدا ہو گئی ہے۔

جز نام نہین صورتِ عالم مجھے منظور (غالب) جز وہم نہین ہستیِ اشیا مرے آگے

لیکن یہ کوئی ایسا عیب نہین کہ اس کے خیال سے کوئی اچھا مضمون چھوڑ دیا جائے۔

سہرا مارچ صفحہ ۳۴ کالم ا سطر آخر کالم ۲ سطر ا تا ۵

ارشاد حضرت ناطق:۔ سائل نے پہلا مصرعہ علی حالہ رہنے دیا دوسرے مصرع کو یون بدلا ع

جز مرگ نہین موجۂ طوفانِ تمنا

خواب اور مرگ مین ایک خاص مناسبت ہے اور طوفان کے تمنا تشبیہ مین بھی وہم سے مرگ بہتر ہے ایک حادثۂ عظیم وہ بھی ہے

اور یہ بھی اس لفظ کے بدلنے سے شعر مین اس خوبی کا بھی اضافہ ہو گیا

کہ طوفانِ تمنا کا ایک نتیجہ خاص مرگ ہے۔

بیخود۔

اصلاح سائل

جز خواب نہین وعدہ باطل کی حقیقت

جز مرگ نہین موجہ طوفانِ تمنا

وعدہ باطل کو خواب کہا۔ موجہ طوفانِ تمنا کو مرگ فرمایا یقیناً مرگ سے خواب بلند تر اور کامل تر ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت سائل خواب کو نیند اور مرگ کو موت کے معنون پر لے رہے ہین اور یہ مدعائے مصنف کے خلاف ہے اُس نے انھین لفظون کو خواب خیال (بے حقیقت) کے معنون پر لیا ہے۔

اگر اصلاح کے مسئلہ سے تعلق نہ رکھا جائے تو یہ شعر حضرت سائل کی قابلیت کا ثبوت ہو سکتا ہے۔

ارشاد ناطق:۔ ناطق نے مصرع ثانی بدستور رکھا مصرع اولےٰ مین اصلاح دی۔

اصلاح ناطق

جز خواب نہین جز زدہ قلزم امید

جز وہم نہین موجہ طوفان تمنا۔

یہ امر قابل تسلیم ہے کہ لفظی تعلقات باہمی دونون مصرعون کے بہت کچھ ہو گئے اُدھر موج طوفان ادھر قلزم اُدھر تمنا اودھر امید مگر ایک عطف اور دو اضافتون نے مجتمع ہو کر شعر کو گنجلک کر دیا اگر دو اضافتون پر عطف کا اضافہ نہ ہوتا تو بھی اصلاح غنیمت ہوتی اور بہت سی باتین ایسی ہوتی

مبصر مارچ ۲۵ سنہ ۶ صفحہ ۳۳ کالم ۲ سطر (۶-۱۵)

ہین کہ اساتذہ کیلئے جائز ہوتی ہین اصلاح مین ناجائز ہوتی ہین اور
اسی طرح اسکا عکس یعنی بہت سے عیوب مبتدی کیلئے عیب نہین مگر اساتذہ
کیلئے سخت شرمناک ہین۔

التماس بیخود۔ اس مین شک نہین کہ اصلاح ناطق مین مناسب الفاظ جمع ہو گئے
ہین۔ اور یہ بھی واقعہ ہے کہ تمنا کے جواب مین امید کا ٹکڑا بہت اچھا نکالا گیا ہے۔ مگر
قابل افسوس ہے یہ امر کہ مد کے ساتھ جزر کا صرف صرف برائے بیت ہی نہین غلط بھی ہے
اور سبب یہ ہے کہ مقتضائے مقام کے خلاف ہے اس لئے کہ موجۂ طوفان تمنا کے مقابل مین
صرف مدقلزم امید کی ضرورت ہے (جزر گھٹنا) یہ ضرور ہے کہ مد کے ساتھ جزر،
بالعموم اُردو کے محاورہ مین ہے لیکن بلاغت ایسی پابندیون سے آزاد ہے قصہ کوتاہ اس
جزر کمبخت نے حضرت نقاد کی اصلاح کو غلط ہی کر کے چھوڑا۔

سہرا بابت صفحہ ۲۲ کالم اسطر (۹-۹)

اصلاح ناطق پر اُنھین کے ارشاد کے مطابق یہ اعتراض بھی وارد ہوتا ہے کہ
موج کی تشبیہ وہم سے نامناسب ہے وجہ یہ کہ وہم ایک خفیف حس ہے جبتک جنون کی
حد تک نہ پہونچے موج طوفان سے مماثل ہونے کے لائق نہین۔

جناب ناطق کا یہ ارشاد بھی قابل قبول نہین کہ ایک عطف اور دو اضافتون
نے مجتمع ہو کر شعر کو گنجلک کر دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اضافت ہو یا عطف نہ فصیح کہا
جا سکتا ہے نہ غیر فصیح گرد و پیش کے الفاظ و تراکیب اُسے غیر فصیح یا فصیح کر دیتے ہین
جناب ناطق کا یہ مصرعہ جز خواب نہین جزر و مد قلزم اُمید، جبتک اس مصرعہ کے
ساتھ ہے، جز وہم نہین موجۂ طوفان تمنا کسی طرح گنجلک نہین کہا جا سکتا کیونکہ جیسے
الفاظ ایک مصرعہ مین ہین ویسے ہی دوسرے مصرع مین۔ انداز بیان اور نشست الفاظ کا انداز

بھی دونون مصرعوںمین ایک ہے۔

مثلاً جزخواب ہنین کا جواب جزوہم ہنین اور جزرو مد قلزم اُمید کا جواب موجِ طوفانِ تمنا ملکہ میرے نزدیک اگر ایسا ہوتا تو ازن صحیح قائم نہ رہتا صورت موجودہ مین ہمنعت تِ صیع کی مرصع کاری نظر آتی ہے۔

حضرت نقاد نے پڑھ تولیا ہے کہ تواتر و توالی اضافات مخل فصاحت ہے مگر کبھی سمجھنے کی کوشش نہین فرمائی تین سے زیادہ اضافتون کا پے درپے آنا بالعموم غیر فصیح سمجھا جاتا ہے مگر محل اور موقع کی شناخت ہر خاص و عام کے بس کی نہین۔

تین اضافتین کیسی میرے نزدیک اگر زیادہ بھی ہون تو مخل فصاحت نہون گی بشرطیکہ اپنے محل پر ہون اور یہ معلوم ہوتا ہو کہ پر بین جڑ دی گئی ہین مثلاً ملا جامی لوائح مین فرماتے ہین۔

مرتبہ ثانیہ تعین اوست بہ تعینی جامع مرجعِ تعیناتِ فعلیہ وجوبیہ الیہ را و جمیع تعیناتِ انفعالیہ امکانیہ کونیہ را۔

روائح جامی صفحہ ۱۰ سطر (۱۰-۱۱) مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ

لسان الغیب شیرازی کیا خوب کہتاہی۔

نہ ہر کہ طرف کلہ کج نہاد و تند نشست ۔۔۔ کلاہ داری و آئین سروری داند

ہزار نکتہ باریکتر زمو اینجا ست ۔۔۔ نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

(شیرازی)

ارشاد ناطق۔ یہ شعراپنی بندش و ترکیب مین ایک ایسا امٹیشن ہے کہ اسکی جلا پردازی مین ہ شاعرون نے عجیب قسم کی بے پردائی کی ہے افضل نظم۔ نوح۔ نیاز۔ یکتا

سیدھا رچ صفحہ ۳۳ کالم ۲ سطر (۱۲-۱۸) صفحہ ۳۴ کالم ۱ سطر ۱-۷

ہان خواب نہین وعدہ باطل کی حقیقت (افضل) ہان وہم نہین موجِ طوفانِ تمنا

ایک لفظ مین تخیل کو ایسا انقلاب عظیم ہو گیا کہ پناہ بخدا اور اب یہ مفہوم ہوا کہ وعدۂ باطل ایک خاص حقیقت رکھتا ہے اور اسی طرح موجۂ طوفانِ تمنا بھی محض وہم نہین مگر یہ دونون کیا ہین یہ دو سوال پیدا ہوتے ہین تمنا کا جواب تو ہر انسان اپنی عقل سے دلیسکتا ہے مگر وعدۂ باطل کی حقیقت کا علم ہر کس و ناکس کو نہین۔

التماس ہیچمدان۔ تخیل بدل نہین گئی بلکہ کسی حالت مین بھی غلط نہین رہی شعر مصنف

جز خواب نہین وعدۂ باطل کی حقیقت ؎ جز وہم نہین موجۂ طوفانِ تمنا

کی تخیل صرف ایسی حالت مین صحیح تھی کہ عاشق انتظار یار مین بار بار الجھ الجھ کر یہ کہہ اٹھتا ہو لیکن جناب افضل کی اصلاح سے اب ہر حالت مین صحیح ہے بیشک وعدۂ باطل یار بھی تمنا آفرین ہے اور موج طوفانِ تمنا بھی ناقابل انکار حقیقت ہے۔

حضرت ناطق کے پیدا کئے ہوئے سوال کوئی اہمیت نہین رکھتے پہلے سوال کا بُرا بھلا جواب تو وہ خود ہی دیچکے اب رہی وعدۂ باطل کی حقیقت۔ اس کا جواب اگر اپنی عقل سے ہر شخص نہین دلیسکتا تو کیا جناب نقاد کی عقل سے بھی نہین دے سکتا وہ خود ہی اس بات کا جواب دے چکے ہین۔

سہیر فروری صفحہ ۱۲ کالم ۲ سطر ۱۸ سہیر مارچ صفحہ ۳۲ کالم ۱ سطر ۴

ارشاد ہوتا ہے۔ "دو لخت ہونے کا عیب اس شعر مین غلطی کی حد تک نہین پہونچتا، کیونکہ وعدہ باطل یار کیلئے بھی تمنا لازم ہے زیادہ واضح طور پہ یون ہے کہ معشوق کے جھوٹے وعدہ سے بھی تمناؤن کا طوفان برپا ہونا بدیہی امر ہے اگر انسان سوفسطائیون اور عارفون کی نظر سے دنیا پر نظر کر رہا ہے تو اُسے وعدۂ یار کیا خود یار اور یار ہی کیا ساری کائنات بے حقیقت اور

فریب نظر نظر آئیگی لیکن اگر عاشقانہ نظر سے دیکھا جائے تو وعدہ یار (وہ جھوٹا ہی سہی) اور طوفانِ تمنا میں جھلی دامن کا ساتھ نظر آئے گا اور اسکا انکار بداہت کا انکار ہوگا۔

اصلاحِ نظم

جز خواب نہین لذت فانی کی حقیقت
جز وہم نہین موجہ طوفانِ تمنا

مبصر مارچ صفحہ ۴۴ کالم ا سطر (۷-۱۲)

ارشاد ناطق۔ کسقدر پکی بات ہے کہ لذت فانی کی حقیقت ایک خواب سے زیادہ نہین افسوس یہ ہے کہ لذت فانی کا تعلق موج طوفانِ تمنا سے آتنا بھی نہین جتنا اصل شعر مین وعدے سے تھا کہ تمنا تو پیدا ہوتی ہے اور اب تو یہ کہنا پڑتا ہے کہ کجا موجہ طوفان اور کجا لذت فانی،

اللہ اکبر بات کا سمجھنا بھی کسقدر مشکل ہے۔ معلوم نہین جناب نقاد اس وقت تھے کہان، اسلئے کہ اب تو دونون مصرعون مین اتنا اور ایسا ربط پیدا ہو گیا ہے کہ جس نے دیدہ ودانستہ آنکھ بند نہ کرلی ہو اُسے نظر آئے جناب طباطبائی نے مصرع کی حقیقی روح پہچانی اور یہ دیکھکر کہ شاعر کو اسوقت دنیا کی ہر شے بے حقیقت نظر آرہی ہے، وعدہ باطل، کو لذت فانی سے بدل دیا اور اب مطلب یہ ہوا کہ انسان کی تمناؤن کا طوفان وہم سے زیادہ وقعت نہین رکھتا اور لذت فانی جسکے لئے تمنائین پیدا ہوتی ہین (یا جو تمناؤن کا نتیجہ ہے) وہ خواب سے زیادہ حقیقت نہین رکھتی، انسان کی تمناؤن کے طوفان کو وہم کہا جسکے معنے یہ ہوئے کہ جسطرح وہم کے مرقع مین صدہا تصویرین ایسی نظر آتی ہین جنکا وجود خارج مین نہین ہوتا، اسی طرح طوفان تمنا دیکھنے ہی بھر کا ہے

اصلیت کچھ بھی نہین۔ لذت فانی، کو خواب سے تعبیر کیا یعنے جسطرح خواب مین انسان خدا جانے کیا کیا دیکھتا ہے مگر جب آنکھ کھلی تو کچھ نہ تھا۔ اب ظاہر ہو گیا کہ لذت فانی کا خواب ہونا کیونکر ممکن ہے۔

مسیحا مارچ ۲۵ سنہ ۶ء صفحہ ۳۴ کالم ۱ سطر (۱۲-۱۶)

ارشاد ناطق۔ نوح نے تمام شعر مین صرف لفظ موجہ پر نوٹ دیا ہے اور اُسی کو بدلا ہے یعنی اُسکی جگہ کثرت بنا دیا ہے۔

جز خواب نہین وعدۂ باطل کی حقیقت

اصلاح نوح

جز وہم نہین کثرتِ طوفانِ تمنا

التماس تجوید۔ حضرت ناطق جناب نوح کی طوفان خروشیون سے نطق فراموش ہین اور کوئی اچھی بُری رائے نہین دیتے۔

وہم کی خلاقی پر نظر کیجائے تو اُسکے ساتھ کثرت طوفان، ت، اور ط کے تصادم پر بھی لطیف نظر آتا ہے مگر جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس شاندار اور گران لنگر جزو شعر کا تقابل، وعدۂ باطل ایسے سبک سنگ سے آپڑا ہے تو انتخاب الفاظ کی گردن پر چھری پھرتی نظر آتی ہے وعدہ باطل کی کشتی کو موجۂ طوفان، ہی بہائے لئے جاتا تھا کثرتِ طوفان نے تو اُسے ڈبو ہی کر چھوڑا۔

مسیحا مارچ صفحہ ۳۴ کالم ۱ سطر ۱۷-۲۰ کالم ۲ سطر ۱-۴

ارشاد ناطق۔ نیاز اکثر توجیہ اصلاح لکھ دیتے ہین اس شعر پر حسب ذیل ہے

توجیہ نیاز

چونکہ وعدہ باطل کا تعلق دوسرے سے ہے اسے وہم کہنا مناسب ہے اور طوفانِ تمنا کا تعلق اپنی ذات سے ہے اس لئے اسکو خواب سے تعبیر کرنا چاہیئے۔

ایراد ناطق۔ یہ بات تو سمجھ مین آگئی کہ طوفانِ تمنا کا تعلق اپنی ذات سے ہے

اور وعدۂ باطل کا فریق ثانی ہے مگر سوال یہ ہے کہ کیا طوفان خواب ہو سکے گا اور دوسری مشکل یہ ہے کہ وعدۂ باطل وہم کیونکر ہو گا، وعدہ اُسکا ہے نہ کہ ہمارا اگر وعدہ ہو گا تو اُسی کا ہو گا جیسا کہ بقول نیاز یہ کلیہ ہے کہ طوفانِ تمنا ہماری ذات سے تعلق رکھتا ہے لہذا ہمارا خواب ہے پھر اُسکا وعدۂ ایک واقعہ ہے، واقعہ وہم نہیں ہو سکتا بلکہ خواب تو ہو بھی سکتا ہے۔

اصلاح نیاز

جز وہم نہیں وعدۂ باطل کی حقیقت
جز خواب نہیں موجۂ طوفانِ تمنا

مصرع اولیٰ میں وہم اور حقیقت کا صرف برمحل نہیں ہے اگر ایک بھی بدل جاتا تو صحیح ہو جاتا اور مصرع ثانی میں موجۂ طوفانِ تمنا کا خواب ہونا بعید از قیاس ہے یا تو وہ اوہام نہیں ہے یا یہ خواب نوم نہیں بلکہ خواب مرگ ہے۔

بیخود۔ بیشک حضرت نیاز کی توجیہ معنی سے بے نیاز ہے۔ مگر جناب نقاد کا ارشاد بھی ایک معما ہے اسلئے کہ کبھی تو ارشاد ہوتا ہے خواب اور وعدۂ باطل کی تشبیہ غیر مناسب ہے کبھی ارشاد ہوتا ہے کہ وہم اور موجۂ طوفان میں تشبیہ صحیح نہیں اور یہاں فرماتے ہیں کہ دو میں سے کوئی بدل جاتا تو شعر صحیح ہو جاتا۔

ارشاد ناطق۔ جگر بسوانی کی اصلاح اس شعر پر معنی خیز ہے۔

مبصر مارچ
صفحہ ۲۴
کالم ۲ سطر
(۱۱-۱۶)

اصلاح جگر

سمجھے یہ تیرے وعدۂ باطل کی حقیقت
ہے وہم و گمان موجۂ طوفانِ تمنا

اگرچہ ہم مقدر ہے مگر خیر کچھ ایسا برا نہیں ہے مطلب یہ کہ تیرے

وعدۂ باطل کی حقیقت یہ ہے کہ اُس نے جو ایک طوفانِ تمنا پیدا کر دیا ہے وہ
وہم و گمان سے زیادہ اصلیت نہین رکھتا کیونکہ وعدہ جھوٹا اور تمناؤن
کا جوش بیکار محض۔

التماس بیخود۔ بعض حضرات کی تحریر کا معجزہ یہ ہے کہ شعر سے شعریت جاتی رہتی
ہے یہی حال ہمارے ناطق صاحب کا بھی ہے۔ آپنے اچھے خاصے شعر کا مطلب لکھکر
اُسے گوہر بے آب ساغر بے شراب بنا دیا ہے جناب جگر نے شب انتظار مین عاشق بیتاب
کے اُلجھنے کی تصویر اچھی اُتاری تھی یعنی

سمجھے یہ ترے وعدۂ باطل کی حقیقت ہے وہم و گمان موجۂ طوفانِ تمنا

مگر حضرت ناطق۔ "ہم" کے مقدر ہونے پر فرماتے ہین کہ خیر کچھ ایسا بُرا نہین یہ بھی
آپ کی سخن سنجی کا سحر ہے حالانکہ بیان "ہم" کا نہ ہونا ہی فصیح و پُر لطف ہے اسلئے
کہ قرینہ خود حصر کرتا ہے کہ یہ واقعہ اپنا ہی ہے، ہم آجاتا، تو حشو کا گھر آباد اور فصاحت
کا گھر ویران ہو جاتا ہان یہ ضرور ہوا کہ مصنف کا طرز ادا باقی نہ رہا

شعر پنجم۔ اصل شعر

تیری نگہ لطف تھی تمہید محبت
میری نگہ شوق ہے عنوان تمنا

ارشاد ناطق۔ تخیل یہ ہے کہ تو نے جو نگاہِ لطف سے مجھے دیکھا تھا
اُس سے میری محبت کی ابتدا ہوئی (لفظ میری) محذوف ماننا پڑیگا
اور میری نگاہِ شوق سے تمناؤن کا آغاز ہوا

عیوب۔ جبتک لفظ محبت عاشق کی طرف مضاف نہ ہو سیاق عبارت

معیار مارچ ۲۵ سنہ ۶ء
صفحہ ۲۴ کالم ۲
سطر ۱۷ تا ۲۵ (۱
صفحہ ۲۵ کالم ۱
کل کالم ۲ سطر
(۱۔۱)

سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ نگاہ کا مضاف الیہ جو ہے وہی لفظ تمہید کا مضاف ہونا چاہیئے، علم نحو مذاق عاشقانہ کا ماتحت نہین کہ خواہ مخواہ ایک نیا مضاف الیہ بغیر کسی وجہ کے پیدا کرلے۔ مگر مذاق عاشقانہ کی یہ سفارش کافی ہے کہ محبت کا مفہوم محبت عاشق ہے۔

دوسرا عیب۔ اس شعر مین یہ بھی ہے کہ شوق اور تمنا کا مفہوم ایک ہی ہے فرض کیجیئے کہ شوق دیدار یا وصل ہے مگر اسی کا نام تمنا اور ارمان ہے نگہ شوق کے کئی معنے ہین ایک یہ کہ استعارۃً شوق کو نگاہ فرض کرلیا جائے تو بھی ماننا پڑے گا کہ شوق کسی نہ کسی بات کا ہوگا پس کسی چیز کا بھی شوق ہوتا ہے دوسری صورت یہ ہے کہ اضافت بیانیہ سے یہ معنی لئے جائین کہ جو نگاہِ مشتاق کا مفہوم ہے یعنی ایسی نگاہ جس سے شوق ظاہر ہوتا ہو۔ تیسرے معنی یہ ہین کہ شوق ایک فرد ذوی العقول مین سے تسلیم کرلیا جائے جس کا صاحب نگاہ ہونا خلاف فطرت نہین ہے اور یہ معنی بیان کی رُو سے جائز و مستعمل ہے جیسا کہ خونِ آرزو، فغانِ دل وغیرہ، چوتھی صورت یہ کہ شوق (تخلص) شاعر کی نگاہ آخری دونون صورتون مین معنی دُرست ہوتے ہین اور تکرار معنوی واقع نہین ہوتی مگر فن شاعری کا مسلک یہ ہے کہ اگر ایک چیز مفید مطلب نہ ہو تو شعر ناقص ہے، اگر مخالف مطلب ہو تو غلط ہے لہذا مصرع ثانی بھی مجروح ہوتا ہے۔

یہ تو ناظرین نے غالباً بھلایا نہ ہوگا (کتنا پیارا انداز تقریر ہے گویا تمام ناظرین حضرت ناطق کے شاگرد یا درمِ خریدہ غلام ہین) کہ تمہید محبت مین

سوائے مذاق عشق کے کوئی نحوی قرینہ اس امر کا نہین ہے کہ جس کی نگاہ ہے، اُسی کی محبت نہ سمجھی جائے بلکہ ایک دوسرے شخص کی مگر مجھکو اپنی کسی رائے پر اصرار نہین ہے کیونکہ چوبیس شاعرونکی رائے اور میری رائے سے اختلاف ہے اور صرف دو صاحبون سے تائید، ۲۴ مین سے ۹ نے صاد کا خلعت دیا ہے اور داد دی ہے، احسن - جگر - ریاض - زہری - صفی محشر - بیباک - شہرت - نواب - اور دس نے اصلاح سے بے نیاز رکھا ہے، آرزو - اطہر - بیخود دہلوی - باقی دل - جلیل - مضطر - نظم - نوح یکتا - باقی پانچ صاحبون نے اصلاح تو دی ہے مگر دونون عیوب کی پروا نہین کی ہے - ایسی حالت مین ظاہر ہے کہ میری رائے کی وقعت خود میرے دل مین کیا ہو سکتی ہے - مگر شاید اس فن کی خدمات سے یہ مباحث باہر نہ ہونگے ممکن ہے کہ تبصرہ بھر مین میرا کوئی خیال صحیح ہو یا قریب صحت تو اس سے آیندہ کچھ لوگ احتیاط کرینگے -

التماس بیخود - یہ خیال بے بنیاد ہے کہ تیری نگاہ لطف سے میری محبت کی ابتدا ہوئی پھر اُسکے ساتھ یہ شدت کہ لفظ میری کو محذوف ماننا پڑے گا یہ قول جناب لطا کی انتہائی سادگی ظاہر کرتا ہے اس لئے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب صوف معشوق مین محبت کے جذبہ کا وجود تسلیم ہی نہین کرتے حالانکہ اسکا غلط ہونا محتاج دلیل نہین، شاید لفظ دلدار، اُنکی نظر سے کبھی گذرا ہی نہین جسکا مفہوم معشوق و عاشق نواز ہے

دلم بردی و دلداری نہ کردی (ملا جامی) غمم دادی و غمخواری نہ کردی

جسکو شکستن دلِ عاشق عذاب ہو (مومن) وہ اور جانکنی کے محن وا مصیبتا

اگر انسان عاشق ہو مبتلائے ہوس نہ ہو تو یہ ممکن ہی نہین کہ معشوق اُسے نہ چاہے

حضرت ناطق کی عقل آرائیان رنگ لا کے رہین اور اُمور بدیہی کیلئے بھی دلیل و ثبوت کی ضرورت پیش آنے لگی جناب مرزا محمد ہادی صاحب رسوا لکھنوی نے غالباً یہ شعر ایسے ہی موقع کیلئے فرمایا ہے ؎

دکھایا جہل نے تحقیق کا اثر اُلٹا (رسوا) مقدمات بدیہی بھی ہو گئے نظری

یہ ظاہر ہے کہ معشوق کا بیوفا ہونا مشہورات سے ہے اور حضرت نقاد بڑے مشہورات کے حلقہ بگوش واقفیت سے انھین دور کا واسطہ بھی نہین اُنھون نے کبھی اس راز کی پردہ کشائی ضروری نہین سمجھی کہ آخر عشاق معشوقونکو بیوفا کہتے کیون ہین مین مختصر طور پر بیان کئے دیتا ہون۔

عاشق دیوانگی شوق مین یہ چاہتا ہے کہ معشوق ہر وقت اُسکی تمناؤن کو پورا کرتا رہے بھلا یہ بات کہان ممکن ہے، عاشق کی اکثر آرزوئین اچھا خاصہ دیوانہ پن ظاہر کرتی ہین معشوق انھین حماقت سمجھتا ہے ظاہر ہے کہ معشوق جسکے قبضہ قدرت مین ہو وہ اگر ایسی آرزو کرے جیسی مرزا غالب علیہ الرحمہ کے اس شعر مین ہے تو اُسے ضدی یا بیوفا کہنا صرف عاشق دیوانہ ہی پر زیبا ہے۔

دھوتا ہون جبکہ پینے کو اُس سیمتن کے پانو (غالب) رکھتا ہے ضد سے کھینچکے باہر لگن کے پانو

ظاہر ہے کہ یہ آرزو کیسی ہے؟

معشوق بیوفا ہو ہی نہین سکتا اسلئے کہ عشق اثر نہ ڈالے محال ہے ہوس کی بات اور ہے مومن خان کے شعر پر نظر ڈالئے تو حقیقت آئینہ ہو جائے۔

یہ عذرِ امتحانِ جذبِ دل کیسا نکل آیا (مومنؔ) مین الزام اُنکو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

یاروں پہ کھلگیا اثرِ الفتِ نہان (داغؔ) اُس بُت کے اضطراب نے رسوا کیا مجھے

مصیبت یہ آپڑی ہے کہ ہوس اور عشق مین امتیاز نہین کیا جاتا ایک زمانہ ایسا بھی گذرا ہے جب معشوق کے معنے رنڈی (اس لفظ سے کوئی صرف جوان عورت ہی نہ سمجھے جیسا کہ میر و انشا و رنگین وغیرہ کے زمانہ مین سمجھا جاتا تھا بلکہ شاہد بازاری مراد ہے) عیاش کیلئے لفظ عاشق اور ہوس کے لئے لفظ عشق استعمال ہوتا تھا اور ـــ بعض شعرا نے اسی التباس کی وجہ سے معشوق کا لفظ چھوڑکر محبوب کا لفظ اختیار کیا تھا اور اسلئے اختیار کیا تھا کہ وہ اپنی زبان اور اپنے بیان مین اتنی قدرت نہ پاتے تھے کہ دنیا کو اپنی نوائے دلکش سے شیفتہ و مسحور کرکے لفظ معشوق کو اُسکی حقیقی منزلت پر پہونچا سکتے مثلاً کوئی ایسا نہ تھا جو یون کہہ سکتا۔

(نظیری نیشاپوری)

تا منفعل ز زرکشِ بیجانہ نمیش | می آرم اعتراف گناہ بندہ را
رنجانم ز خود ہر گز دلے را | کہ می ترسم درو جائے تو باشد

(سہیلی ہروی)

ز دیدن تو دلم یافت لذتے کہ فلک | نخو ز باشد اگر فکر انتقام کند،
بہ بدی ورہمہ جا نام برآرم کہ مباد | (لاادری) خون من ریزی و گویند نہ دار ببود

(سعدی)

عجب است باوجودت کہ وجود من بماند | تو بگفتن اندر آئی و مرا سخن بماند
نشوم سیر از نظارہ تو | ہم چنان کز فرات مستسقی

(عراقی)

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت　　سر دوستان سلامت کہ تو خنجر آزمائی

(غالب)

بشبہا پاسِ ناموست ز خویشم بدگمان دارد　　ز شورِ نالہ می ریزم نمک در دیدہ دربانرا

(میر)

دور بیٹھا غبار میرؔ اُس سے　　عشق بن یہ ادب نہیں آتا

(سوداؔ)

کرتے ہیں اسیرِ قفس و دام بھی فریاد　　لے سکتے نہیں سانس گرفتار محبت

حقیقت یہ ہے کہ عاشق بھی معشوق ہے اور معشوق بھی عاشق، سچی محبت دونوں کو یکسان بیقرار رکھتی ہے کہا جاتا ہے کہ یہ مقتضائے غیرتِ عشق ہے کہ طرفین مین ہر ایک اپنے کو عاشق دوسرے کو معشوق کہتا ہے۔

مگر میرا یہ خیال نہین۔

(نکتہ)

میرے نزدیک طرفین اپنے آپ کو عاشق صرف کہتے ہی نہین بلکہ پاتے بھی ہین اس لئے کہ ہر ایک اپنے آپکو حد کا بیقرار اور انتہا کا بیصبر پاتا ہے۔ دوسرے کی بیتابی کا علم اگر ہوتا بھی ہے تو بربنار قیاس یا یکجائی کی حالت مین جو کبھی کبھی نصیبون سے میسر آتی ہے کبھی اُسکے بیان کرنے سے کبھی حال پریشان پر نظر کرنے سے اور ظاہر ہے کہ اپنی بیتابیون کا جیسا علم انسان کو خود ہوتا ہے نہ کسی کو ہوتا ہے نہ ہو سکتا ہے یہی راز ہے کہ عاشق و معشوق مین سے ہر ایک اپنے کو عاشق کہتا اور دوسرے کو معشوق سمجھتا ہے اور چونکہ دل چیر کر دکھلنے یا دکھانے کی چیز نہین اسلئے دوسرے کا حال واقعی نہین کھلتا اور ہر ایک اپنے کو زیادہ بیتاب سمجھتا ہے۔

عشق مین بیوفائی کا وجود ہی نہین اگرچہ کچھ لوگ طبعًا بیوفا ہوتے ہین مگر عشق انسان کی کایاپلٹ کردیتا ہے دل آجانے پر دوسرے سے بیوفائی کرنے کا تو کیا ذکر ہے حسین ہمیشہ اس بات کو ڈرا کرتے ہین کہ کہین ہمارا معشوق بیوفا نہ نکل جائے

رسم و رواج۔ مجبوری۔ آزادی۔ بیتابی اور حیا وغیرہ کی کارفرمایان ہوتی ہین جسے چاہنے والا علم صحیح کے نہونے کی وجہ سے بیوفائی سمجھتا ہے۔

بظاہر شاہدان بازاری مین عشق و وفا معدوم ہے لیکن حقیقت سکراتی ہے کہ یہ بھی غلط ہے اُنکا پیشہ اُنکو بہتیرون سے اظہارِ محبت پر مجبور کرتا ہے ورنہ وہ بھی کسی ایک شخص پر جان دیتے ہین حسب حقیقت یہ ہے تو معشوق سے محبت کا انتساب ایک امر واقع ہے اوسپر اسقدر طوفان اُٹھانا کیا ضرور ہے۔

۲ :۔۔۔ حضرت ناطق نے اس شعر مین دوسرا عیب یہ بتایا ہے کہ دوسرے مصرع مین تکرار معنوی واقع ہوتی ہے وہ اس لئے کہ شوق و تمنا ہر حالتمین یکہی مراد ہین راس ہوی باطل کے ثابت کرنے مین زمین و آسمان کے قلابے ملائے ہین انکی عبارت اوپر نقل کی جاچکی۔

ارشاد ناطق کی بیسروپائی۔ اس اعتراض سے مدیر مبصر کی کوتاہی نظر بلکہ فقدان البصر کا ثبوت ملتا ہے ہی مدیر مبصر جنھون نے مبصر جنوری کی لوح پر اپنا یہ شعر بخط جلی لکھوایا ہے (جو آگے بڑھکر نکال دیا گیا)

کمن ننگہ بصورت رموز سیر تھا (ناطق) کہ در لبصارت ما نیست جز لبصیر تھا

مبصر جنوری لوح مکمل

سیرت تو سیرت ہے صورت کے خط و خال کی دلکشی و نفرت انگیزی کے ذوق صحیح سے بھی محروم نظر آتے ہین۔

عشق مین بیوفائی کا وجود ہی نہین اگرچہ کچھ لوگ طبعاً بیوفا ہوتے ہین مگر عشق انسان کی کایا پلٹ کر دیتا ہے دل آجانے پر دوسرے سے بیوفائی کرنے کا تو کیا ذکر ہے حسین ہمیشہ اس بات کو ڈرا کرتے ہین کہ کہین ہمارا معشوق بیوفا نہ نکل جائے

رسم: رواج - مجبوری - آزادی - بیتابی اور حیا وغیرہ کی کارفرمائیان ہوتی ہین جسے چاہنے والا علم صحیح کے ہونے کی وجہ سے بیوفائی سمجھتا ہے۔

بظاہر شاہدان بازاری مین عشق و وفا معدوم ہے لیکن حقیقت مسکراتی ہے کہ یہ بھی غلط ہے اُنکا پیشہ اُنکو بہتیرون سے اظہارِ محبت پر مجبور کرتا ہے ورنہ وہ بھی کسی ایک شخص پر جان دیتے ہین جب حقیقت یہ ہے تو معشوق سے محبت کا انتساب ایک امر واقع ہے او پر اسقدر طوفان اُٹھانا کیا ضرور ہے۔

۲ :—— حضرتِ ناطق نے اس شعر مین دوسرا عیب یہ بتایا ہے کہ دوسرے مصرع مین تکرار معنوی واقع ہوتی ہے وہ اس لئے کہ شوق و تمنا ہر حالنین ایک ہی ہین اور اس ہوی باطل کے ثابت کرنے مین زمین و آسمان کے قلابے ملائے ہین اُنکی عبارت اوپر نقل کی جا چکی۔

ارشاد ناطق کی بیسروپائی - اس اعتراض سے مدیر سبعر کی کوتاہی نظر بلکہ فقدان البصر کا ثبوت ملتا ہے ہی مدیرِ سبعر، جنھون نے سبعر جنوری کی لوح پر اپنا یہ شعر بخط جلی لکھوایا ہے (جو آگے بڑھکر نکال دیا گیا)

سبعر جنوری لوح کمل

کمن شفتہ بصورت رموز سیر تھا (ناطق) کہ دربصارت ما جنت جز بصیر تھا

سیرت تو سیرت ہے صورت کے خط و خال کی دلکشی و نفرت انگیزی کے ذوق صحیح سے بھی محروم نظر آتے ہین۔

اسمین شک نہین کہ کبھی کبھی شوق و تمنا ایک ہی مفہوم ادا کرتے ہین لیکن یہ غلط محض اور محض غلط ہے کہ کہین بھی دوسرے معنے اِن کے نہین لئے جاتے ۔ ہے یون کہ لفظ شوق و تمنا مختلف معنون پر نظر آتے ہین کہتے شوق تمنا کی فرع کہین تمنا شوق کی فرع نظر آتی ہے اور دونون مین وہی فرق پایا جاتا ہے جو آدمؑ اور اولاد آدمؑ اور برہمن اور برہما مین نظر آتا ہے کہین شوق نام ہے رغبت و میلان طبعی و رجحان فطری کا کہین نام ہے عشق کا وغیرہ وغیرہ۔

اگر شوق و تمنا صرف مترادف ہی ہوتے تو شوقِ تمنا آفرین ، اور شوق آرزو کیش ، کی ترکیبین مہمل ٹھہرتین جو رقعات بیدل مین نظر آتی ہین -

جب حقیقت یہ ہے تو شعر ما بہ البحث کے دوسرے مصرع مین شوق اور تمنا کو یکجا دیکھکر تکرار معنوی کا قائل ہونیوالا صاحب نظر کیا صاحب حواس بھی نہین قرار پاتا ۔

مندرجہ ذیل مثالون سے واضح ہو جائے گا کہ لفظ شوق ہر مقام پر تمنا کا قائم مقام نہین ہو سکتا ۔

جناب مولوی حکیم سید محمد حسینؒ صاحب گریان اعلی اللہ مقامہ (لکھنوی)

منتخب المصائب المعروف بہ مجالس حسینیہ تفسیر آیہ وقفوہم کی تحت مین لکھتے ہین ۔

منتخب المصائب صفحہ ۱۱۵ مطبوعہ تصویر عالم پریس ۱۳۱۶ھ

"اور جو شخص کہ جناب امیر المومنینؑ کو دشمن رکھے گا وہ داخل جہنم ہوگا اور ہرگز ہرگز پل صراط سے گذر نہ سکے گا اور حرارت دوزخ اسکو اسقدر صدمہ پہونچائیگی کہ وہ فریاد کرے گا اور کوئی شخص اسکی فریاد کو نہ پہونچے گا اور وہ تمنا کرے گا کہ کاش مجھے دنیا کی طرف پھیر دیتے اور مین جنابِ امیرؑ کو دوست رکھتا یا کاشکے مین جلکر خاکستر ہو جاتا اگر کسی طرح اُس کے عذاب مین تخفیف نہ ہو گی ۔ (بقدر حاجت)

کیا کسی مین قدرت ہے کہ اس عبارت (اور وہ تمنا کرے گا) مین تمنا کو شوق سے بدل سکے۔ مولوی محمد حسین صاحب گریان، جناب (الحق) کی طرح حکیم (طبیب) بھی تھے مرد فاضل بھی تھے اہل زبان بھی تھے طب اور عربی کی کتب متداولہ کا درس بھی دیتے تھے لیکن مجھے یہان اُنکی اُردو سے بحث نہین کہ کُسانی تھی یا بحتی مجھے تو اس مقام سے بحث ہے اسلئے اُنکا معتبر یا غیر معتبر ہونا نفس مسئلہ پر کوئی اثر نہین رکھتا۔

یا اس آیۂ کریمہ مین ویقول الکافر یالیتنی کنت ترابا (اور کافر کہے گا کاش مین خاک ہوتا) لیت یعنی کاش حرف تمنا ہے۔ اس لئے مفہوم یہ ہوا کہ وہ تمنا کرے گا۔ کاش مین خاک ہوتا یہان تمنا کی جگہ شوق بولنے والا دنیا کے پردہ پر نظر نہین آتا۔

اب مین اساتذہ متقدمین و متاخرین کے کچھ اشعار نقل کرتا ہون جنسے کھل جائے گا کہ شوق اور تمنا کن کن معنون پر بولے جاتے ہین۔

دل کھنچے جاتے ہین اُسی کی اُور (خدائے سخن میرؔ) سارے عالم کی وہ تمنا ہے

تمنا: آرزو یعنی مدعائے آرزو۔

لکھتے رقعہ لکھے گئے دفتر (خدائے سخن میرؔ) شوق نے بات کیا بڑھائی ہے،

شوق = شوق لفظ تمنا اس محل پر نہین بولا جا سکتا۔

گر ترے دل مین ہو خیال وصل مین شوق کا زوال (غالب) موج محیط آب مین مارے ہے دست و پا کہ یون

شوق = چونپ۔ ولولہ۔ اُمنگ

ہے چشم تر مین حسرت دیدار سے نہان (غالب) شوق عنان گسیختہ دریا کہین جسے

شوق عنان گسیختہ = شوق بے اختیار

نادان ہین جو کہتے ہین کیون جیتے ہو غالب (غالب) قسمت مین ہے مرنے کی تمنا کوئی دن اور

تمنا = آرزو - یہان شوق نہین کہہ سکتے۔ ــــــ

وان سے یان آئے تھے اے ذوق تو کیا لائے تھے (ذوق) یان سے تو جائینگے ہم لاکھ تمنا لیکر

تمنا = آرزو - یہان لفظ شوق آئیگا شوق کرے گھبرا ہی ــــــ

وقتِ آخر پوچھتے ہو کیا ہماری آرزو (داغ) اشکباری ہے تمنا بیقراری آرزو

تمنا = آرزو یہان لفظ شوق کی گنجائش ہی نہین۔ ــــــ

ہوتی ہے وہان اور جفاؤن کی ترقی (داغ) اے ذوق فزون ہو جو بھی اے شوق سوا ہو

شوق = شوق - اے تمنا سے بدلے پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ ــــــ

لے اے دل بیتاب تمنائے شفا کر (داغ) درمان سے ہوا درد و الم اور زیادہ

تمنا - آرزو - یہان شوق کی جگہ نہین ــــــ

آجکل ہے اونکو تصویرون سے شوق (داغ) کیا کبھی دیکھی تھی حیرانی مری

شوق - شوق اور تمنا کو دوربینی محل قدم بڑھانے اجازت نہین دیتی

اُن کو ہے عدو سے وہ تمنا (داغ) جس بات کی ہم نے آرزو کی

تمنا = آرزو - شوق اور جڑ بنے کا شوق کرے تو بری ہے ــــــ

لے دیکھے یہان دل مین ہو گیا ایک تمنا (داغ) وہ تا بزبان خوف سے لائی نہین جاتی

تمنا - آرزو یہان شوق کو لائے تو اُسیطرح آئے جس طرح دردپری کورونکے دربار مین آئی تھی۔

ہجر مین سونیکی ایسی ہے تمنا اے وزیر (خواجہ وزیر لکھنوی) دیکھتا ہون اُسکو حسرت سے جسے آتی ہے نیند

تمنا = آرزو ــــــ

اب اس امر مین جائے دم زدن نہین۔ کہ شوق ہر جگہ تمنا کا مترادف نہین ہوا کرتا یہان نگاہ شوق سے مراد شوق بھری نگاہ کے سوا کچھ نہین۔

ارشادِ ناطق۔ چند خاص اصلاحوں کی طرف توجہ دلاتا ہوں جن سے کسی نہ کسی مسئلہ پر روشنی پڑ سکتی ہے۔

اصلاحِ افضل

تیری نگہ لطف ہے تمہیدِ محبت
میری نگہ شوق ہے عنوانِ تمنا

(معیار مارچ ۲۹ سنہ ۶ صفحہ ۳۷ کالم ۲ سطر ۱۰ تا ۱۲)

صرف پہلے مصرع میں 'تھی' کی جگہ 'ہے' بنایا ہے شاعر کا تو یہ مقصد تھا کہ ایک مرتبہ اُسنے نگاہِ لطف سے جو دیکھ لیا تو عاشق کیلئے محبت اور تمناؤں کا سلسلہ شروع ہو گیا مگر اصلاح یہ کہہ رہی ہے کہ وہ برابر نگاہِ لطف سے دیکھ رہا ہے بعینہ یہی اصلاح شفق نے دی ہے۔

التماس بیخود۔ 'تھی' اور 'ہے' کا جھگڑا انشاء اللہ میری اصلاح کے موقع پر طے ہو رہے گا اور جناب نقاد نے شعر کا جو مطلب بیان فرمایا ہے اس پر بھی دہین نظر کر لی جائیگی۔

(معیار مارچ ۲۹ سنہ ۶ صفحہ ۳۵ کالم ۲ سطر ۱۸ تا ۲۱)

ارشادِ ناطق۔ بیخود موہانی نے لفظ محبت کو تغافل سے بدلکر اپنی ذہانت کا ثبوت دیا ہے مگر افسوس ہے کہ 'تھی' کو 'ہے' بنا دیا کہ جس سے مذاقِ عشق و تقاضائے حُسن کی توہین ہوتی ہے کاش وہ ایک ہی لفظ بدلتے۔

التماس بیخود۔ میں جناب نقاد کا منت گزار ہوں کہ محبت کو تغافل سے بدلنے پر اظہارِ پسندیدگی فرمایا۔

اب میں 'تھی' اور 'ہے' پر بالتفصیل بحث کرنیکی اجازت چاہتا ہوں اسمیں شک نہیں کہ جیسا زمانہ حضرت شوق نے اس شعر میں قائم کرنا چاہا تھا (اور قائم نہ ہو سکا) وہ داد کے قابل ہوا کرتا ہے۔

(مثلاً)

کھُلے گر بال و پر اب کے تو صیاد (داغ علیہ الرحمہ) قفس رکھا ہوا ہے آشیاں میں،

فغان کو لاگ تری آسمان سے (داغ علیہ الرحمہ) اُٹھا جاتا ہے پردہ درمیان سے

جفا کی اِن بتون نے یاد وفا کی (داغ علیہ الرحمہ) دیا دل اب تو جو مرضی خدا کی

ان اشعار مین ٹیلے گرُ کے ساتھ قفس رکھا ہوا ہے۔ اُٹھا جاتا ہے۔ اُٹھ جائیگا کے محل پر اور جفا کی وفا کی جفا کرین اور وفا کرین کے مقام پر رکھنا قابل داد ہے اس طرح یہ الفاظ صرف ہوئے ہین کہ فصاحت بلائین لیتی ہے روز مرہ دعائین دیتا ہے۔ حضرت شوق نے بھی ایسا ہی کرنا چاہا تھا افسوس ہے کہ بن نہ پڑا اگر وہ کسی طرح قابل ملامت نہین اساتذہ سے یونہین سیکھا کرتے ہین جس مقام پر لکھنو کے سب سے بڑے نقاد (بزعم خود) حضرت ناطق کو لغزش ہو وہان حضرت شوق کی لغزش کو دیکھنا جناب نقاد کی توہین کرنا ہے۔

اب مین عرض کردون کہ 'تھی' اور 'ہے' کے ساتھ رہنے مین شعر کا کوئی معقول مفہوم ہے بھی یا نہین۔

یہ شعر اپنی اصلی حالت پر رہے تو مفہوم یہ ہوگا۔

اصل شعر

تیری نگہ لطف تھی تمہید محبت میری نگہ شوق ہے عنوانِ تمنا

شعر کی تخیل - تیری نگاہ لطف تیری محبت کی تمہید تھی۔ اور میری نگاہِ شوق تمنا کا عنوان ہے یعنی تونے جو نگاہِ لطف سے مجھے دیکھا تھا تو وہ تیری محبت کی تمہید تھی اور اُس سے یہ پتہ چلتا تھا کہ یہ التفات آگے بڑھ کر محبت ہو جائے گا لیکن ایسا نہین ہوا مگر میری نگاہ شوق ابھی تک مضمونِ تمنا کی سرخی (عنوان) بنی ہوئی ہے یعنی اگرچہ تونے مجھ سے محبت نہین کی مگر مین ابھی تک منزلِ آغاز تمنا مین ہون۔

۵۲ تیری نگاہ لطف تمہید محبت تھی، اب عین محبت ہو گئی یعنی تمہید اب اصل مضمون

محبت، بن گئی اگر "تھی" سے یہ مطلب نکالا جائے تو کوئی امر مانع نہیں۔

نکتہ۔ ایک نازک بات کہہ لوں تو آگے بڑھوں۔

شاعر نے پہلے مصرع میں "نگاہ لطف" کو تمہید محبت اور دوسرے مصرع میں "نگاہ شوق" کو عنوان تمنا کہا ہے۔ شعر میں تمہید و عنوان کا تقابل موجود ہے اسلئے یہاں عنوان زسرخی۔ سرنامہ) بھی معنا تمہید ہی کے لگ بھگ بلکہ اُس سے پست نقطہ ٹھہرتا ہے اور اب صاف کھلجاتا ہے کہ پہلے مصرع میں بھی "تھی" کی جگہ "ہے" ہونا چاہیئے۔ اور اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ کہنا کہ تو نے کبھی مجھے نگاہ لطف سے دیکھا تھا۔ اُسوقت سے آجتک یعنی اتنا زمانہ گذرنے کے بعد بھی میری نگاہ (مضمونِ تمنا) دفتر تمنا نہ بنی عنوان تمنا ہی رہی کیسی لغو بات ہے، دوسری لغویت اسکی یہ ہے کہ "تمہید" عنوان اور اصل مضمون کی درمیانی منزل ہے یعنی پہلے عنوان قائم قائم کرتے ہیں پھر تمہید لکھتے ہیں آخر میں ربط دیکر اصل مضمون (مدعا) شروع کر دیا کرتے ہیں۔ یہ کتنی ناموزون بات ہے کہ معشوق تو محبت کے عنوان سے آگے بڑھکر تمہید تک پہونچ گیا اور عاشق صاحب ابھی تک عنوان کی پہلی منزل میں کھڑے یا پڑے ہیں یہی سبب تھا کہ نیں پہلے مصرع میں "تھی" کو "ہے" سے بدل دیا اور اب شعر کی یہ صورت ہو گئی۔

بیخود خاکسار کی اصلاح

تیری نگہ لطف ہے تمہید تغافل
میری نگہ شوق ہے عنوان تمنا

اور شعر کا مفہوم یہ ہو گیا کہ تیری نگاہ لطف کا انجام تغافل ہے اور میری نگاہ شوق کا انجام تمنا یعنی تو آگے بڑھکر سراپا تغافل اور میں سراپا تمنا ہو جاؤں گا۔

جناب لتا کی سخن سنجی سے ڈرتا ہوں اس لئے مناسب نظر آتا ہے کہ میری اصلاح

سے جربات شعر مین پیدا ہو گئی ہے اُسے سمجھا بھی دون۔

وجوہِ بلاغت۔ اول دن سے یہ جاننا۔ کہ جو آج مہربان ہے کل نامہربان ہو جائے گا۔ اور تغافل کرے گا پھر اُسکی تمنا کرنا اور ہمیشہ تمنا کرنا بلکہ سراپا تمنا بنجانا زیادہ اثر انگیز ہے۔ شعر کی صورت موجودہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ معشوق کی رفتار اور اُسکی اُفتادِ مزاج سے عاشق بیخبر نہین وہ خوب جانتا ہے کہ مجھ سی محبت کرنا تو درکنار مین اسے یاد بھی نہ رہونگا پھر بھی اپنے دل کو اسقدر بے اختیار پاتا ہے کہ یہ سمجھ لینے پر مجبور ہے ع جو کچھ مرے نصیب کا ہونا تھا ہو گیا یعنی ہم ایسے پھنسے کہ اب کبھی دامِ محبت سے رہائی ہنوگی۔

میری اصلاح مین 'تمہید و عنوان' والے اعتراض کی گنجائش نہین اسلئے کہ بیان 'تمہید محبت' کا ٹکڑا 'تمہید تغافل' سے بدلگیا ہے اگر معشوق عنوان تغافل سے تمہید تغافل تک پہونچگیا تو کیا علاوہ برین یہ بات بھی ہوکہ اس ٹکڑے سے یہ بھی نکلتا ہے کہ التفات یار مین انداز تغافل کی جھلک پائی جاتی ہے۔

یہان 'ہے' سے وہ دوام پیدا ہو گیا ہے جو حضرت ناطق کے نزدیک 'تھی' اور 'رہے' کے اجتماع سے ممکن تھا۔

اگر یہ کہا جائے کہ صرف 'تھی' کو 'ہے' سے بدل دینا کافی تھا 'تمہید محبت' کو تمہید تغافل سے کیون بدلا اسکا جواب یہ ہے کہ شعر مصنف (تیری نگہ لطف تھی تمہید محبت، میری نگہ شوق ہے عنوان تمنا) مین 'تھی' کو 'ہے' سے بدل دینے کے بعد شعر کا یہ مفہوم ہوتا ہے کہ تو مجھ سے محبت کرے گا مین تیری تمنا کرونگا۔ یہ اگر واقعہ بھی ہو تو شعر مین کہنے کے قابل نہین ہے یہ تو بنیون کا سا بیوہار ہے، پہلے شعر عامیانہ تھا اب شاعرانہ ہے۔

ارشاد ناطق۔ عزیز کی اصلاح مین مصرعِ اولے کے دونون عیب نکل گئے

ع تیری نگہ لطف تھی تمہید مظالم البتہ لفظ مظالم حُسنِ تغزل اور شیرینیٔ زبان مین مخل ہے اور دو ت کا اجتماع تنافر پیدا کرتا ہے

التماس بیخود۔ شعر مین وہ عیب تھے ہی کہان کہ نکل جاتے ہان جناب کا یہ ارشاد بجا ہے کہ تغزل سے "مظالم" کا بار نہین اُٹھا۔ اور تنافر بھی پیدا ہوگیا ہے مجھے اتنا اور کہنا ہے کہ "تھی" اور "ہے" کا ساتھ اس محل پر غلط ہے۔

اصلاح مومن

تیری نگہِ لطف تھی اک شوق کی تحریک
(مصرعہ ثانی بدستور) میری نگہ شوق الخ

معیار مارچ صفحہ ۲۶ کالم اسطر (۱-۳)

ارشاد ناطق۔ نگہ کی تکرار مین جو لطف تھا وہ شوق کی تکرار سے شرمندہ ہوگیا۔

التماس بیخود۔ لاریب شوق کی تکرار سے نگاہ کی تکرار کا لطف جاتا رہا مگر حضرت ناطق کو جناب مومن کا ممنون ہونا چاہیے کیونکہ اُنھون نے جناب نقاد کے خیال کی عملی تائید فرمائی ہے، جناب نقاد نے زور دیا تھا کہ محبت کے ساتھ "میری" محذوف ماننا پڑیگا اُنھون نے اسے اور عُلاوہ کھادیا۔ اور اب اُنکا مرکوز خاطر اصلاح مومن مین صاف نظر آتا ہے یعنی وہ فرماتے ہین کہ تیری نگاہ لطف نے میرے شوق کی تحریک کی اور میری نگاہِ شوق سے تمناؤن کا آغاز ہوا۔ یہ اصلاح جناب ناطق کے لئے باعث اطمینان اور فن کیلئے موجب حیف ہے۔ "تھی" اور "ہے" کا استعمال یہان بھی صحیح نہین ہوا۔

اصلاح ناطق

تیری نظر لطف تھی پیغام محبت
میری نگہ شوق ہے عنوانِ تمنا

معیار مارچ صفحہ ۳۶ کالم اسطر (۶-۱۰)

ارشاد ناطق۔ مصرع اولی مین تو کوئی عیب نہین، ہاں مگر مصرع ثانی کا

نقص تکرار شوق و تمنا قیامت تک کیلئے باقی رہ گیا کیونکہ اس کے بعد صرف
نیاز کی اصلاح قابل ذکر رہ جاتی ہے۔

التماس بیخود۔ نگہ لطف اور نگہ شوق سے جو تکرار نگاہ کا لطف تھا وہ 'نگہ' کو نظر سے بدل دینے میں جاتا رہا اگر ایک جگہ نگاہ کو نظر سے بدلا تھا تو دوسری جگہ بھی ایسا ہی کرنا تھا غالباً جناب نقاد کو خیال آیا کہ ایک ہی لفظ کا دو بار ایک ہی شعر میں آنا مخل فصاحت ہے یہ یاد آنا تھا کہ قیامت آئی۔ نگہ نظر سے بدلی گئی حالانکہ یہاں اقتضاے مقام یہی تھا کہ یہ تکرار باقی رکھی جاتی۔

یہ امر مشتبہ ہے کہ یہاں 'پیغام محبت' کے کیا معنی لئے گئے ہیں۔ اس لئے کہ ہر صاحب فہم تو یہ سمجھے گا کہ وہ نگاہ لطف جو محبت کا پیغام تھی یہ مفہوم ادا کر رہی تھی کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں، مگر جناب ناطق فرمائیں گے کہ نہیں اس کا مفہوم یہ تھا کہ تم مجھ سے محبت کرو اسلئے کہ حضرت نقاد تمہید محبت کے مقام پر نہایت زور دیکر فرما چکے ہیں کہ محبت کے ساتھ 'میری' محذوف ماننا پڑے گا، اور میری نگاہ شوق نے اتنا سہارا پاکر تمناؤں کا آغاز کر دیا۔ یہاں بھی 'تھی' کی جگہ 'ہے' چاہئیے اور یہ اصلاح نہایت خوبصورت اصلاح ٹھہرتی ہے وہ یوں کہ نگاہ لطف یار کبھی محبت کا پیام لائی تھی، حضرت ناطق وہ پیام آتے وقت جس مقام پر تھے یعنی آغاز تمنا کی منزل میں آج بھی وہیں موجود ہیں ایک قدم آگے نہیں بڑھایا ہاں اگر 'عنوان تمنا' کی جگہ طومار تمنا ہوتا تو یقیناً اصلاح اگرچہ پھر بھی ناقص رہتی اسلئے کہ دوسرے مصرع میں عنوانِ تمنا ہے، اسکے مقابل میں دوسرے مصرع میں تمہید محبت یا کوئی ایسا ہی ٹکڑا ہونا چاہئیے تھا لفظ 'تمہید' کو اس شعر سے کوئی ایسا شاعر جو ادیب ہو کبھی نہ نکالے گا) لیکن شعر ضرور اچھا ہو جاتا۔ برا ہو قافیہ کی قید کا جس نے زنجیر پا ہو کر 'عنوان' کو 'طومار' سے بدلنے

نہ دیا اسلئے یہ عیب تا قیامت باقی رہ گیا۔

عیب تنذکرہ صدر مشرب عاشقی مین گناہ کبیرہ کے مرتبہ تک پہونچتا ہے اس لئے کہ خود نگاہ یار اور خالی نگاہ یار نہین نگاہ لطف یار پیغام محبت لائے اور اُس پر ایک زمانہ گذر جائے جس کا اور اک شعر مین "تھی" اور "بے" کے ہونے سے ہوتا ہے اور عاشق تمنا کی ابتدائی منزل ہی مین ہو بلکہ جہان کھڑا ہو وہین کھڑا رہجائے۔

مجریہ مارچ ۲۶ء سنہ
صفحہ ۳۲ کالم ۱
سطر ۹-۱۲

اصلاح نیاز

تیری نگہ لطف نہو وعدہ تسکین
میری نگہ شوق ہے عنوانِ تمنا

ارشاد ناطق۔ دوسرے مصرع کا عیب بدستور رہا اور پہلے مصرع کی نظم و بندش اصل شعر سے خوبی مین کم ہوگئین۔

بلکہ نہ ہو کے اجمال نے مہمل اور مصرعِ ثانی سے بے تعلق کر دیا ہے۔

التماس ہیچمدان۔ دوسرے مصرع مین کوئی عیب نہ تھا یہ ضرور ہے کہ پہلے دونون مصرعون مین ترصیع کی سی شان نکلتی تھی وہ اصلاح نیاز سے جاتی رہی لیکن نہ ہو سے جو اجمال پیدا ہوا وہ مجھکو نظر نہین آتا مین تو شعر کا صاف مطلب یہ سمجھتا ہون کہ تیری نگاہ لطف وعدۂ تسکین نہ ہو نہ سہی مگر میری نگاہِ شوق عنوان تمنا ہے یعنی تو اگر مہربان ہو کر نامہربان ہو جائے تو اسے تو جان مین ترک تمنا پر قدرت نہین۔ کہتا میرا جو حال ہے وہی رہے گا اتنا نقص ضرور ہے کہ لفظ عنوان طومار کیلئے جگہ خالی کرنا چاہتا ہے مگر حضرت نیاز کی نگاہِ قہر اُسے وہین رہنے پر مجبور کرتی ہے۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ وعدۂ تسکین اس شعر مین کوئی خولصورت ٹکڑا نہین ہے۔

شعر ششم۔

اصل شعر۔

اے قافلۂ یاس گذر دل مین نہ ہو کر
پامال نہ کر گورِ غریبانِ تمنا

ارشادِ ناطق۔ صرف تعقیب کی خرابی ہے۔ نثر سے تخیل صاف ہو جاتی ہے۔ اے قافلۂ یاس دل مین ہو کر نہ گذر، تمنا کے گورِ غریبان پامال نہ کر، اس شعر کو ۹ شعرا نے اصلاح سے بچا دیا ہے ۳ نے شعر کو خارج کر کے اپنی طرف سے ایک ایک شعر موزون کر دیا ہے اور ۱۹ نے اصلاح دی ہے، بہترین اصلاحون مین ایک بیخودؔ موہانی کی بھی اصلاح ہے۔

معیار مارچ ۲۹ء صفحہ ۳۶ کالم ۱ سطر (۱۳-۱۷)

معیار مارچ ۲۹ء صفحہ ۳۶ کالم ۱ سطر (۱۶-۳۰)

اصلاح بیخود موہانی

اب قافلۂ یاس مرے دل سے نہ گذرے
پامال نہ ہو گورِ غریبانِ تمنا۔

ہر چند کہ سب عیب نکل گئے مگر فن شعر بھی وہ نازک فن ہے کہ تاثیر شعر ایک جداگانہ شئے ہے جو اثر اصل مصرع مین تھا وہ اصلاح مین نہ رہا اس کا راز یہ ہے کہ قافلۂ یاس کی طرف خطاب نہ رہا لیکن شعری لطف لوگون کی اصلاح مین کافور ہو جاتا ہے، اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شاید ان لوگون نے خود کبھی کسی سے اصلاح نہین لی ہے کہ جس کا یہ نتیجہ ہو جاتا ہے کہ اپنی ذہانت و قابلیت سے حتی الامکان کام لیتے ہین مگر اصلاح کی تمام راہون سے نابلد ہین اس لئے ایسے لوگ اگر صحیح

اصلاح دیدین تو اور بھی قابل تعریف ہین۔

التماس بیخود موہانی۔

(عبارت نقاد کی دل آرائی و دلربائی)

جناب نقاد کی اُردو بھی عجیب اُردو ہے صلہ ہے موصول ندارد مبتدا ہے خبر غائب۔

ارشاد ہوتا ہے۔

'ہر چند کہ سب عیوب نکل گئے مگر فن شعر بھی وہ نازک فن ہے کہ تاثیر ایک جداگانہ شے ہے'

سبحان اللہ اس اُردو کا کیا کہنا مگر فن شعر وہ نازک فن ہے کہ تاثیر ایک جداگانہ شے ہے 'وہ نازک فن ہے' کے بعد صلہ آنا چاہیئے وہ غائب ہے۔

یہ ٹکڑا بھی نہایت خوبصورت ہے

کیف شعری بعض لوگون کی اصلاح مین کافور ہوجاتا ہے اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شاید ان لوگون نے خود کبھی کسی سے اصلاح نہین لی ہے کہ جس کا یہ نتیجہ ہوجاتا ہے (ہوتا ہے لکھنا چاہیئے) کہ اپنی ذہانت و قابلیت سے حتی الامکان کام لیتے ہین مگر اصلاح کی تمام راہون سے نابلد ہین، اس لئے ایسے لوگ اگر صحیح اصلاح دیدین تو اور بھی قابل تعریف ہین۔

'مگر اصلاح کی تمام راہون سے نابلد ہین' کے بعد اس مفہوم کو ادا کرنا چاہیئے تھا کہ اسی سے بھٹک جاتے اور بہکی بہکی باتین کرنے لگتے ہین جبتک اس مفہوم کا کوئی ٹکڑا نہ ہو عبارت مختل ہی نہین بے معنی ہے۔

مطالب نقاد کی دل آرائی

ارشاد ہوتا ہے کہ صرف تعقیب کی خرابی (نقص) ہے اگر اتنی ہی خرابی ہوتی تو مجھے کیا خدا نے خراب کیا تھا کہ اثر سی شے کو آپ کے قول کے مطابق مٹا کر رکھ دیتا بندہ پرور مجھے تعجب آتا ہے اس لئے کہ مینے اپنی اصلاح مین اے قافلۂ یاس کو اب قافلۂ یاس بنا دیا تھا اس پر بھی جناب کو تنبہ نہ ہوا یہ ٹکڑا (اب) نہایت معنی خیز تھا اور بہت بڑا مفہوم اپنے دامن مین لئے تھا اس لئے کہ کیا دنیا مین کوئی کہہ سکتا ہے کہ تمناؤن کو خاک مین ملانے والا یاس کے سوا کوئی اور بھی ہے 'اب' کہنے سے مدعا یہ تھا کہ تمناؤن کا بچپن تمناؤن کی جوانی جس نے خاک مین ملائی وہ یہی ظالم ہے۔

ایسی حالت مین قافلۂ یاس کو گورِ غریبانِ تمنا کے پامال نہ کرنے کا حکم دینا یا ایسی التجا اُسکے سامنے پیش کرنا خلاف عقل ہے جسے تمناؤن کی رعنائی آرزوؤن کی زیبائی پر رحم نہ آیا وہ اُنکی قبرون کے پامال کرنے مین تامل کیون کرنے لگا۔ اس لئے قافلۂ یاس کو مخاطب کرنا معیوب ہی نہین غلط بھی ہے۔

نکتہ۔ دوسرا سبب اس سے بھی زیادہ لطیف و نازک ہے اور وہ یہ ہے کہ جسنے کسی کی گود کے پالونکو یون خاک مین ملایا ہو اُسے مخاطب کرنیکو جی ہی نہین چاہتا اس نکتہ سے ہر ماہر نفسیات واقف ہے اور یہی سبب تھا کہ مینے اس محل پر قافلۂ یاس کو مخاطب کرنا صرف بدنما ہی نہین غلط اور بے محل سمجھا۔

اب رہی تمنا۔ اس کے لئے کوئی قید نہین تمنا امر محال کی بھی ہوتی ہے اور دل کا مجبور تمنا ہونا ظاہر ہے، مثلاً مُردے کا زندہ ہوجانا غیر ممکن ہے مگر ہم یہ الفاظ برابر سنتے ہین کاش نہ مرتا کاش جی اُٹھتا۔

اسکے علاوہ یہ سمجھنے مین کون سا امر مانع ہے کہ یہ تمنا خالی تمنا نہ ہو بلکہ دعا ہو اور مخاطب

وہ ہو جس کا لقب مقلب القلوب (خدا) ہے یعنی جو دلوں کے بدل دینے پر قدرت رکھتا ہے۔

اب رہا اثر اور بے اثری کا مرحلہ اسکا فیصلہ ہونا آسان ہے کسی بیداد گر نے (جس نے کسی کے لاؤلون پر دُنیا کا کوئی ظلم اُٹھا نہ رکھا ہو) یہ التجا کرنا کہ ان کی قبروں کو پامال نہ کرا مین اثر زیادہ ہے یا اپنے دل مین یہ تمنا کرنے مین کہ اے کاش یہ قافلہ جس نے مجھے اتنے ناشاد نامراد اُٹھ جانیوالو نکا سوگوار بنا دیا ہے اب ادھر سے نہ گذرتا اور میرے نازپروردونکی قبرین پامال نہ ہوتین۔ اس بے بسی کی تمنا یا دعا اور اس دل مین بے اختیار پیدا ہونیوالی تمنا یا دعا کے اثر کی کیہ بنیاد ہے۔

اے قافلۂ یاس گذر دل مین نہ ہو کر پامال نہ کر گور غریبان تمنا، مین اگر پامال نہ کر کی جگہ پامال نہ ہو کہا جاتا تو عیب اتنا ظاہر نہ ہوتا اس لئے کہ کر مین ارادہ کا دخل پایا جاتا ہے اور ہو مین صرف اظہار تمنا مضمر ہے۔

جناب نقاد نے بعض اصلاحون سے اثر کے کافور ہو جانیکی شکایت کی ہے مجھے بھی یہی شکایت ہے مگر بعض حضرت نقاد ایسے (جیسے) شعرا سے۔ ایسی اصلاح کے صدقے جایئے کہ جب کسی صحیح شعر کو ہاتھ لگا دیا غلط ہوئے بغیر نہ رہا۔

جناب نے یہ بھی فرمایا ہے کہ شاید ان لوگون نے خود کسی سے اصلاح نہین لی یہی سبب ہے کہ اصلاح کی تمام راہون سے نابلد ہین مجھے اسکے متعلق صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ وہب و کسب دو چیزین ہین کچھ شاعری پر منحصر نہین ہر فن مین درجۂ کمال تک پہونچنے کا حق ادا یئے دوا اختراع کا منصب صرف صاحبانِ طبع خداداد کو پہونچتا ہے مین نے ایک قصیدہ کے مطلع مین اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

دنیا کا بیان اور ہے بیخود کا بیان اور (مطلع بیخود موہانی) فطرت کی زبان اور ہے قدرت کی زبان اور

اصلاح کے معاملہ مین اس ناچیز کی رائے یہ ہے کہ کلام اساتذہ اور کتب آئمہ فن سے بڑھ کر کوئی اُستاد نہین انکے ہوتے کسی صاحب عقل سلیم کو اُستاد کی ضرورت نہین اور خاص کر اُستاد ناقص کی۔ شوق اور ذہانت رہبری کیلئے کافی ہین۔ یہ ضرور ہے کہ اگر کسی تیز طبع شخص کو اُستاد شفیق وکامل خدا دیدے تو وہ معراج کمال تک بہت جلد پہونچ سکتا ہے اور بس لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی عرض کرونگا کہ اگر ایسا اُستاد نہ ملا اور وہ شخص زمانہ کی ٹھوکرین کھاکر خود ہی راہ راست پر آگیا تو یہ صورت پہلی صورت سے افضل ہے اس لئے کہ اُس نے جو کچھ سیکھا ہے عملاً سیکھا ہے۔ ایسے آدمی سے غلطی ہوگی بھی تو بتقاضائے بشریت جو قابل ملامت نہین مجھے بعض حضرات کی تہیدستی وبے مائگی پر نہایت افسوس آتا ہے جنھون نے خود تحصیل علم وکمال کیلئے جان دیدی اُستاد شفیق نے بھی لہو پانی ایک کردیا مگر پھر بھی خالی ہاتھ رہے اور اُستاد کو اپنی تعلیم وتربیت گردگانِ گنبد نظر آئی اُسکی روح ہاتھ ملتی ہے اور کہتی ہے ؎

تہی دستانِ قسمت را چہ سود از رہبر کامل　　کہ خضر از آبِ حیوان تشنہ می آرد سکندر را

شعر ہفتم۔ مقطع غزل

اصل شعر۔

اے شوق نہ کیون روح کو پرواز ہو دشوار

پیوست کلیجے مین ہے پیکانِ تمنا

مہر بار چ ۲۹ سنہ ع
صفحہ ۲۴۳ کالم ۲
سطر (۲۴-۲۸)

ارشاد ناطق۔ تخیل شاعرانہ یہ ہے کہ پیکان چبھنے سے روح بھی نحفی ہوگئی (یہ ہے ثقات کا داب تکلم) مگر خرابی یہ ہے کہ روح اگرچہ جگر (دلیجے) دماغ اور دل ہر سہ مقامات پر ہوتی ہے جسکو روح طبیعی روح

نفسانی اور روح حیوانی کہتے ہین مگر شاعرانہ مذاق طبی اصول پر نہین ہے
بلکہ صرف دل مین روح کا مخزن مشہور ہوگیا ہے جس طرح خصوصیت روح
دل کیلیئے مقبول عام ہوگئی ہے اُسی طرح عوام مین کلیجہ دل کے
معنون مین مشہور ہے شاید اسی وجہ سے شوق نے کلیجہ نظم کیا ہے اور جن
اساتذہ نے اسکو جائز رکھا اُنکا بھی یہی خیال ہوگا مگر ثقاۃ مین کلیجہ دل کے
معنون پر مستعمل نہین ہے۔ بظاہر اسکے دو جواب ہوسکتے ہین اول یہ کہ اگر کلیجے
یعنی جگر مین تیر پیوست تھے تو ممکن ہے کہ دل مین بھی ہو ایک کے اثبات سے
دوسرے کی نفی لازم نہین آتی (حکمائے اخلاق نے اسی کو سفہ کہا ہے
(یعنی بے ضرورت دماغ سوزی کرنا) دوسری بات یہ ہے کہ کم از کم کلیجہ مین
جو روح ہے وہ تو تیر کی پابند کیا کنا ایسے محاورے شاہدان بازاری
مین عام ہین بیخود) ہوگئی ہے تاہم یہ جواب کافی نہین منطق اور چیز ہے
اور شاعری اور شے، شعر مین غلطی ہو تو عیب ضرور ہے ابو العلا ناطق۔

التماس بیخود۔ اس الف لیلہ اس طلسم ہوشربا اس بوستان خیال کا خلاصہ صرف
اس قدر ہے کہ ثقات کلیجا دل کے معنون پر نہین بولتے۔ اور اگر یہ دعوے رد ہوجائے
تو جناب ناطق کی ناطقہ آرائیان سردو بے ہنگام شہرین مین خدا کا نام لیکر لوح طلسم کا عکس
ڈالتا ہون جناب نقاد ذرا غور سے ملاحظہ فرمائین کہ اشعار ذیل مین کلیجا دل کے معنون پر ہے
یا نہین اور کلیجا دل کا قائم مقام ہوسکتا ہے یا نہین۔ شعرائے ذیل گروہ ثقات سے ہین یا
انبوہ عوام سے۔ اس کا فیصلہ خود جناب نقاد پر چھوڑا جاتا ہے۔
کبھی مین عین رونے مین جگر سو آہ کرتا ہون (میر تقی میر) کہ دل ٹھہر جائین یا ہون کے ہوائے شہر گالی سے

جگر = دل ۔ آہ کا تعلق جگر سے نہین دل سے ہے۔

(میر تقی میر)

یہ زخمِ جگر داورِ محشر سے ہمارا　　　انصاف طلب ہے تری بیدادگری کا

زخمِ جگر = زخمِ دل ۔ اس لئے کہ احساسِ بیداد و فریادِ بیداد کا تعلق دل سے ہے۔

(میر تقی میر)

پیغامِ غمِ جگر کا گلزار تک نہ پہونچا　　　نالہ مرا چمن کی دیوار تک نہ پہونچا

خوشی اور غم کا احساس دل سے متعلق ہے۔

(غالب علیہ الرحمہ)

شق ہو گیا ہے سینہ خوشا لذتِ فراغ　　　تکلیفِ پردہ داری زخمِ جگر گئی

زخمِ جگر = زخمِ دل ۔ یعنی اب اخفائے رازِ محبت سے نجات مل گئی۔

(غالب علیہ الرحمہ)

لگے نظر نہ کہین اُنکے دست و بازو کو　　　یہ لوگ کیون مرے زخمِ جگر کو دیکھتے ہین

زخمِ جگر = زخمِ دل ۔ یہان دست و بازو سے مراد حسن و نگاہ و ادائے یار کے سوا کچھ نہین تو ایسے وار دل ہی پر ہوتے ہین۔

(ذوق)

وہ چشمِ مخمور اک نظر سے چھوڑے لاکھون جو نشتر سے　　　تو ہو روان ہر رگِ جگر سے لہو مئے لالہ رنگ ہو کر

رگِ جگر = رگِ دل ۔ اس لئے کہ نگاہِ ناز کے نشتر دل ہی مین اُترتے ہین۔

(ذوق)

لذت سے محبت کی ہے ہر زخمِ جگر کو　　　ذوقِ نمک و درد و الم اور زیادہ

زخمِ جگر = زخمِ دل ۔ ذوقِ الم دل سے متعلق ہے جگر غریب مفت مین بدنام ہے۔

(داغ)

کیا کرے داغ کوئی اُسکی محبت کا علاج — وہ کلیجا ہی نہیں جس میں یہ ناسور نہیں

کلیجا = دل۔ محبت کے ناسور کا تعلق براہ راست دل سے ہے۔

(داغ)

فریادِ جگر، نغمے نے، نالۂ بلبل — دلکش ہو کسی طرح کی ہو کوئی صدا ہو

فریادِ جگر = دل کی فریاد۔

(داغ)

سینے سے اپنے ساتھ اُڑا کر یہ لیگئے — گویا تمھارے تیر تھے میرے جگر کے پانون

جگر = دل۔ اس لئے کہ تیر سے نگاہ و ادائے یار مُراد ہے۔

(داغ)

رہ گئے لاکھون کلیجا تھام کر — آنکھ جس جانب تمھاری اُٹھ گئی

کلیجا = دل۔ اس لئے کہ نگاہِ یار کا اثر دل پر براہ راست پڑتا ہے اسکے بعد جگر بھی متاذی ہو تو مضائقہ نہین۔

(امیر)

کلیجا تھام لوگے جب سنوگے — نہ سنوائے خدا شیون کسی کا

کلیجا = دل۔ نالہ کا اثر دل پر پڑتا ہے۔

اور اساتذہ کرام کے یہان جگر کو دل کے معنون پر آتے ہوئے دیکھکر بیخود خاکسار نے بھی کہا ہے۔

(بیخود موہانی)

حالت پہ میری چھوڑ دے اے چارہ گر مجھے — مرنے نہ دیگی لذتِ دردِ جگر مجھے

حضرت ناطق کو اسی مین تامل ہے کہ دل کے مضمون پر کلیجا ثقات بولتے ہین یا نہین

مین عرض کرون کلیجا تو کلیجا ہے اساتذہ سینہ اور چھاتی کہتے ہین اور دل مُراد لیتے ہین۔

(ذوق)

ہان تامل دمِ ناوک فگنی خوب نہین ۔۔۔ ابھی چھاتی مری تیرون سے چھنی خوب نہین

چھاتی = دل۔ بسبب یہ کہ نگاہِ یار دل کو چھلنی کرتی ہے نہ کہ سینہ کو۔

حضرت نقاد۔ روح کی قسمین، اثبات و نفی کی بحثین علامہ دہر ہونے کے ثبوت مین پیش

کرتے ہین لیکن تحقیق اور سخن فہمی اُن کے متعلق یون منادی کرتی ہے ع عالم ہمہ افسانۂ ما

دارد و ما ہیچ۔

ارشد ناطق۔ صرف چھ شاعرون نے کلیجہ کو بدل دیا ہے؛ باقی۔ بزم

مومن۔ ناطق۔ نظم۔ محشر انھین سے ہم نے کلیجہ کو دل سے بدلدیا ہے۔

مبصر اپریل ۲۵ء صفحہ ۲۱ کالم ۱ سطر ۱۰

اصلاح باقی

کیون روح نہ مضطر رہے شوق اُسکی خلش سے

پیوست مرے دل مین ہے پیکانِ تمنا

ارشاد ناطق۔ تخیل بدل گئی اور بہت ہی معمولی ہو گئی مگر مصرع ثانی

دُرست ہو گیا۔

التماس بیخود۔ یقیناً تخیل بدل گئی اور شعر شوق مین جدت مضمون سے جو شان پیدا ہو گئی

تھی جاتی رہی مگر الفاظ بہت خوبصورت اور مناسب جمع ہو گئے۔ رہا مصرع ثانی وہ پہلے ہی سے

درست تھا، ہان 'کلیجے' کی جگہ 'مرے دل' کے رکھنے سے مصرع کی روانی کسیقدر کم ہو گئی۔

اصلاح محشر

(مصرعہ اولےٰ بدستور)

پیوست ہوا دل مین جو پیکانِ تمنا

سبزاپریل
صفحہ ۱ کالم ۱
سطر (۹۰)

ارشاد ناطق۔ مصرع ثانی درست ہوا چست نہ ہوا کیونکہ جو بیکار ہے۔

التماس بیخود۔ مصرع ثانی نہ درست ہوا نہ چست ہاں "جو" خواہ مخواہ کیلئے آ گیا۔

سبزاپریل
صفحہ ۲ کالم ۱
سطر (۱۰-۱۲)

اصلاح ناطق

اے شوق نہ کیوں روح کو دشوار ہو پرواز
پیوست مرے دل مین ہے پیکانِ تمنا

ارشاد ناطق۔ مصرع ثانی بے عیب ہو گیا۔ مگر مصرع اولی مین اب بھی کسی قدر تعقیب ہے۔

التماس بیخود۔ مصنف کا شعر یون تھا ؎ اے شوق ہے اب روح کو پرواز بھی دشوار
پیوست کلیجے مین ہے پیکانِ تمنا۔

اُس کا مفہوم یہ تھا کہ جبتک تمنائے یار نہ کی تھی جینا سہل اور مرجانا آسان تھا اب دنیا سے یہ آرزو لیکر اُٹھ جانا سخت مشکل ہے اس لئے کہ دل کسی طرح اس نامرادی کی موت پر راضی نہین اور جناب ناطق کی اصلاح سے یہ مفہوم ہو گیا کہ میرے دل مین پیکان تمنا پیوست ہے اور یہی سبب ہے کہ روح کیلئے پرواز مشکل ہو گئی ہے مختصر یہ کہ میرے دم کے آسانی سے نہ نکلنے کا سبب یہ ہے کہ مجھے کسی کی تمنا ہے۔ خدائے سخن میر فرماتے ہین ؎

دمِ مرگ دشوار دی جان اُن نے — مگر میر کو آرزو تھی ہو کسی کی

اب ظاہر ہے کہ جناب ناطق نے مصنف کی تخئیل بلندی اُس نے "اب" اور "بھی" کے معنی خیز ٹکڑے سکھے تھے۔ جناب نقاد نے صرف شاہ مضمون کے زیور ہی نہین لوٹ لئے بلکہ گیسو بھی کاٹ لئے اور اصلاح کے متعلق صلانہ شد بانشد کا مضمون صادق آنے لگا۔ دوسرے مصرع مین "کلیجے" صرف ایک لفظ تھا جسکی وجہ سے شعر مین بہتے دریا کی روانی تھی "مرے دل" کے ٹکڑے سے "مرے" کا اضافہ بیوجہ ہوا اور کوئی کام نہ نکلا یہ بھی سمجھ مین نہین آتا کہ پرواز بھی

دشوار، کا ٹکڑا 'دشوار ہو پرواز' سے کیون بدلا گیا، یہ بجا ہے کہ شعر مصنف مین 'ہے' حرف رابطہ شروع مصرع مین تھا جسے آخر مصرع مین ہونا چاہیئے اصلاح تعقیب کا کچھ علاج ضرور ہوا مگر جناب حکیم صاحب نے 'پرواز' کو آخر مصرع مین رکھکر ایک دردِ اور پیدا کر دیا۔

اصلاح نوح

اے شوق کرے روح جو پرواز تو کیونکر
پیوست مرے دل مین ہے پیکان تمنا

ارشاد ناطق۔ مصرع ثانی بے عیب ہوگیا مگر مصرع اولیٰ مین تعقیب اور ضعف نظم اصل مصرع سے بھی زیادہ ہے۔

معیار اپریل صفحہ ۱۲ کالم ۱ سطر (۱۳-۱۶)

التماس بیخود۔ مصرع ثانی مین اتنا عیب تو ضرور پیدا ہوا کہ کلیجا دل سے بوجہ بدلا گیا تعقیب اس مین اتنی ہی ہے جتنی مصنف کے مصرع مین تھی یعنی جہان اُس نے 'کرے' کہا ہے مصنف نے 'ہے' کہا تھا، باقی ضعف نظم کا تو کہین اس مین شائبہ تک نہین بلکہ شعر کو ایسے حُسن سے سمیٹا ہے کہ بے اختیار واہ نکلتی ہے مگر ایک نازک غلطی جناب نوح سے ضرور ہوئی ہے وہ یہ کہ اُنھون نے روح کے پرواز کرنیکو مشکل کی جگہ غیر ممکن کر دیا۔ بیان دشوار یا دشوار کے معنی کا کوئی لفظ رکھنا ضروری تھا۔

ارشاد ناطق۔ شوق کے اس شعر مین تخیل اسقدر معمولی ہے کہ اسی کو تخیل شاعرانہ کہتے ہین یعنی تیر کے پیوست ہونے کی وجہ سے روح پرواز کرنے سے معذور ہوگئی ہے۔ اس زمانہ مین فن نے اتنی ترقی تو ضرور کی ہے کہ تخیل شعری وسیع ہو رہی ہے، اور تخیل شاعرانہ متروک ہو رہا ہے۔

التماس بیخود۔ جناب ناطق فرماتے ہین کہ اب تخیل شعری وسیع ہو رہی ہے اور مجھے حیرت ہے کہ یہ کس دنیا کا حال بیان کیا جا رہا ہے مجھے تو یہ حالت کہین نظر نہین آتی خدا وہ دن کرے

کہ ہمارا بدنصیب ملک اس نعمت عظمےٰ پر سجدۂ شکر بجالانے کا موقع پائے۔ حضرت ناطق کا یہ کہنا کہ روح پرواز کرنے سے معذور ہو گئی۔ غلط ہے اور اُسی طرح غلط ہے جس طرح جناب نوح کی اصلاح میں اس لئے کہ دشوار اور محال میں بڑا فرق ہے۔ یہ تخیل شاعرانہ نہیں تخیل شاعر ہے اور ندرت کا پہلو لئے ہوئے۔

ارشاد ناطق۔ ہم صاحبوں نے تخیل کو بدلا ہے دیکھنا یہ ہے کہ تبدیلی کیسی ہوئی

اصلاح افضل

اے شوق کھنچی روح کھنچا تیر جو اُس کا
پیوست کلیجے میں ہے پیکانِ تمنا

ارشاد ناطق۔ مصرع اولیٰ بدستور رہا اگر اسکے معنی بیان کروں تو ممکن ہے کہ مفہوم شاعر (یعنی مصلح) کا نہ ہو

التماس بجوو۔ جناب نقاد کا یہ ارشاد میری سمجھ میں نہیں آتا کہ پہلا مصرع بدستور رہا غالباً یا لغزِ قلم یا سہو کاتب ہے۔ ناقد بے بدل بجائے دوسرا مصرع لکھنا چاہتا تھا

جناب نقاد نے اصلاح جناب افضل کے متعلق کچھ نہیں کہا۔ اصلاح موجود ہے تخیل مصنف بدل گئی اور ندرت خیال جاتی رہی لیکن شعر زیادہ لطیف ہو گیا مفہوم یہ ہو گیا کہ ادھر تیر کھنچا اُدھر دم نکل گیا گویا اب ہماری زندگی جبھی تک ہے جبتک معشوق کا تیر جگر سے نہ نکلے یعنی اب ہماری زندگی کا انحصار التفات ناز پر ہے یہ نہ رہا تو ہم نہ رہے۔

اصلاح مبارک

بیتابیٔ شوق جگر افگار نہ پوچھو
(مصرعہ ثانی بدستور)

ارشاد ناطق۔ ایک شعریت تو پیدا ہو گئی۔

التماس بیخود۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کے شعر مین شعریت نہ تھی اور یہ انکشاف عجیب انکشاف ہے، حضرت بیباک کی اصلاح سے تخیل شعر بدل گئی جس مین ندرت بھی تھی مگر اس مین شک نہین کہ شعر سیدھا سادہ اور خوبصورت ہو گیا۔ 'جگر افگار' کے اضافہ سے شعر کا اثر بھی بڑھ گیا، ایک طرح کی تڑپ اور بے ساختگی پیدا ہو گئی۔

معیار اپریل صفحہ ۱۲ کالم ۲ سطر (۹-۱۰)

اصلاح ریاض

اے شوق اب اُٹھنے کا نہین ہاتھ جگر سے
پیوست کلیجے مین ہے پیکانِ تمنا

ارشاد ناطق۔ (اصلاح بیباک) کی کیفیت ریاض کی اصلاح (مین) ہو رہی ہے بلکہ اس ترکیب سے مصرع 'دل' کو بدلا ہے کہ مصرع ثانی مین کلیجے پر جو اعتراض ہوتا تھا وہ بھی رفع ہو گیا۔

التماس بیخود۔ کلیجے پر جو اعتراض تھا وہ مدیر مبصر کی عدم بصیرت کا نتیجہ تھا، اشعار اساتذہ نے اُسے باطل کر دیا، یہ ضرور ہے کہ شعر مین مزہ پہلے سے بہت زیادہ ہو گیا۔ اگرچہ مصنف کی تخیل قائم نہ رہی۔ اس ٹکڑے سے 'اب اُٹھنے کا نہین ہاتھ جگر سے' زبان کی لطافت اور روزمرہ کی نظافت بڑھ گئی۔

ارشاد ناطق۔

معیار اپریل صفحہ ۱۲ کالم ۲ سطر (۱۱-۱۶)

اصلاح نظم

اے شوق رہے روح کو پرواز کی تحریک
(مصرعہ ثانی بدستور)

اس کے معانی اور مشکلات کو مجھ سے زیادہ ناظرین حل کر سکتے ہین، کیونکہ 'تحریک رہنے' کا محاورہ عام لوگون سے مخفی ہے اور تیر کی پیوستگی سے پرواز روح کی تحریک کیونکر ہوتی رہے گی نقاد نہین سمجھ سکتا

التماس بیخود ۔ یہان حضرت ناطق کی عبارت پر اہل دل انگشت بدندان رہ جائینگے، اسلیے کہ جناب طباطبائی کی اصلاح کے متعلق جناب نقاد لکھتے ہین کہ مصرع ثانی بدستور، حالانکہ انکی اصلاح یون ہے ؎

لے شوق سے ہے روح کو پرواز کی تحریک
سینے مین کھٹکتا ہے پیکان تمنا

مین اسے اُن کے سہو نظر سے تعبیر کرتا ہون، مگر اتنا ضرور کہونگا کہ تخیل مصنف کے بدل جانے کی طرف سے صرف نظر کرین تو ماننا پڑے گا کہ اب شعر زیادہ مربوط ہوگیا۔ جب سینے مین پیکان تمنا کھٹکتا رہیگا تو ظاہر ہے کہ روح جلد پرواز کریگی، شاعر نے روح کے ساتھ لفظ پرواز رکھا ہے اِس سے ظاہر ہے کہ اُسے طائر فرض کیا ہے، اگر کوئی کھٹکا ہوتا رہے، تو وہ طائر کو جلد آمادہ پرواز کریگا، مین نہین سمجھ سکتا کہ اِس مین کونسا اشکال پیدا ہوگیا کہ جناب ناطق سا پہلوان نقد وتبصرہ سپر انداختہ نظر آتا ہے

صاف لفظون مین شعر کا مفہوم یہ ہے کہ دیکھو ترک تمنا نہ کرنا ورنہ دنیا مین اُلجھ کر رہجاوگے اور اِس زندگی سے جو حقیقت مین اسیری کا دوسرا نام ہے نجات نہ ملے گی۔

مین حضرت ناطق کے اِس تبصرہ مین ابتدا سے دیکھتا چلا آتا ہون کہ جناب موصوف جناب طباطبائی اور مجھ ناچیز کی صلاحون کے خلاف کچھ نہ کچھ لب کشائی ضرور فرماتے ہین، اور حضرت طباطبائی کے متعلق اکثر ارشاد ہوتا ہے کہ اُنکی صلاح سمجھ مین نہ آئی، گویا جناب موصوف مہمل گو ہین، اور شاید یہ

بھی کچھ ایسا ہی کہ جب حضرت ناطق سا نکتہ آفرین اور سخن سنج، اُن کی صلاحون کے سمجھنے سے معذور رہے تو باد شما چہ رسد، یہ وہ ناقد ہے جو اپنے کو نقاد لکھتے ہوئے نہ جھجکتا ہے نہ شرماتا ہے۔

میرا خیال یہ ہے کہ غالباً یہ سعی ناکام وغیر محمود صرف اسلیے ہے کہ جناب طبا طبائی کی ادبی قابلیت، شاعرانہ عزت، محققانہ عظمت۔ (اگرچہ یہ باتین خفا ہوجانے کے بعد اُن مین کچھ دیر کے لیے باقی نہین رہتین) ہندوستان مین مسلم ہے، اگر جناب نقاد کے زور قلم نے اُسے مٹا دیا تو بڑا کام اور بڑا نام کیا، لیکن یہ سودائے خام ہے۔

مطلع کی صلاح مین "ہے سیل عزم دست بدامان تمنا" یہ مصرع حضرت نقاد کی سمجھ مین نہ آیا، اور غضب یہ ہے کہ دمن یقینت کی مفصل تفسیرون کے ملاحظہ کرنے پر بھی ناکامی ہی رہی، صرف اُن مقامات پر جناب طبا طبائی کی جان بچ گئی ہے جہان اُنھون نے شعر کو ہاتھ نہین لگایا، صرف مطلع کی ایک صلاح یعنی "اور جوش جنون سلسلہ جنبان تمنا" تو حضرت نقاد کی سمجھ مین آئی، جسکا اعتراف اُنھون نے فرمایا ہے، مگر وہان بھی من چہ می سرایم و طنبورہ من چہ می سرایدٗ ہی کا معاملہ ہے، لیکن بیخود ناشاد وہ بدنصیب ہے کہ شعر کو بحالہ قائم رکھنے پر بھی، یہ گمن لیا کرتا ہے۔

قول ناطق

ایک آخری بات اس مسئلہ کے متعلق یہ بھی کہنے کے قابل ہے کہ بیخود موہانی شوق قدوائی اور نیاز فتحپوری کی رائے صلاح کے بارے مین زیادہ قابل سند ہے کیونکہ بیخود اور شوق کو کسیکا شعر ذرا مشکل سے پسند آتا ہے اور اپنے شعر سے

بھی زیادہ دوسرے کے شعر کو احتیاط و غور سے دیکھتے ہین، اگر اس شعر
مین یہ نحوی نقص ہوتا تو وہ چشم پوشی کرنے والے نہ تھے۔ یہ ارشاد مبصر فروری
صفحہ ۱۲ کالم ۲ سطرہ تا ۱۰ مین نظر آتا ہے جہان اِس شعر سے

ہچکی کی صدا سب جسے سمجھے دم آخر
ٹوٹا تھا یہ قفل در زندان تمنا

مین جناب نقاد نے "یہ" اور "وہ" کے محل استعمال کے متعلق بحث فرمائی ہے
مگر مجھے اِن کرم فرمائیون پر کوئی شکوہ نہین مجھے یہ اشعار رہ رہ کر یاد آتے ہین۔

(غالب) نظر لگے نہ کہین اُن کے دست و بازو کو
یہ لوگ کیون مرے زخم جگر کو دیکھتے ہین

(داغ) قضا کا نام لین تقدیر کو دین مجھے کوسین
مرے قاتل کا چرچا کیون ہو میرے سوگوارون مین

مین تو یہ بھی نہین کہنا چاہتا سے

چو خود کردند راز خویشتن فاش
عراقی را چرا بدنام کردند

بندۂ ناچیز

خاکسار محمد احمد بیخود موہانی

ایم اے۔ منشی فاضل

پروفیسر شیعہ کالج

"لکھنو"

مطبوعات اتر پردیش اُردو اکاڈمی

۱۔ انیسیات:	سید مسعود حسن رضوی ادیب	۱۳/۵۰
۲۔ بیسویں صدی کے بعض لکھنوی ادیب اپنے تہذیبی پس منظر میں:	مرزا جعفر حسین	۱۸/-
۳۔ قصیدہ نگاران اتر پردیش:	سید علی جواد زیدی	۱۸/۷۵
۴۔ مونا وانا (ڈراما):	مترجمہ: اے۔ این سپرو	۶/۵۰
۵۔ روح نظیر: (فوٹو آفسیٹ ایڈیشن)	مخمور اکبر آبادی	۲۰/۷۵
۶۔ مراۃ الشعر: (" ")	عبدالرحمٰن	۱۳/۷۵
۷۔ تنویر الشمس: (" ")	اعجاز رقم شمس الدین	۳/-
۸۔ انتخاب منظومات: حصہ اول (بی۔ اے کے نصاب کے مطابق)		۳/-
۹۔ انتخاب منظومات: حصہ دوم (" ")		۳/۷۵
۱۰۔ مطالعہ اقبال: (اقبال سیمینار میں پڑھے گئے مقالات)		۵/۲۵
۱۱۔ وجودیت پر ایک تنقیدی نظر:	سلطان علی شیدا	۱/۲۰
۱۲۔ ادب کے نوبیل انعام یافتگان:	شری مراری سنہا	۷/۶۵
۱۳۔ انتخاب افسانہ: (برائے بی۔ اے)		۶/۵۰
۱۴۔ جدید ادب: منظر اور پس منظر:	سید احتشام حسین	۹/۵۰
۱۵۔ انتخاب نثر: (حصہ اول) (برائے بی۔ اے)		۳/-
۱۶۔ انتخاب نثر: (حصہ دوم) (" ")		۳/-
۱۷۔ بکٹ کہانی (افضل)	مرتبہ: نور الحسن ہاشمی و مسعود حسین خاں	۲/۶۰
۱۸۔ انتخاب قصائد: (برائے ایم۔ اے)	ڈاکٹر حکم چند نیر	۲/۶۱
۱۹۔ سیاسی نظریے:	ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی	۲/۲۰
۲۰۔ لالۂ شاداب: (مجموعۂ کلام)	مسعود اختر جمال	۵/۱۵
۲۱۔ سخن دان فارس: (فوٹو آفسیٹ ایڈیشن)	محمد حسین آزاد	۱۲/۵۰
۲۲۔ گنجینۂ تحقیق: (" ")	سید احمد بیخود موہانی	۱۰/۵۰
۲۳۔ نظام اردو: (" ")	سید انور حسین آرزو	۳/۱۵
۲۴۔ سُریلی بانسری: (" ")	"	۵/۱۵
۲۵۔ جہان آرزو (" ")	"	۶/۱۰
۲۶۔ رباعیات انیس: (" ")	"	۹/۱۰